

www.ahlehaq.org

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله

الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدانا اللَّهُ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدانا اللَّهُ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدانا اللَّهُ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدانا اللَّهُ



فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٩﴾
لَمَّا شَفَاءَ الْعِصْحِ السَّوَالِ عَلَيْهِ

أَسْنُ الْفَتَاوَى

بجذف مكررات و تحریجات فرائض مسائل غیر مهمہ

جلد ۶

(۱۸)

فقیر العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ

(وحد تقسیم کنندگان)

الحاج اہم سعید مدنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

کتاب خانہ فاروق سکسٹریٹ



نام کتب _____ احسن الفتاوی

جلد _____ ششم

زیر اہتمام _____ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

مخوامت _____ ۵۵۰ صفحات

مکتبہ _____ منشی محمد فاروق مسعود آباد

تعداد _____ ایک ہزار

پریس _____ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول _____ سنہ ۱۴۱۵ھ

طبع ہفتمہ _____ سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک سناچوک کراچی



فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد ششم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷	جہاد اصطلاح شریعت میں	۹	کتاب الجہاد
۲۹	نوسلمہ کو ہندو والدین کے سپرد کرنا جائز نہیں	۱۱	دارالحرب سے ہجرت کا حکم
"	جاسوس کی سزا	۱۲	دارالحرب سے آمگل کرنا
۳۱	کیا لوگوں کو حیرا اسلام میں داخل کیا گیا؟	"	دارالحرب کے مسلمانوں کو حکومت مسلمہ کا مقابلہ کرنا جائز نہیں
۳۲	ان اراضی کا حکم جو انگریزوں نے مخالفین سے چھین کر اپنے فساداروں کو دیں	۱۳	خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۳	ایام جنگ میں نقل مکانی	۱۵	شرائط جہاد
۳۴	رسائل	۱۷	بضرورت جہاد ڈاڑھی منڈانا جائز نہیں
۳۵	سیاست اسلامیہ	۱۸	دارالاسلام میں غیر مسلمین کو تبلیغی اجتماع کی اجازت نہیں
۱۴۱	رفع النقاب عن وجہ الانتخاب	۱۹	دارالاسلام میں غیر مسلمین کو نئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہیں
۱۹۳	غلبۃ اسلام	۲۰	غیر مسلمین کے حلیہ اور لباس وغیرہ پر پابندی
۱۹۹	ذب الجہول عن سبط الرسول	۲۱	اسلامی ملک کی تعریف
۲۳۷	مسلح پہرہ	"	دارالامن کی تعریف
۳۵۷	باب المرتد والبیغاة	۲۲	دشمن کے خطرہ سے خودکشی حرام ہے
"	مرتد کے مال کا حکم	"	سیاست شریعت سے جدا نہیں
۳۵۸	مرتد کے ہبہ وصیت اور وراثت کا حکم	۲۳	اسلام میں مغربی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں
۳۵۹	قادیانوں کے ساتھ تعلقات	۲۷	دارالحرب کی تعریف
۳۶۰	سوال مثل بالا	"	مسلم اقلیت کا حکومت کا فسرہ سے جہاد کرنا
"	ارتداد زوج سے نکاح فوراً ٹوٹ گیا	"	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۹	بلا اذن شریک تصرف جائز نہیں	۳۹۱	ارتداد زوجہ کا حکم
"	مشرک زمین میں بلا اذن {	۳۹۲	قتل بغاۃ
"	شریک پورے دگا دیئے {	۳۹۶	حکم اموال بغاۃ
۴۰۱	شرکت میں تعیین نفع کا اصول	"	فاسق کی بغاوت
"	مشرک مکان کی بلا اجازت مرمت		رسالہ
۴۰۲	نابالغ کے ساتھ مشترک مصارف	۳۹۷	القتل المشتد قتل المرتد
۴۰۳	شرکت مع مضاربہ جائز ہے	۳۸۹	کتاب اللقطة
۴۰۴	بیٹے اور باپ کی مشترک جائیداد کا حکم	"	کافر کا لقطہ
۴۰۵	مشرک مکان میں بلا اذن تعمیر کا حکم	"	گھڑی ساز کو گھڑی دیکر واپس نہیں آیا
۴۰۶	مشرک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا	۳۹۰	مالک مکان لاپتہ ہو گیا تو {
"	شریک کو ملازم رکھنا		کرایہ کس کو ادا کرے؟ {
۴۰۷	کتاب الوقف	۳۹۱	قلم پڑا ملا
"	مسجد یا مدرسہ سے قرآن یا {	"	ماہانہ رسالہ کا خریداروں {
"	کتاب دوسری جگہ منتقل کرنا {	"	تک پہنچنا مشکل ہو گیا {
۴۰۸	ایک مدرسہ کی اشیاء دوسرے میں منتقل کرنا	۳۹۳	کتاب الشریکۃ
"	سوال مثل بالا	"	باپ اور بیٹوں کی مشترک {
"	ایک قرآن مجید کی جلد یا {	"	جہانی باپ کی ملک ہے {
"	غلاف کو دو حصے پر چڑھانا	"	مشرک کمائی میں سب کا برابر حصہ ہے
۴۰۹	پرانے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے	۳۹۴	ایک شریک کے لئے زائد منافع کی شرط
۴۱۰	وقف معلق بالموت صحیح ہے	۳۹۶	مشرک مال میں بلا اجازت تصرف کرنا
"	وقف میں ناجائز تصرف کرنے {	۳۹۷	سامان میں شرکت عنان صحیح نہیں
"	والا متولی واجب العزل ہے {	"	مشرک کاروبار میں نقصان ہو گیا
"	وقف پر شہادت بالتسامع جائز ہے	"	ہر شریک کو شرکت {
۴۱۱	وقف علی المسجد میں قبر بنانا جائز نہیں	۳۹۸	ختم کرنے کا اختیار ہے {
"	تفصیل تقسیم الوقف بین المتولیین		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۴	مسجد کے پرانے گارڈ اور دروازے	۴۱۲	وقف میں تاحیات آمدن خود لینے کی شرط
۴۲۵	مسجد کی پرانی دریاں فروخت کرنا	۴۱۳	وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر
"	وقف علیٰ مسجد میں قبر بنانا	۴۱۴	وقف میں ذاتی تصرف حرام ہے
۴۲۶	سرکاری زمین میں بلا اجازت	۴۱۵	وقف کتب خانہ سے کتب کا اخراج
"	مسجد کا بڑھانا جائز نہیں	۴۱۶	اوقاف کی ملازمت جائز ہے
"	ایک مسجد کا سامان دوسری میں منتقل کرنا	"	دراہم و دنانیر کا وقف
۴۲۷	ایک مسجد سے قرآن دوسری میں منتقل کرنا	"	مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا
"	پرانے قبرستان پر مسجد بنانا	۴۱۷	مدرسہ کی رقم قرض دینا
"	عید گاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں	"	وقف مشاع جائز نہیں
۴۲۸	عید گاہ میں کھیلنا کوہنا جائز نہیں	"	قبرستان کے درختوں کے پھل کا حکم
۴۲۹	بنار مسجد کی نذر	۴۱۸	قبرستان کے درخت کاٹنا
"	مسجد میں وضو کیلئے ٹنکی بنانا جائز نہیں	۴۱۹	قبرستان کے درخت سے مسواک کاٹنا
۴۳۰	مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا	"	وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط
۴۳۱	حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم	"	سوال مثل بالا
۴۳۳	عید گاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا جائز نہیں	۴۲۰	وقف کی زمین بدنا جائز نہیں
۴۳۶	مسجد کی زمین میں امام کا مکان بنانا	"	حکم الوقف علی الاقارب
"	نزد مسجد بیت الخلاء و غسل خانہ ساختن	۴۲۱	مسجد کیلئے وصیت کا مدرسہ پر صرف جائز نہیں
۴۳۷	کافر کی متروک جائداد پر مسجد بنانا	"	واقف خود متولی بن سکتا ہے
۴۳۸	سوال مثل بالا	۴۲۲	مدرسہ دینیہ کے لئے وقف
"	سوال مثل بالا	"	زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں
۴۳۹	کافر کا مسجد بنانا	"	ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا جائز نہیں
۴۴۰	مسجد میں خرید و فروخت کرنا جائز نہیں	۴۲۳	بدون قبض وقف صحیح ہے
۴۴۳	مسجد پر مدرسہ بنانا	۴۲۴	باب المساجد
۴۴۴	مسجد پر امام کا مکان بنانا	"	عید گاہ میں اسکول بنانا جائز نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵۶	مسجد میں دنیوی باتیں کرنا	۴۴۴	رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا
۴۵۷	مسجد میں افطار کرنا	۴۴۵	مسجد میں کپڑے سکھانا
"	مسجد میں جگہ روکنا	"	مسجد میں چندہ کرنا
"	مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا	۴۴۶	مسجد کی بجلی کا بے جا استعمال
۴۵۸	تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھنا	"	سوال مثل بالا
۴۵۹	مسجد کے حجرہ میں انگریزی پڑھنا	۴۴۷	مسجد کے نل سے نہانا
"	مسجد کی دیوار پر نقش و نگار کرنا	"	امام کو پیشگی تنخواہ دینا
۴۶۰	مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ لینا	"	مسجد میں سونا
"	مسجد کی زمین پر ذاتی مکان بنانا	۴۴۸	سوال مثل بالا
"	مسجد میں سوال کرنا	۴۴۹	دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا
۴۶۱	پرانی عید گاہ میں مدرسہ بنانا	"	مسجد کے چندہ کا مبادلہ
"	شراب وسط مسجد میں نہو تو صفیں کیسے بنائیں؟	۴۵۰	مسجد کی کتاب کو باہر نکالنا جائز نہیں
۴۶۲	مشکف کا مسجد میں حجامت ہونا	"	اذان کے بعد افراد نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنا
"	مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا	"	مسجد کی چیز ذاتی استعمال میں لانا
۴۶۳	مسجد کے منکھے امام کے مکان میں لگانا	۴۵۱	مسجد میں لالٹین جلانا
"	مسجد کی رقم تجارت میں لگانا	"	مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا
"	مسجد میں چوری کا کارڈ لگا دیا	۴۵۲	سوال مثل بالا
۴۶۴	تعمیر مسجد کا چندہ غسل خانہ وغیرہ پر خرچ کرنا	"	مسجد میں چارپائی بچھانا
"	نااہل کو انتظامیہ کا صدر بنانا جائز نہیں	۴۵۳	مسجد میں اگالان رکھنا
۴۶۵	عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۴۵۴	مسجد کی آمدن سے مسجد کی اشیاء خریدنا
۴۶۶	متولی کو چندہ قبول نہ کر نیکا اختیار ہے	"	کافر کی زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا
"	مسجد بیت کے لئے افراز طریق شرط نہیں	"	مسجد میں آتے جاتے سلام کہنا
۴۶۷	چندہ لانے والے کی اجرت اسی چندہ سے	۴۵۵	مسجد میں وضو کرنا
۴۶۸	مسجد کو تالا لگانا	"	مسجد کے قرآن مجید طلبہ کو دینا
۴۶۹	مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان	۴۵۶	پرانی مسجد کو مکتب بنانا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۵	سکرٹ کی تجارت جائز ہے	۴۷۵	کتاب البیوع
"	بھینس کے نو مولود بچہ کی بیع	۴۷۶	زمین اس طرح فروخت کی کہ مشتری بائع
۴۹۶	جھینگے کی بیع جائز ہے	۴۷۸	کو اس کے عوض سرکاری زمین خرید کرے
"	بعض الحیوان کی بیع جائز ہے		احقر کار کی تحقیق
"	جانور کے مشانہ کی بیع		اس شرط پر زمین بیچی کہ مشتری
۴۹۷	زندہ مرغی کی بیع وزناً جائز ہے	"	کے نام انتقال تک پیداوار بائع لیگا
"	مروجہ بیع میں مشتری	"	ٹھیکہ پر دی ہوئی زمین کی بیع موقوف ہے
"	پہر اعادة وزن کی تحقیق	"	مکملات و موزونات کی بیع بالجنس
۴۹۸	متعین وزن کے ڈبوں کی بیع	"	آزاد عورت کا فروخت کرنا حرام ہے
۴۹۹	برف کی بیع تخمینہ سے	۴۷۹	قبل الدباغ مردار کی کھال کی بیع باطل ہے
۵۰۰	عددی چیزوں کا ان کی جنس سے مبادلہ	۴۸۰	کنٹرولی نرخ سے زیادہ پر خرید و فروخت
"	مشتری نے مبيع لینے سے انکار کر دیا	"	حرام مال سے خریدا ہوا سامان بھی حرام ہے
"	تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے	"	تالاب میں مچھلی کی بیع جائز نہیں
۵۰۱	بیع بلا اذن شریک	۴۸۱	مسلم فیہ دینے سے عجز کا حکم
۵۰۲	بضرورت ارزاں بیچنا	۴۸۲	بیع سلم کی بعض شرائط
"	دودھ خریدنے میں کھویا	"	مردار کی بدبودار ہڈی کی بیع جائز ہے
"	کی متعین مقدار کی شرط	"	باغ پر پھل کی بیع بشرط وزن
۵۰۳	بیع موجد میں تعیین اجل ضروری ہے	۴۸۵	باغ پر پھل کی بیع کی مختلف صورتیں
۵۰۴	مثل سوال بالا	۴۸۷	بیع الثمر قبل الظہور
۵۰۵	بیع شرب جائز نہیں	۴۹۰	مثل سوال بالا
"	ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی خرید و فروخت	۴۹۲	بیع بشرط البراءة من کل عیب
"	بدون رضائے متبایعین	"	مبيع میں ظہور عیب
"	فسخ بیع کا اعتبار نہیں	۴۹۳	مبيع کا عیب چھپانا حرام ہے
۵۰۶	مشتری ثمن ادا نہ کرے	۴۹۴	ظہور عیب پر مشتری کو خیال فسخ ہے
"	تو بائع کو حق فسخ ہے	"	افیدن کی کاشت و بیع جائز ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۵	مال پہنچنے سے قبل اس کی بیع	۵۰۷	بیع بالوفار
۵۲۶	تجارتی اجازت نامہ کی بیع	"	لفظ "دیگا" وعدہ بیع ہے
۵۲۷	جہالت ثمن مفسد بیع ہے	۵۰۸	{ چاندی کی قیمت بڑھنے سے روپے کی مالیت میں کوئی فسرق نہیں آتا }
"	حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا جائز نہیں	۵۱۲	مثل سوال بالا
۵۲۸	رنڈی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا	۵۱۳	والد کا صغیر کی زمین بیچنا
"	پگڑی لینا دینا جائز نہیں	۵۱۴	اراضی و بیوت مکہ کی بیع و اجارہ
"	حق سکنی و تصنیف وغیرہ کی بیع جائز نہیں	۵۱۸	نوٹ سے سونے اور چاندی کی بیع
۵۳۱	مباح الاصل لکڑی کی بیع	"	قیمت میں رعایت بذریعہ قرعہ
"	مذہب باطلہ کی کتب بیچنا جائز نہیں	۵۱۹	باب البیع الفاسد والباطل
"	بیع بشرط اقالہ فاسد ہے	"	بیع فاسد میں مبیع ہلاک ہوگئی
۵۳۲	{ بیع میں یہ شرط لگانی کہ "ثمن نہیں دے گا تو بیع نہیں ہوگی" }	"	قسطوں پر خرید و فروخت
۵۳۳	حکومت کی طرف سے الاٹ شدہ زمین کا حکم	"	بیع بالشرط
۵۳۴	شیعہ، قادیانی وغیرہ زنادقہ سے { بیع و شرار و دیگر معاملات جائز نہیں }	۵۲۰	بونس واؤچر کی بیع جائز نہیں
"	رسالہ	۵۲۱	گوبر اور پاخانہ کی بیع
"	القول المبرہن فی کواہتہ	"	پنشن بیچنا جائز نہیں
۵۳۵	{ بیع الرادیو والتلوژن }	۵۲۲	دم مسفوح کی بیع و شرار حرام ہے
۵۳۷	متفرقات البیوع	"	حکم ثمن خمر
"	اولاد کو زمین دیکر اسمیں تصرف کرنا	"	عقد سلم میں قبل القبض رأس المال { یا مبیع میں تصرف کرنا - }
"	{ مبیع کو دیکھتے وقت مشتری کے ہاتھ سے ضائع ہوگئی }	۵۲۳	ماہی گیر کا پیشگی رقم لینا
"	ڈپو ہوٹلر مقررہ قیمت کا پابند ہے	۵۲۴	زیادہ قیمت پر مبیع واپس کرنے کی شرط
۵۳۹	ایک شریک کے ادارہ ثمن سے انکار کر دیا	"	{ بیع سلم میں کل ثمن مجلس عقد میں دینا شرط ہے }
۵۵۰	بیع سے انحراف پر جرمانہ	"	بیرون ملک بذریعہ بینک خریدنا

کتاب الاحقار

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
بَاَنَّ لَهُمْ الْجَنَّةَ یَقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فِیَقْتُلُوْنَ و
یُقْتَلُوْنَ وَحَدَّ عَلَیْهِمْ حَقًّا فِی التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِیْلِ
وَالْقُرْآنِ وَمَنْ لَوْ فِیْ بَعْضِهِمْ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا
بِبَیْعَتِكُمْ الَّتِیْ بِاَیْمَانِكُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ ○ (۹ : ۱۱۱)

قُلْ اِنْ كَانَ اِبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاَخْوَاؤُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا احْبَبَ
اِلَیْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهِ فَارْتَبِعُوا
حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ وَاللّٰهُ لَیْهْدِ الْقَوْمَ
الْفٰسِقِیْنَ ○ (۹ : ۲۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَرُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِذَا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ وَرَضِينَا بِهَا حَيَاةً وَالْآخِرَةَ فَمَا مَنَعُ الْخَيْرِ فِي الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ وَلَا تَتَفَرُّوا بِمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبِيلُ قَوْمًا خَيْرٌ مِنْهُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَلَا تَتَضَرَّوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا خَرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَثَرِ النَّبِيِّينَ إِذْ هُمْ فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السَّفَلَىٰ وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعَلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَتَفَرُّوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَا تَتَّبِعُوا وَلَكِنْ بَعِثْنَا عَلَيْهِمُ الشَّقَّةَ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (٣٨ : ٢٢ تا ٣٢)

کتاب الجہاد

دار الحرب سے ہجرت کا حکم :

سوال : مسلمانانِ برما پر جو جو دستور ہو رہا ہے واضح ہے، منجملہ ایسکہ اسلام کے کرنِ اعظم حج پر پابندی ہے، اس صورت میں مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت ضروری ہے یا نہیں؟
بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں دین یا جان یا عزت یا مال محفوظ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے، مطلق
دار الحرب ہونا موجب ہجرت نہیں، اگر برما میں مسلمانوں کی جان یا مال محفوظ نہیں، یا نماز
روزہ یا قربانی وغیرہ شعائر اسلام پر پابندی ہو تو ہجرت فرض ہے، صرف حج پر پابندی کی
وجہ سے ہجرت فرض نہیں، اس لئے کہ حج کا ارادہ ظاہر کئے بغیر بھی حج ادا کیا جاسکتا ہے،
اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج فرض نہیں، صاحبین
رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے سے حج کرنا فرض ہے، اس کے بعد عند ختم ہو جائے تو
خود حج کرنا فرض ہے، تصحیح میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قول صاحبین
رحمہما اللہ تعالیٰ کو اختیار فرمایا ہے، علاوہ ازیں احوط بھی یہی ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہو
کہ حکومت کی طرف سے پابندی کے بعد حج فرض ہوا ہو، اگر پابندی سے پہلے حج فرض تھا
تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرنا فرض ہے، قال فی العلائق غیر مجبوس وخائف
من سلطان یمنع منه، وفی الشامیۃ فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشيخ کبیر
لا یثبت علی الراحلة بنفسه واعلیٰ ان وجد قائد او مجبوس وخائف من
سلطان لا بانفسهم ولا بالنیابة فی ظاہر لمن ھب وھو رواية عنہما وظاہر
الروایۃ عنہما وجوب الاحجاج علیہم ویجزیہم ان دام العجز وان زال

اعادوا بانفسهم، والحاصل انه من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الاداء عند ههنا وثمرة الخلاف تظهر في وجوب الاحجاج والا يضاء كما ذكرنا وهو مقيد بما اذا لم يقدر على الحج وهو صحيح فان قدر ثم عجز قبل الخروج الى الحج تقرر ديناً في ذمته فيلزمه الاحجاج (الى قوله) وظاهر التحفة اختيار قولهما وكذا الاسبيجاني وقواه في الفتح ومشى على ان الصحة من شرائط وجوب الاداء من البحر والنهر وحكى في الباب اختلاف التصحيح وفي شرحه انه مشى على الاول في النهاية وقال في البحر المعين انه المذهب الصحيح وان الثاني صححه قاضي خان في شرح الجامع واختاره كثير من المشايخ ومنهم ابن التمام (رحم المختار ۱۵۴) فقط والله تعالى اعلم، ۸/ رمضان ۱۲۸۸ھ

دار الحرب سے اسمگل کرنا:

سوال: برما جو کافروں کی حکومت ہے اس کی سرحد کے متصل مسلمانوں کی حکومت ہو جس میں برما کے مسلمان اسمگل کرتے ہیں، جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسمگل کرنا جائز ہے تو وہاں کے بعض علماء جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ برما دار الحرب ہے، دار الحرب کے دارالاسلام میں اسمگل جائز ہے، ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برما کے مسلمانوں اور حکومت کے درمیان علانیہ محاربہ نہیں تو وہاں سے مال اسمگل کرنا جائز نہیں، فقط والله تعالى اعلم ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ

دار الحرب کے مسلمانوں کو حکومت مسلمہ کا مقابلہ کرنا جائز نہیں:

سوال: کافروں کی فوج میں مسلمان فوج بھی ہو اور یہ مسلمان فوج دوران جنگ کسی مسلم ملک پر حملہ کرے، یہ مسلم فوج جو کفار کی طرف سے لڑ رہی ہے اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری جائے تو کیا یہ شہید ہوں گے؟ کیونکہ یہ مجبور ہیں، گورنمنٹ کافر کے ملازم ہیں، حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے، یا یہ مسلم فوجی آیت کریمہ ومن یقتل مؤمناً متعمداً الاية کے تحت جہنمی ہونگے؟ یعنی مارے جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کفار کی فوج میں اگر مسلم حمایت آئے تو وہ انہی میں سے ہے، اس کے ہاتھ سے حکومت

مسلمہ کا کوئی مسلم فوجی مرجائے تو وہ شہید ہے، اور اسے حکومت مسلمہ کا فوجی قتل کر دے تو یہ شہید نہیں، یہ مجبور نہیں، اسے اختیار تھا کہ حکومت کافرہ کی فوجی ملازمت نہ کرے، اگر کافر حکومت کی طرف سے جبر ہو تو بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلنا حرام ہے، اگر حکومت کی طرف سے سزائے موت کی تہدید ہو تو بھی قتل مسلم جائز نہیں، حکومت نے اسے قتل کر دیا تو شہید ہوگا، قال فی شرح التنویر و رخص له اتلاف مال مسلم او ذمی اختیار بقتل او قطع و یؤجر لو صبرا بن ملک (الی قولہ) لا یرخص قتله او سبه او قطع عضوه و ما لا یستباح بحال اختیار، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ او سبه) مخالف لما فی القہستانی عن المضمرات من انه با ملجئ یرخص شتم المسلم و انه لو اکره علی الافتراء علی مسلم یرجى ان یسعه كما فی الظہیریۃ اھ وقال فی التاترخانیۃ الا ترى انه لو اکره بمتلف ان یفتري علی الله تعالیٰ کان فی سعة فهنا اولی الا انه علق الاباحۃ بالرجاء و فی الافتراء علی الله لم یعلق لانها هناك ثابتة بالنص و هنا ثبت دلالة قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عقیب هذه المسألة الا ترى انه لو اکره بوعید تلف علی شتم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان فی سعة ان شاء الله تعالیٰ و طریقہ ما قلنا و لو صبر حتی قتل کان مأجورا و کان افضل اھ (قولہ او قطع عضوه) ای ولو اذن له المقطوع غیر مکره فان قطع فهو اثم و لا ضمان علی القاطع و لا علی المکره و لو اکره علی القتل و اذن له فقتله اثم و الدیۃ فی مال الامرأتین و کن فی الخانیۃ قال له السلطان اقطع ید فلان و الا لا قتلک و سعه ان یقطع و علی الامر قصاص عند ہما و لا روایۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اھ شتم رأیت الطوری وفق بانه ان اکره علی القطع با غلظ منه و سعه و ان یقطع او بدو فلا تأمل و اتی بضمیر الغیبة العائد علی غیرہ لما فی الہندیۃ اکره بالقتل علی قطع ید نفسه و سعه ذلك و علی المکره القود و لو علی قتل نفسه فقتل فلا شیء علی المکره اھ (رد المحتار ص ۵۷۹۲) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم،

الرجب ۹۳ھ

خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

سوال؛ جماعت اسلامی کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حقیقی

خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، مگر معاویہ نے جبراً قبضہ کر لیا، اور اپنی حکومت کے زمانہ میں طرح طرح کے مظالم کرتے رہے، اس کا جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عقیدہ دراصل شیعہ کا ہے، جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب بھی ماڈرن شیعہ تھے، تفصیل کے لئے میرا رسالہ ”مودودی صاحب اور تحریک اسلام“ ملاحظہ ہو،

کاش کہ شیعہ لوگ خود اپنی ہی کتابوں کے آئینہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام دیکھ لیں، ذیل میں چند حوالے درج کئے جاتے ہیں:

① حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی، فرأیت ان اسالم معاویة وأضع الحرب بيني وبينه وبأيعته ركشف الغمة في معرفة الائمة مطبوع ایران ص ۱۰۰) لما صالح الحسن بن علي بن ابي طالب معاوية بن ابي سفيان دخل عليه الناس فلامه بعضهم على بيعته فقال ويحكم لا تدرون ما عملت والله للذي عملت خير لشيعتي (احتجاج طبرسی ص ۱۶۲)

② حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی، سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول ان معاوية كتب الى الحسن بن علي صلوات الله عليهما ان اقدم انت والحسين (الى قوله) فقال (معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ) يا حسن قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين عليه السلام قم فبايع فقام فبايع (رجال کشی مطبوع کربلا ص ۱۰۲، بحار الانوار مطبوع ایران ص ۱۲۳ ج ۱۰) بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کا بھی عزم ظاہر فرما کر یزید کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے، مگر آپ کو مہلت نہ دی گئی، اما ان اضم یدی فی ید یزید (طبری ص ۳۱۳ ج ۴، البدایة والنهاية ص ۷۰ ج ۸) کتب شیعہ میں سے الشافی مطبوع ایران ص ۲۷۱ میں بھی یہ روایت منقول ہے، علاوہ ازیں یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست پیش کرنے کی روایت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، اور یہ خلافت یزید کو تسلیم کرنے کی واضح دلیل ہے،

③ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے لئے تمام شیعوں سے بہتر ہیں، عن زید بن وهب الجعفی قال لما طعن الحسن

بالمدائن ایتہ وهو متوجع فقلت ماتری یا ابن رسول اللہ فان الناس متحیرون فقال
ازی واللہ ان معاویۃ خیر لی من ہؤلاء یزعمون انہم لی شیعۃ (احتجاج طبری ص ۱۶۳)
(۴) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار پندرہ لاکھ
درہم دیئے = ۵۱۰۳ ٹن چاندی، اور ایک بار چار لاکھ درہم دیئے = ۳۶۰۸ ٹن چاندی، اور
ایک لاکھ درہم = ۳۲۰۲ ٹن چاندی مستقل سالانہ وظیفہ دیتے تھے (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۰۱)
شیعہ مجتہد محمد حسین عرف ڈھکونے اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شرائط صلح
میں سے ایک شرط کے تحت گزارہ الاؤنس تھا (تجلیات صداقت ص ۲۹۲)

مذہب شیعہ میں امام معصوم ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ
ظالم، فاسق اور غاصب تھے، سوال یہ ہے کہ امام معصوم کے لئے ظالم و غاصب خلیفہ کے بیت المال
سے یہ رقوم وصول کرنا کیسے حلال تھا؟ کئی ٹن چاندی کی مقدار میں درہم اور سالانہ ایک
لاکھ درہم مستقل طور پر وصول کرتے رہنے کی شرط منو اگر خلافت جیسی خدائی امانت ظالم و فاسق
کے حوالہ کر کے خود راحت و آرام کی زندگی بسر کرنا اور گزارہ الاؤنس کے عوض امت پر ظالم حکمران
کا تسلط قبول کر لینا عصمتِ امام کے خلاف نہیں؟ غرضیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت
سے انکار درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خیانت کا الزام قائم کرنا ہے،

واللہ العالم من جمیع الفتن

۲۶ جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

شرائط جہاد :

سوال : اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے،
آمین، آپ کے مندرجہ ذیل مسائل دریافت کئے جا رہے ہیں، امید ہے دلائل کے ساتھ جواب
مرحمت فرمائیں گے، اس وقت ارکان صوبہ برما میں مسلمانوں کی زبوں حالی قابل رحم ہے،
سنہ ۱۹۴۲ء سے بدھستوں نے قتل و غارتگری، پردہ نشین خواتین کی عصمت درمی، املاک اور جائیداد
پھین کر مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے، علماء کرام کے ذریعہ خنزیر لدا یا گیا، ان کو قتل کر یا گیا،
ڈاڑھیوں میں آگ لگائی گئی، مساجد کو بطور حصن یا مورچہ استعمال کیا گیا، اور بیشمار مسلم آبادیوں
کو نذر آتش کیا گیا، سنہ ۱۹۶۱ء سے حج اور زیارت مقامات مقدسہ پر مکمل پابندی ہے، بڑی مشکل
سے ایک سو در خواستوں میں سے دس کی اجازت دی جاتی ہے، مسلمانوں کے قومی اخبارات

اور پریسوں کو مقفل کر دیا جن میں متران مجید اور اسلامی کتابیں چھپتی تھیں، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف آمد و رفت مسلمانوں کے لئے قانوناً ممنوع ہے، علی الاعلان بدھسٹ حکومت اور سلیک کہہ رہی ہے کہ ڈاڑھی اور ٹوپی والوں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، بدھسٹ بن جاؤ یا یہاں سے چلے جاؤ، علماء کو کرتہ پہنوا کر ان کے سامنے بدھسٹ عورتوں کو بچایا گیا، اس طریقہ سے علماء اسلام اور اسلام کی ہتک کی گئی، اس وقت مسلسل خطوط بنگلہ دیش سے آرہے ہیں کہ ہماری جان و مال محفوظ نہیں ہے ”ناگالی آپریشن“ نامی ایک انکوائری آئی ہے، جس میں ہر بستی کے نوجوانوں کو گرفتار کر کے کہاں پہنچایا گیا؟ کوئی خبر نہیں، بوڑھے مردوں کو ایک کیمپ میں نوجوان عورتوں کو دوسرے کیمپ میں الگ الگ جمع کیا جاتا ہے، اور برمی آدمی اور ایمیگریشن کا عملہ کیمپوں میں جا کر عورتوں سے بدسلوکی اور آبروریزی کرتا ہے، کوئی اعتراض کرتا ہے تو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس وقت شمالی ارکان کا بو تھیلڈنگ نامی ٹاؤن شپ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہو چکا ہے، بیس پچیس بستیوں میں ایک آدھ گھرانہ رہ گیا ہے، باقی سب ہجرت کر کے بنگلہ دیش کی سرحد میں آگئے، لیکن بنگلہ دیش والے ان کو جگہ نہیں دے رہے ہیں، واپس بھیجتے ہیں، جو لوگ گھروں سے نکل آتے ان کے گھر بار کافروں نے لوٹ لئے، غرض اس وقت شمالی ارکان میں قیامت کا سماں ہے، ”روہینگیا ذرائع محاذ“ نامی ایک تنظیم سالہ ۱۹۶۷ء سے برمی حکومت سے مسلح جدوجہد کرنے اور اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق منوانے کے لئے فوجی تیاری کر رہی ہے جو زیادہ تر برمی حکومت کے مسلمانوں، سرکاری اور ذیلی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ پر مشتمل ہے، کچھ لوگ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے اور علماء کرام بھی ہیں، تنظیم ”الفتح“ تنظیم آزادی فلسطین، ”نور و نیشنل لبریشن فرنٹ“ تنظیم آزادی فلپائن، ایریٹریا کی تنظیم آزادی، صانی کے مسلمانوں اور تنسار افریقہ کے مسلمانوں کی تنظیموں کی نوعیت کی سی ہے، جو اس نازک وقت میں برمی حکومت سے مکمل تیاری کے بغیر ناقابل برداشت مظالم کے پیش نظر مسلح جدوجہد کرنے کا آغاز کر رہی ہے، مسلمانوں کی دعا اور تعاون کی خواستگار ہے، اس میں کچھ علماء کرام کو تاہل ہے، لہذا آپ کو زحمت دی جا رہی ہے کہ خدا را ان سوالوں کے مدلل جوابات مرحمت فرمائیں:

① اس تنظیم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

② اس تنظیم کی مسلح جدوجہد پر جہاد کا اطلاق ہو گا یا نہیں؟

③ اس تنظیم کا سربراہ انگریزی تعلیم یافتہ ہے، مگر نماز، روزہ کا پابند ہے، اور دینی مسائل

سے بھی کچھ واقفیت رکھتا ہے، کیونکہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ کم و بیش اردو سے واقف ہوتا ہے، اور دینی کتابیں پڑھتا ہے، اس کو امام جہاد کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

④ اس مسلح جدوجہد میں کسی کی موت ہو جائے تو شہید کہلائے گا یا نہیں؟

⑤ اس تنظیم کے ساتھ جانی اور مالی تعاون کرنا کیسا ہے اور اخلاقاً کیسا ہے؟

⑥ من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون اهلہ فهو شهيد، ومن قتل

دون عرضہ فهو شهيد، کیا یہ تینوں جملے حدیث ہیں؟ اگر حدیث ہیں تو کس کتاب میں ہیں؟

⑦ جن تنظیموں کا اوپر ذکر ہوا ان سب کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟ بدینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① تا ⑤ مجھے اس تنظیم سے متعلق کوئی علم نہیں، کسی تنظیم کے ساتھ تعاون کے لئے

دو شرطیں ہیں:

① اس کا طریق کار خلاف شرع نہ ہو،

② کامیابی متوقع ہو،

⑥ (سعید بن زید) رفعہ من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دما

فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهلہ فهو شهيد

لاصحاب السنن (جمع الفوائد ص ۱۶۱-۱۶۲)،

⑦ دوسرے ممالک کی تنظیموں کے بارے میں اجمالاً اتنا علم ہے کہ ان کا طریق کار شریعت

کے مطابق نہیں،

مقامی علماء پر فرض ہے کہ عوام کو ترک منکرات کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کریں،

قال الله تعالى: وكن لک نولی بعض الظلمین بعضا تبما كانوا یکسبونہ

وقال تعالى: ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض

الذی عملوا العلم یرجعونہ

وقال: ما اصابکم من مصیبة فیما کسبت ایدیکم ویعضوا

عن کثیرہ فقط والله تعالیٰ اعلم، ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

بضرورت جہاد ڈاڑھی منڈانا جائز نہیں؛

سوال: جب کوئی شخص جہاد پر جائے تو اس کے لئے ڈاڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟

جہاد کے لئے جو راستہ ہے وہاں کفار ہیں، بغیر ڈاڑھی والے کو اندر چھوڑتے ہیں اور ڈاڑھی والے کو قتل کرتے ہیں، بیٹواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، جہاد کی ضرورت سے فعل حرام کا ارتکاب جائز نہیں، بلکہ ایسے موقع میں تو گناہوں سے بچنے اور استغفار کی زیادہ تاکید ہے، قال اللہ تعالیٰ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کید ہم شیئاً، وقال حکایۃ عن الربیین الذین کانوا یقاتلون مع نبیہم، ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدارنا وانصرنا علی القوم الکافرین، اس آیت کے مضمون کی ترتیب میں اس پر دلالت ہے کہ جس طرح نصرت ثبات اقدام پر موقوف ہے اسی طرح ثبات اقدام گناہوں سے توبہ و استغفار پر موقوف ہے، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یسدرک ما عند اللہ الا بطاعته، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸/ ذی قعدہ ۱۴۹۹ھ

دارالاسلام میں غیر مسلمین کو تبلیغی اجتماع کی اجازت نہیں:

سوال: اسلامی ریاست میں کفر و شرک کی تبلیغ کی اجازت دی جاسکتی ہے؟
کیا بطور حسن سلوک یا رواداری اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو ان کے باطل دین کی تبلیغ کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ بیٹواتو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دارالاسلام میں غیر مسلمین اپنے گھروں یا عبادت گاہوں میں مذہبی تبلیغ کر سکتے ہیں، کھلے مقامات پر انہیں تبلیغی اجتماع کی اجازت نہیں دی جاسکتی، حتیٰ کہ وہ اپنی مذہبی کتاب بھی بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے، قال العلامة العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ قلت ولا ینبغی للامام ان یھادنہم علی ما یخالفہ شرط عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من غیر ضرورت فانہ ہو القدوة فی هذا الباب، قال الموفق وینبغی للامام عند عقد الهدنة ان یشترط علیہم شروطاً نحو ما شرطہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد رویت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذلک اخبرنا منہا ما رواہ الخلال باسنادہ قد کرمنا ذکرنا فی المتن اھ (ص ۷۷) وقد حکى ابن تیمیۃ اجماع الفقہاء وسائر الائمة رحمہم اللہ تعالیٰ علی مراعاة تلك الشروط

قال ولولا شهرتها عند الفقهاء لذكرنا الفاظ كل طائفة فيها (الى قوله) ومن جملة الشرط ما يعود باخفاء منكرات دينهم وترك اظهارها كمنعهم من اظهار الخمير والناقوس والنيران والاعبياد ونحو ذلك ومنها ما يعود باخفاء شعار دينهم كاصواتهم بكتابتهم (اعلاء السنن ص ۳۷ ج ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دَارُ الْإِسْلَام میں غیر مسلمین کو نئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہیں :

سوال : کیا اسلامی ریاست میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ نئی عمارت کی تعمیر مقصود ہے، بدینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر مسلمین کو دارالاسلام میں نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں، پرانی عبادت گاہیں باقی رکھ سکتے ہیں، ان کی مرمت بھی کر سکتے ہیں، مگر قدیم عمارت پر اضافہ نہیں کر سکتے، اسی طرح ان کا کوئی شہر فتح ہونے کے وقت اس میں اگر کوئی عبادت گاہ ویران تھی تو اسے از سر نو آباد کرنے کی اجازت نہیں۔ قال العلامة العثماني رحمه الله تعالى معزيا (اصحاح الحديث حدّ ثنا عبد الله بن صالح عن الليث بن سعد حدّ ثني توبة بن النمر الحضرمي قاضي مصر عن اخبره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا خصاء في الاسلام ولا كنيسة رواه ابو عبيد في الاموال وتوبة بن النمر قال الدارقطني كان فاضلا عابدا (تجيب المنفعة) فالحديث حسن الاسناد مرسل وجهالة الصحابي لا تضروا خروجه البيهقي في سننه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعا وضعفه واخرجه ابن عدي في الكامل عن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعا باسناد ضعيف (زيلي) وتعد الطرق يفيد الحديث قوة، حدّ ثني ابوالاسود عن ابن لهيعة عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الخير قال قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه لا كنيسة في الاسلام ولا خصاء، رواه ابو عبيد ايضا وسنده حسن وابو الخير هو مرشد بن عبد الله الليثي المصري ثقة فقيه من الثالثة (تقريرا) ورواه ابن عدي عن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعا بلفظ لا يبني كنيسة في الاسلام ولا يجلد ما خرب منها (التلخيص للحبيب) وسكت الحافظ عنه -

وفي الحاشية وتجديد ما كان خرابا عند الفتح احداث ايضا فيمنع منه

وہو محمل ما رواہ ابن عدی بلفظ ولا یجد ما خرب منها واما ما کان غامرا عند الفتح وخریب بعدہ فتجد یدہ بناء لما استہدم فاشہ بناء بعضها اذا اہدم ورم شعثہا فلا یرد علیہا ما اورده الموفق فی المغنی ص ۱۰ (اعلاء السنن ص ۳۶ ج ۱۲) وقال فی التنبؤ ولا یجوز ان یجد شیء بیعة ولا کنیسة ولا صومعة ولا بیت نادر ولا مقبرة فی دار الاسلام ویمعاد المنہدم من غیر زیادة علی البناء الاول (رد المحتار ص ۲۹ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

غیر مسلمین کے حلیہ اور لباس وغیرہ پر پابندی:

سوال: کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کفار کے نام تبدیل کرائے گئے تھے، یا ان کے حلیہ و لباس پر پابندی عائد کی گئی تھی، براہ کرم اس کا حوالہ تحریر فرمایا جائے، بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں غیر مسلمین کے نام تبدیل کرنے سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ حلیہ، لباس اور سواری وغیرہ سے متعلق پابندیاں تھیں، قال العلامة العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ ان امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہم ثم عامة الاممة بعده وسائر الفقهاء جعلوا فی الشرط المشروطة علی اهل الذمة من النضار وغيرهم فیما شرطوه علی انفسهم ان یوقر المسلمین ونقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا الجلوس ولا ینتشیب بهم فی شیء من ملاسهم قلنسوة او عمامة او غلبین او فرق شعر ولا یتکلم بکلامهم ولا یتکفی بکنائهم ولا یرکب السروج ولا ینتقلد السيوف ولا ینتخذ شیئا من السلاح ولا ینحمله ولا ینقش خواتمنا بالعربية ولا ینبع الخمور وان یحزم مقادیر رؤسنا وان نلزم زیننا حیثما کننا وان نشد الزنا نیر علی اوساطنا وان لا نظهر الصلیب علی کنائسنا ولا نظهر صلیبیا ولا کتبا فی شیء من طریق المسلمین ولا اسواقهم ولا نضرب بنوا قیسنا فی کنائسنا الا ضربا خفیفا ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا نظهر لنیران معهم فی شیء من طرق المسلمین رواہ حمید باسناد جید کذا فی اقتضاء الصراط المستقیم للعلامة ابن تیمیة رحمہ اللہ تعالیٰ (اعلاء السنن ص ۳۶ ج ۱۲) وقال فی

التنوير ويميز الذمى عنافى نزيه ومركبه وسرحه وسلاحه فلا يركب خيلا ويركب سرجا
كالأكف ولا يعمل بسلاح ويظهر الكتف ويمنع من لبس العمامة وزنار الابريسم والثياب
الفاخرة المختصة باهل العلم والشرف (رد المحتار، ص ۲۸۲ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

اسلامی ملک کی تعریف :

سوال : اسلامی ملک کی تعریف کے لئے قرآن و سنت پر عملدرآمد ضروری ہے یا صرف
مسلمانوں کی آبادی کا ہونا کافی ہے؟ یعنی جس ملک میں قرآن و سنت کے عملی نظام کا
نفاذ نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ ملک اسلامی ملک ہے یا غیر اسلامی؟ بیٹنوا متوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جس ملک میں اگرچہ عملاً احکام اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذ احکام پر قدرت ہو
وہ دارالاسلام ہے، اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جاسکتا ہے مگر ایسے ملک
کی حکومت کو اس وقت تک حکومت اسلامیہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ احکام
اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دارالامن کی تعریف :

سوال : دارالحرب کی کیا تعریف ہے؟ کیا کسی ملک کے نظام میں مسلمانوں کو صرف
عبادات (نماز - روزہ) کی آزادانہ ادائیگی اس ملک کے دارالامن ہونے کے لئے کافی ہوگی
جبکہ ملک کے عائلی قوانین مثلاً نکاح، طلاق میں مسلمان ان کے غیر اسلامی قوانین کے پابندی
پر مجبور ہوں۔ بیٹنوا متوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں احکام اسلام کی تنفیذ پر قدرت نہ ہو وہ دارالحرب ہے، دارالحرب میں اگر مسلمانوں
کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو اور عبادات محضہ پر کوئی پابندی نہ ہو تو یہ دارالامن ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

دشمن کے خطرہ سے خودکشی حرام ہے :

سوال : حالت جنگ میں جب اپنے شہید ہو جانے کا یقین ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں اور عورتوں کو بھی شہید کر دیں گے اور ان کی آبرو بھی ٹوٹیں گے تو کیا اپنی عزت بچانے کی خاطر ہم خود ان کو قتل کر سکتے ہیں؟ یا ایسے حالات میں عورت خودکشی کر لے تو جائز ہے یا نہیں؟ ۱۹۴۷ء میں ایسا ہوا ہے کہ کفار نے مسلمان عورتوں کو بے آبرو کر کے شہید کر دیا یا ان کو اپنے قبضہ میں رکھ لیا اور وہ عورتیں آج تک کفار کے قبضہ میں ہیں، اس وقت افغانستان کے حالات بھی سامنے ہیں، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بچوں اور عورتوں کو خود قتل کرنا جائز نہیں، عورتوں پر خودکشی بھی حرام ہے منجانب اللہ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر صبر کرنا اور دین پر قائم رہنا ان کے لئے بہت بڑا جہاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

سیاست شریعت سے جدا نہیں :

سیاست دین میں داخل ہے یا اس سے الگ نئی چیز؟ آج کل یہ نعرہ عام ہے کہ سیاست و حکومت کا دین سے کوئی تعلق نہیں، شریعت کی روشنی میں مسئلہ کا حل ارشاد فرمائیں، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاست کے لغوی معنی تدبیر و اصلاح کے ہیں شرعاً اور عقلاً اسکے تین شعبے ہیں :

① اپنی ذات سے متعلق تدبیر۔

② بیوی، اولاد اور اقارب و متعلقین سے متعلق تدبیر۔

③ پورے علاقہ یا ملک کی اصلاح و فلاح کی تدبیر۔

پھر اس اصلاح و تدبیر کے مختلف مدارج اور مختلف صورتیں ہوتی ہیں مگر ایک مسلمان کے لئے صرف وہی تدبیر مفید و کارآمد ہے جو اس کی آخرت کے لئے نافع ہو کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ لہذا اپنی ذات، اپنے اہل خانہ یا اپنے ملک

کے حق میں ایسی سیاست اختیار کرنا جو کسی حکم شریعت سے متصادم ہونا جائز اور حرام ہے۔ ہاں! اگر شریعت کے دائرہ میں رہ کر سیاست و تدبیر کی جائے تو یہ اعلیٰ درجہ کی نیکی اور ہر شخص پر حسب استطاعت فرض ہے ایسی ہی سیاست میں اپنی ذات اور عوام کی صلاح و فلاح اور ہمدردی مضمر ہے۔

ہر وجہ سیاست اور اس کے تمام تر طریقے چونکہ یورپ سے درآمد ہوئے ہیں لہذا مغرب گزیدہ لوگوں نے یہ سوچ کر کہ ایسی سیاست کا دین اسلام سے کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا، اور دونوں ایک قدم بھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، یہ نعرہ لگایا:

”دین و سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں“

جس کا مقصد ظاہر ہے کہ میدان سیاست میں کھلی چھوٹ ہے اس میں جتنا جھوٹ بولو، فریب دو، دغا کرو، سیاست میں سب روا ہے، اس کی بجائے اگر یہ لوگ صاف صاف یہ نعرہ لگا دیتے:

”سیاست دان اور دیندار مسلمان دو الگ الگ مخلوق ہیں ایک کا دوسرے سے کوئی جوڑ نہیں“

تو بہتر ہوتا، یورپ والوں کو تو یہ نعرہ زیب دیتا ہے کہ ان کے دین میں سیاست کی کوئی گنجائش نہیں، حکومت و سلطنت کے لئے کوئی ہدایات نہیں، مگر ایک مسلمان کی طرف سے اس قسم کا نعرہ درحقیقت اس الحاد و بے دینی کا اظہار ہے کہ ہمارے دین میں بھی سیاست و حکومت کے لئے کوئی رہنما اصول نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوۃ طیبہ میں اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں پائی جاتی، اس لئے ہم سیاست کو دین سے الگ رکھنے پر مجبور ہیں۔

اس کا کفر و الحاد ہونا محتاج دلیل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیاست دین سے جدا نہیں بلکہ دین ہی کا ایک اہم شعبہ ہے ہر وجہ

نعرہ مغرب پرست آخرت بیزار قسم کے لوگوں کا پھیلا ہوا ہے

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رجب ۱۳۹۳ ہجری

اسلام میں مغربی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں :

سوال : موجودہ جمہوری نظام جو دنیا کے اکثر ممالک میں نافذ ہے جس میں بیک وقت کئی جماعتوں کا وجود شرط ہے۔ کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزب اقتدار و حزب اختلاف) ضروری ہے، جبکہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے :

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ الآية (۳: ۱۰۳)

اس میں تمام فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں جب کہ قرآن اس انداز فکر کی بیخ کنی کرتا ہے :

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوا عن سبیل اللہ الآية (۶: ۱۱۶)

یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تو انہیں جاتا۔ اس میں مرد و عورت، پیرو جواں، عامی و عالم بلکہ دانا و نادان سب ایک ہی بھاؤ تلتے ہیں۔

جس اُمیدوار کے پتے ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علماء، عقلاء اور دانشوروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیئے، مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف اُمیدوار کو ووٹ دیدیئے جن کی تعداد اکاون ہو گئی تو یہ اُمیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ و سفید کامالک بن گیا۔ یہ مفروضہ نہیں حقیقت واقعہ ہے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست (پاکستان) میں ۱۹۷۹ء کے انتخابات میں اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ کے مقابلہ میں بے دین، بے نماز، بے ریش و بروٹ عیاش و فحاش قسم کے لوگ کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اس سے بھی تلخ تجربہ ہوا کہ پورے ملک میں جگہ جگہ مغرب زدہ فاحشہ عورتیں کھڑی ہوئیں اور اپنے مقابل بشمول علماء و مشائخ بڑے بڑے مشہور سیاستدان مردوں کو شکست دیکر ایوان اقتدار میں پہنچ گئیں۔

پھر ووٹ لینے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ کا استعمال لازمہ جمہوریت ہے، لیلائے اقتدار کی خاطر تمام انسانی اقدار بلکہ خونی رشتے تک فراموش کر دیے جاتے ہیں، ایک ہی علاقہ میں سگے بھائی، باپ، بیٹا بلکہ میاں بیوی تک مد مقابل ہوتے ہیں، ہر فریق اپنے مقابل کو چپت کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہاتا ہے، چنانچہ الیکشن میں اربوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ مزید برآں دھونس، دھاندلی، دھوکا، فریب، رشوت، غرض تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور کوئی ہتھکنڈا کارگر نہ ہو تو مخالف ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا بلکہ قتل تک کر دیا جاتا ہے۔

فرنگ آئین جمہوری نہاد است

رسن از گردن دیوے کشاد است

اس کا تجزیہ پاکستان کے ایک معروف صحافی نے یوں کیا:

”الیکشن کے چند دن پورے ملک میں گناہوں کا سیزن ہوتے ہیں، چنانچہ

ملک کے چپے چپے پر جس قدر جھوٹ، چغلی، غیبت، فریب و دغا، بددیانتی

ضمیر فروش، بے حیائی اور ڈھٹائی کا ارتکاب ان چند دنوں میں ہوتا ہے

پورے سال میں نہیں ہوتا۔“

جب الیکشن کا دن آتا ہے تو پورے ملک پر خوف و ہراس کے بادل چھا جاتے ہیں

اس میں پولیس ریجنرز بلکہ فوج کی نگرانی کے باوجود ہنگامہ آرائی، مار دھاڑ اور قتل و

غارتگری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اب تک جو ملک میں چند الیکشن ہوئے ہیں انہیں سیکڑوں

افراد مارے جا چکے ہیں۔

پھر جس گھڑی نتائج کا اعلان ہوتا ہے وہ قیامت کی گھڑی ہوتی ہے، ہارنے

والوں میں بہت سے لوگ دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، چنانچہ ۱۹۸۸ء کے الیکشن

ہونے پر اخباروں میں آیا کہ نفسیاتی ہسپتال اس قسم کے پاگلوں سے بھر گئے ہیں جو

رات کو ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور نعرہ بازی سے ہسپتال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اور جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی چاندی ہو جاتی ہے ایوان اسمبلی میں پہنچ کر

ان کی بولی لگتی ہے، فیکٹریوں کے پرمٹ، پلائس، وزارتیں، غرضیکہ طرح طرح

کے لالچ اور چکے دیکر انھیں خریدا جاتا ہے، کچھ عرصہ پیشتر صدر مملکت کا بیان

اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ ہماری قومی اسمبلی بکرا منڈی بن چکی ہے۔
 پھر قوم کے یہ منتخب نمائندے اسمبلی ہال میں بیٹھ کر کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ کوئی
 ڈھکی چھپی بات نہیں آئے دن اخباروں میں چھپتا ہے کہ فلاں وزیر نے سود کے جواز
 پر دلائل پیش کئے، فلاں نے ملازم کہہ کر اسلامی نظام کا مذاق اڑایا، فلاں عورت
 نے ڈاڑھی سے تمسخر کیا اور ان مہذب لوگوں کے مابین گالم گلوچ دشنام طرازی اور توکار
 تو عام سی بات ہے، بات بڑھ جائے تو ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جاتے ہیں،
 پھر گھونسنہ بازی بلکہ کرسی بازی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

سابق مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں اس زور کی کرسی بازی ہوئی کہ پارلیمانی اسپیکر
 بیچ بچاؤ کرتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، بالآخر اسمبلی کی عمارت میں زمین سے پیوست
 کرسیاں بچھانا پڑیں کہ لڑائی میں استعمال نہ ہو سکیں۔

یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرہ خبیثہ کی پیداوار ہیں۔ اسلام میں اس
 کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں، نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے۔
 بفحوائے ”الجنس یمیل الی الجنس“ عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے)
 اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کر کے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور و فکر کر کے ایک امیر
 کا انتخاب کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے وفات کے وقت
 چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنہوں نے اتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔

اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کی بجائے انسانیت کا عنصر تولا
 جاتا ہے، اس میں کسی ایک ذی صلاح مدبر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں
 کی رائے پر بھاری ہو سکتی ہے۔

گزیر از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو

کہ در مغز دوصد خسر فکر انسانے نمی آید

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے استشارہ کے بغیر صرف اپنی ہی صوابد
 سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب

اور جپاٹا تھا ؟

اس کا جواب الفاظ میں دینا ممکن نہیں ، اس حقیقت کا مشاہدہ پوری دنیا کھلی آنکھوں سے کر چکی ہے ، والعینک یغنی عن البینک - واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

دار الحرب کی تعریف :

دار الحرب کی جامع اور مختصر تعریف کیا ہے ؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دار الحرب وہ علاقہ ہے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں احکام اسلام اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی قدرت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

مسلم اقلیت کا حکومت کا فرہ سے جہاد کرنا :

سوال : حکومت بر ما اپنے مسلم باشندوں پر ظلم کر رہی ہے ، حتیٰ کہ انکے مذہبی احکام پر پابندی لگا رہی ہے ، فرائض شرعیہ کی ادائیگی میں مانع ہو رہی ہے ، دریں حالات مسلم باشندوں پر ایسی حکومت سے جہاد کرنا فرض ہے یا نہیں ؟ نیز اموال زکوٰۃ کے ذریعہ ایسے مجاہدین کی مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا -

الجواب باسم ملہم الصواب

ان حالات میں ایسی حکومت کا فرہ سے جہاد کرنا فرض ہے ، اس مقصد کے لئے ایسی تنظیم ضروری ہے جو علماء ماہرین ، متقین و اہل بصیرت کی نگرانی میں حدود شریعت کے اندر کام کرے ، دوسرے مالک کے مسلمانوں پر بھی بترتیب ”الاقرب فالاقرب“ تعاون کرنا فرض ہے ۔ اگر جہاد کی استطاعت نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے ۔

ادار زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے ، جہاں یہ شرط پائی جائے گی زکوٰۃ ادارہ ہو جائیگی اور جہاں مفقود ہوگی زکوٰۃ ادارہ نہ ہوگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان ۱۴۱۲ھ

جہاد اصطلاح شریعت میں :

سوال : اصطلاح شریعت میں ”جہاد“ کسے کہتے ہیں ؟ عموماً تبلیغی جماعت کے احباب

تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دیتے ہوئے آیات و احادیث اور واقعات جہاد کو تبلیغ کے لیے نکلنے والی جماعتوں پر چسپان کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ بیٹنوا توجیروا۔

الجواب باسمِ ملہم الصواب

جہاد کا حقیقی مصداق اور اصطلاحی معنی ”قتال فی سبیل اللہ“ ہے، البتہ مجازاً دین کی خاطر کی جانے والی ہر محنت و مشقت اور جدوجہد کو جہاد کہہ دیا جاتا ہے۔ لغت میں جہاد ”جہد“ بالفتح، بمعنی مشقت یا ”جہد“ بالضم طاقت سے مشتق ہے اس اعتبار سے جہاد کے معنی ہیں: طاقت خرچ کرنا، مشقت اٹھانا۔ مگر شریعت نے لفظ ”جہاد“ کو اس لغوی معنی سے ایک دوسرے معنی یعنی ”قتال مع العدو“ کی طرف منتقل کر دیا جیسے لفظ ”صلوٰۃ“ لغت میں دعاء کے معنی میں آتا ہے، مگر شریعت میں اس کے اصطلاحی معنی ایک مخصوص عمل کے ہیں جو تکبیر سے شروع اور سلام پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کی کتب میں جہاد کے اصطلاحی معنی ”قتال“ ہی کے لکھے ہیں یہاں فقہ حنفی سے صرف ایک حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: اما الجہاد فی اللغۃ فعبارة عن بذل الجہد بالضم وهو الوسع والطاقة او عن المبالغة فی العمل من الجہد بالفتح وفي عرف الشرع يستعمل فی بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل اللہ بالنفس والمال واللسان او غیر ذلك او المبالغة فی ذلك۔

(بدائع الصنائع ص ۹ ج ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر لفظ ”جہاد“ قتال کے سوا کسی دوسرے عمل صالح (مثل بر الوالدین) کے کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ مشکاکہ (یعنی چونکہ صحابی نے ”اجاہد“ کے الفاظ استعمال کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کے لئے اسی کے مثل ”ففیہما فجاہد“ فرمایا، جیسا کہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا میں عذاب کے لئے مشکاکہ سیئۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے) یا مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لہذا قتال کے سوا کسی دوسرے عمل کے لئے لفظ جہاد کا استعمال مجازاً تو صحیح ہے، لیکن اسے اس میں اس طرح استعمال کرنا کہ اصل معنی بالکل متروک ہو جائیں اور مجازی معنی کو جہاد کا حقیقی مصداق قرار دیا جانے لگے، اصطلاح شریعت کی تحریف ہے، اس لئے آیات و احادیث جہاد کو اصل اور حقیقی مصداق ”قتال فی سبیل اللہ“

سے اس طرح ہٹا کر کسی دوسرے شعبہ دین پر چسپان کرنا جائز نہیں، جیسا کہ لفظ ”صلوٰۃ“ کو اس کے اصطلاحی معنی ”نماز“ سے ہٹا کر ”دعا“ کے معنی میں لینا اور نماز کی بجائے دعا ہی پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۵ صفر ۱۳۳۳ھ

نو مسلمہ کو اس کے ہندو والدین کے سپرد کرنا جائز نہیں :

سوال : ایک مسلمان نے ہندو لڑکی کو اغوار کیا، پھر اس کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیا، اب بعض مسلمان چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کو اسکے ہندو والدین کے پاس واپس بھیج دیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس نے کافرہ لڑکی کو اغوار کیا اس نے بہت بُرا کیا، مگر اس کے قبول اسلام کے بعد جب اس سے نکاح کیا تو نکاح درست ہو گیا، اب اس مسلمان لڑکی کو کفار کے حوالہ کرنا قطعاً جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الی الکفار

(الایۃ ۶۰ : ۱۰)

بلکہ یہ نو مسلمہ از خود کفار کے پاس جانا چاہے تب بھی اسے نہ جانے دیا جائے، ہاں ! وقتی طور پر والدین یا محرم رشتہ داروں سے ملنے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ رمضان ۱۳۹۶ھ

جاسوس کی سزا :

سوال : جو مسلمان کافر حکومت کا جاسوس بن کر مسلمانوں کے خفیہ راز اس تک پہنچائے یا حکومت کافرہ کے تعاون سے وہاں کے مسلمانوں کو ستائے اور ان کی فوج کو ظلم پر آمادہ کرے، ایسے مسلمان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بدون قتل کوئی تدبیر سبکی فہمائش کے لئے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ :

فان کان الجاسوس کافراً فقال الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ یکون نقضاً

لعهدہ وقال اصبح الجاسوس الحربي يقتل والجاسوس الكافر والذمي يعاقبان
الا ان تظاهرا على الاسلام فيقتلان (الجامع لاحكام القرآن ص ۵۳ ج ۱۸)
وكذا قال الامام ابن العربي رحمه الله تعالى (احكام القرآن ص ۷۲ ج ۲)
وقال لحافظ العيني رحمه الله تعالى :

وقال الداوي الجاسوس يقتل وانما نفى القتل عن حاطب لما علم النبي
صلى الله عليه وسلم منه ولكن مذهب الشافعي رحمه الله تعالى وطائفة ان الجاسوس
المسلم يعزروا لا يجوز قتله وان كان ذاهية عفى عنه لهذا الحديث -

وعن ابى حنيفة والاوزاعي رحمهما الله تعالى يوجع عقوبة ويطال حبسه وقال
ابن وهب من المالكية يقتل الا ان يتوب وعن بعضهم انه يقتل اذا كانت عادته
ذلك وبه قال ابن الما جشون - وقال ابن القاسم يضرب عنقه لانه لا تعرف
توبته وبه قال سحنون -

ومن قال بقتله فقد خالف الحديث واقوال المتقدمين وقال لاوزاعي
فان كان كافرا يكون ناقضا للعهد وقال اصبح الجاسوس الحربي يقتل والمسلم
والذمي يعاقبان الا ان يظاهرا على الاسلام فيقتلان (عمدة القاري ص ۲۵۶ ج ۱۲)
وقال العلامة المحصني رحمه الله تعالى :

وفي المجتبى الاصل ان كل شخص راى مسلما يزني ان يحل له قتله وانما
يمتنع خوفا من ان لا يصدق انه زني وعلى هذا القياس المكابر بالظلم وقطاع
الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بادن شئ له قيمة وجميع الكبائر والاعونة
والسعاية يباح قتل الكل ويشاب قاتلهم انتهي وافتي الناصحي بوجوب قتل
كل مؤذ -

وقال العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى :

(قوله وقطاع الطريق) اي اذا كان مسافرا ورأى قاطع طريق له قتله
وان لم يقطع عليه بل على غيره لما فيه من تخليص الناس من شره واذا له كما
يفيده ما بعده ، (قوله وجميع الكبائر) اي اهلها وظاهرها ان السرا د بها
المتعدى ضررها الى الغير فيكون قوله والاعونة والسعاية عطف تفسير او عطف

خاص علی عام فی شمل کل من کان من اهل الفساد کالسحر وقاطع الطریق واللص والوطی والخناق ونحوهم فمن عم ضرورة ولا ینزجر بغیر القتل (قوله والاعونة) کأنه جمع معین او عون بمعناه والمراد به الساعی الی الحکام بالافساد فحفظ السعاة علیہ عطف تفسیری فی رسالة احکام السياسة عن جمع النسفی سئل شیخ الاسلام عن قتل الاعونة والظلمة والسعاة فی ایام الفترۃ قال ینبأ قتلتهم لافهم ساعون فی الارض بالفساد فقیل انهم یمتنعون عن ذلك فی ایام الفترۃ ولیمتفون قال ذلك امتناع ضرورة ولوردوا لعدو الما نهوا عنه کما نشاهد قال وسألنا الشیخ ابا شجاع عنه فقال ینبأ قتلہ ویشاب قاتلہ اه (قوله ا فتی الناصحی) لعل الوجوب بالنظر للامام ونوابہ والاباحۃ بالنظر لغيرهم (رد المحتار ص ۱۸ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

کیا لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا؟

سوال: کافروں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستشرقین کے اس پروپیگنڈا کی ”زبردستی“ لوگوں کو اسلام میں داخل کیا گیا؟ کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جبراً کسی کو مسلمان بنانے کیلئے عمل جہاد یا کسی قسم کا کوئی حربہ استعمال کرنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغیّ (الایۃ ۲: ۲۵۶) فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (الایۃ ۱۸: ۲۹)

اعداء اسلام کا یہ دوا دیا کہ پیغمبر اسلام نے تلوار کے زور سے لوگوں کو داخل اسلام کیا، ایک ایسا واضح اور بدیہی جھوٹ ہے جو محتاج تردید نہیں، اگر ان لوگوں میں شمشیر برابر عقل و شعور اور رائی برابر انصاف و دیانت ہو تو سوچیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے سامنے دعوت اسلام پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکا و تنہا تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یار و مددگار نہ تھا، اپنے پرانے سب دشمن تھے، کئی سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طریقہ سے لوگوں کو دعوت دیتے رہے اور اس طویل عرصہ میں چند گنتی

کے افراد مسلمان ہوئے، تیرہ سالہ مکہ دور میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی ہی نہیں، ان حالات میں یہ پروپیگنڈا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا کوئی علمی دلیل ہے یا علم و اخلاق کا دیوالا پن؟ اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار دوستوں نے یہ کام کیا تو سوال یہ ہے کہ ان جابرین پر کس نے جبر کیا تھا؟ انھیں کس طاقت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار بنایا؟

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جبراً کسی کو مسلمان بنانا ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ جبر و جور سے تو زیادہ سے زیادہ کسی کو زبانی کلمہ ہی پڑھایا جاسکتا ہے، اس کے دل و دماغ میں تو اسلام کی حقیقت نہیں اُتاری جاسکتی۔ اگر کوئی شخص ظاہراً کلمہ پڑھ لے مگر باطن میں کفر یہ عقائد چھپائے بیٹھا ہو تو یہ مسلمان نہیں، بلکہ عام کفار سے بھی بدتر کافر ”منافق“ ہے، تو ان مخالفین کے بقول گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کفار کو جبراً منافق بنایا جو دشمنی میں عام کفار سے بھی دو گام آگے تھے۔

الغرض مستشرقین کا یہ پروپیگنڈا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، غور کیا جائے تو یہ آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری

ان اراضی کا حکم جو انگریزوں نے مخالفین سے چھین کر اپنے وفاداروں کو دیں :
سوال : انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے، ایک انگریز کا مخالف دوسرا انگریز کا وفادار، انگریز نے جب اقتدار سنبھالا اس وقت زمینوں کے مالک اور قابضین انگریز کے مخالف تھے، انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اس سے قبل انگریز نے اپنے وفاداروں کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے مخالفین سے آخری انتقام لینے کے لئے اپنے مخالفین کی تمام زمینیں اپنے وفاداروں میں تقسیم کر دیں اور چلا گیا۔

چنانچہ زمینیں انگریز کے وفاداروں کے نام الاٹ ہو گئیں اور ۱۸۵۷ء کے بندوبست کے دوران اصل مالکان کو محکمہ مال کے کاغذات میں جبراً مزاعین لکھ دیا اور انگریز کے وفاداروں کو زمینوں کا مالک ٹھہرا دیا گیا۔

اس کے بعد انگریز کے وفاداروں نے انگریز کے مخالفین پر وہ ظلم ڈھائے کہ

تاریخ میں اسکی مثال مشکل ہے، محنت و مشقت کرنے والے انگریز کے مخالف تھے اور وفادار مخالفین ان سے پیہر و وار کا اچھا خاصہ حصہ جبراً وصول کرتے رہے، تاریخ شاہد ہے کہ سالہا سال سے زمین کے اصل مالکان انگریز کے مخالف تھے اور یہ قبضہ اب تک بدستور چلا آ رہا ہے، جبکہ انگریز کے وفادار باہر سے آکر آباد ہوئے ہیں مثلاً سمرقند سمبلی نے اصل مالکان سے زمینوں کا عوض وصول کر کے انھیں مالکانہ حقوق دلائے اس طرح زمینیں پھر اصل مالکان کو مل گئیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے :

① کیا سرحد سمبلی کا فیصلہ ”معاوضہ لے کر زمینیں اصل مالکان و قابضین کو واپس کرنا“ درست ہے یا نہیں؟

② کیا انگریز اپنے مخالفین سے جبراً زمینیں وصول کر کے اپنے وفاداروں کو دے سکتا ہے؟

③ انگریز کے مخالفین کی آبادی انگریز کے وفاداروں سے اکثریت میں ہے جبکہ انگریز کے وفادار قلیل تعداد میں ہیں۔

④ آیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ قلیل آبادی کی وجہ سے کثیر آبادی کا نقصان ہو اور کثیر آبادی کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کیا جائے اور انھیں بے گھر کر دے۔

⑤ کیا ملک میں اسلامی نظام کے جاری ہونے سے ماقبل تمام مقبوضہ زمینوں کی تحقیق کر کے دوبارہ نئے سرے سے تقسیم کی جاسکتی ہیں؟ یا ماقبل قبضوں کو باقی رکھا جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی وہ زمینیں اور مکانات جن پر کفار نے قبضہ کر رکھا تھا واپس کر کے دوبارہ تقسیم کی تھیں۔

⑥ آیا جب انگریز کی تقسیم درست ہو جائے اور سرحد سمبلی کا قانون غلط ہو جائے اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کیا جاسکتا ہو اس کے بعد بھی زمینیں انگریز کے وفاداروں کے پاس چلی جائیں اور کثیر آبادی مزاحمت بھی قبول نہیں کر سکتی، اس کے بعد بھی انگریز کے وفادار مخالفین سے قبضہ لینا چاہیں اور مخالفین قبضہ نہ دیں تو آخری بات جنگ و جدل کے علاوہ کوئی اور دوسری صورت بھی نہیں کہ جس پر عمل کیا جاسکے۔ کیا ایک مسلمان قوم دوسری مسلمان قوم کے ساتھ آپس میں صرف زمین کی وجہ سے لڑیں؟

کیا شریعت میں اس معاملہ پر جنگ و قتال کی اجازت ہے؟ نیز جو لوگ سرحد سمبلی کے فیصلہ کو غلط قرار دیں اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کریں اس وجہ سے عند اللہ وعند الناس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کافرہ کا اصل مالکین سے اراضی لینا ظلم تھا، معہذا استیلاء کی وجہ سے حکومت ان اراضی کی مالک ہوگئی، لیکن حکومت نے یہ اراضی اپنے وفاداروں کو بطور رشوت دی تھیں، اور مرتشی رشوت کا مالک نہیں بنتا، اس لئے وہ اراضی بدستور حکومت کی ملک میں رہیں، تقسیم ہندوستان کے وقت یہ اراضی حکومت پاکستان کی ملک میں منتقل ہوگئیں، لہذا حکومت کا سابق مالکین کو معاوضہ لے کر زمین دینا صحیح ہوا اور اس بیع کی وجہ سے سابق مالکین پھر سے مالک بن گئے، انگریز کے وفاداروں کا قبضہ کرنا ناجائز، حرام اور ظلم ہے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب اور ظالم کا دفاع کریں، اگر اس میں وہ مارا گیا تو شہید ہے، لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من قتل دون مالہ فہو شہید، اور اگر غاصب کا دفاع بدون قتل ممکن نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب ۱۴۱۰ ہجری

ایام جنگ میں نقل مکانی :

سوال : جنگ کے دوران سرحد کے قریب رہنے والوں کے لئے اپنے مقامات چھوڑ کر مقام امن کی جگہ منتقل ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات فرار عن الوباء پر قیاس کر کے ناجائز کہتے ہیں، کیا ان کا خیال صحیح ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حاکم کی رائے پر عمل کرنا واجب ہے، اگر حکومت ک طرف سے ممانعت نہ ہو تو منتقل ہونا جائز ہے، وبارہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب ۱۴۱۲ ہجری





وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَخْلَفُ مَا اسْتَخْلَفَ
 وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاصِبُ مِمَّنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَالْكَافِرِينَ يَجْعَلُ اللَّهُ مُسْتَضْرًّا ۖ لَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ عَظِيمٌ
 ۲۲ — ۵۵

سیاست اسلامی

- سیاستِ حاضرہ پر سیرِ حاصلِ بحث
- ان کے عالمگیر مفاسد و قبائح اور تباہ کن نتائج پر
- نہایت زوردار سنجیدہ تنقید
- مغربی مفکرین میں سے اہلِ خرد کے اعترافات
- سیاستِ اسلامیہ کی تنقیح، اس کا طریقِ کار اور اس
- میں نظر آنے والی مشکلات کا حل
- قرآن، حدیث اور عقلِ سلیم کی روشنی میں منفرد
- تحقیق

سیاستِ اسلامیہ

- مصالحِ سیاسیہ کی خاطر منکرانہ شرعیہ کا ارتکاب جائز نہیں
- نصوصِ قرآنیہ
- ارشادِ امیہ نبویہ
- عقلِ سلیم
- حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سیاسی افکار
- اسلام میں سیاست کا مقام
- اسلام کا نظامِ حکومت
- شخصی حکومت
- حکمرانی ایک ذمہ داری ہے نہ کہ حق
- حکومت کے فرائض
- اقامتِ دین کے لئے سیاسی جدوجہد کا شرعی مقام اور اس کی حدود
- سیاسی جدوجہد اور تزکیہ اخلاق
- بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم
- بھوک ہڑتال
- پبلسٹی کے مروجہ ذرائع
- حکومت کے ساتھ طرزِ عمل
- حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات
- کے خلاف چارہ کار
- حکومت کے خلاف خسرو ج

حکومت اسلامیہ قائم کرنے کے لئے اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں

سوال : جو سیاسی جماعتیں حکومت اسلامیہ قائم کرنے کی جدوجہد کے دعوے کر رہی ہیں انکے سربراہ اور ارکان شریعت کے خلاف طرح طرح کی ترکیبیں اور سیاسی چالیں ایجاد کر رہے ہیں۔ ان کو حکمت عملی، مصلحت اور سیاست کے نام سے حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی اس تحریف پر تعمیر کعبہ کے باسے میں حضو اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد لولا ان قومک حدیث عہد بکفر الحدیث سے استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا یہ خیال اور استدلال درست ہے؟ اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈال کر اُمت کی رہنمائی فرمائیے، بتینواتوجروا،

الجواب باسمہمہ الصواب

یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی مصلحت و نفع کے لئے گناہ کرنا یا کسی فرض واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص دنیوی نفع کے لئے جھوٹ بولے، دھوکہ دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کر دے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق و حرام ہے اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لئے بھی کسی معصیت کا ارتکاب حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے اور اُمّ المصالح ہے۔ اس پر سب مصالح کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص سنیما یا سود کے ذریعہ اس لئے رقم کماتا ہے کہ اس سے دینی مدارس چلا سکے۔ یا اس نیت سے رقص کرتا ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر ان کو وعظ کیا جائے۔ ایسا کرنا بہت سخت گناہ اور نہایت خطرناک گمراہی ہے۔

البتہ اگر کوئی کام شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ صرف مباح یا مستحب ہے اس کو کسی دینی مصلحت مثلاً عوام کو فتنہ یا معصیت یا تکلیف سے بچانے کے لئے چھوڑ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر تراویح

میں لوگوں کو ملال ہوتا ہو تو ان کی رعایت سے نماز کے آخر میں درود شریف کو مختصر کرنا اور دُعا کو چھوڑ دینا جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى وينسب الامام على التمشيد الا ان يملك القوم فيأتى بالصلوات ويكتفى باللهم صل على محمد وآلنا الفرض عند الشافعي رحمه الله تعالى ويترك الدعوات (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

مصلحت ترک مستحب یا مباح میں بھی یہ شرط ہے کہ اس سے قانون شرع میں تحریف اور مداخلت فی الدین نہ ہوتی ہو، مثلاً اس مستحب یا مباح کام کو اعتقاداً یا عملاً حرام سمجھنے لگے یا کسی مباح شرعی کی ممانعت کا قانون بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی بناء پر نکاح ثانی یا نکاح صغیر پر پابندی کا قانون بنانا جائز نہیں۔ حالانکہ نکاح ثانی اور صغیر سنی میں نکاح کرنا فرض یا واجب نہیں صرف مباح ہے۔ نکاح امر شرعی ہے اس لئے اس پر پابندی لگانا مداخلت فی الدین ہے، کیونکہ ایک مباح شرعی کے ساتھ عملاً حرام جیسا معاملہ کیا جائے گا جو کہ جائز نہیں۔

ہاں اگر امور انتظامیہ سے متعلق کوئی ایسا قانون بنا دیا جائے تو یہ مداخلت فی الدین نہیں، اس لئے جائز ہے، مثلاً دائیں طرف چلنے یا بائیں طرف چلنے کا قانون یا صرف ایک طرف کے راستہ کی تعیین کرنا اور ٹریفک سے متعلق دوسرے ضوابط۔

اسی طرح اگر کوئی محکمہ انتظامی مصلحت سے اپنے عمل کے لئے شلوار یا پاجامہ پہننے کا قانون بنا دے اور تہبند سے روک دے تو یہ اس لئے جائز ہے کہ یہ امور شرعیہ میں سے نہیں، اس لئے ایسی پابندی لگانا مداخلت فی الدین نہیں۔

کعبۃ اللہ کی از سر نو تعمیر حسب کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے یہ بھی امور انتظامیہ کے قبیل سے ہے، شرعاً یہ ترمیم نہ فرض تھی نہ واجب، حتیٰ کہ اسکو مستحب قرار دینا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ حطیم کو کعبہ میں داخل کرنا اور دروازے کو نیچے لے آنا اور دروازے بنانا، یہ امور ایسے ہیں کہ ان میں استحباب کی کوئی وجہ نہیں، صرف راحت و آرام کی مصلحت تھی جو امور انتظامیہ سے ہے۔ ہاں عبادت میں سہولت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کو مستحب لغیرہ کہا جاسکتا ہے۔

علی سبیل التنزل مستحب لعینہ ہونا بھی سلیم کر لیا جائے جیسا کہ امور مذکورہ ہیں

سے امر اول میں ظاہر ہے تو زیادہ سے زیادہ اتنی بات ثابت ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فتنہ سے بچانے اور انکے اسلام کی حفاظت کے لئے ایک مستحب کام کو چھوڑ دیا، یہ کہاں ثابت ہوا کہ کسی مصلحت کے لئے ترک فرض و واجبات اور ارتکاب سیئات بھی جائز ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔
وان الامام یسوس رعیتہ بما فیہ اصلاحہ ولو کان مفضو لا مالہ لیکن

محرم (فتح الباری ص ۱۷۱۹۹)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا ہے :
باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر فہم بعض الناس فیقعوا فی اشد منہ۔

یعنی افضل و مختار کام اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کہ لوگ کم فہمی کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ کسی مصلحت کی خاطر مستحب کام کو تو چھوڑا جاسکتا ہے مگر حدود اللہ سے تجاوز اور قانون شریعت کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احکام شرعیہ کے مقابلہ میں نام نہاد مصالح کو کبھی بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا۔

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ فرمایا جو بلاشبہ مباح اور جائز تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عوام متبیین کی بیوی کو حرام سمجھتے ہیں اس لئے اس نکاح سے شور و شغب اور فتنہ ہوگا، جدید الاسلام لوگ طعن و تشنیع کر کے اپنا ایمان برباد کریں گے۔ اور دین اسلام سے لوگوں کو تنفر ہوگا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

وتخشى الناس واللہ احق ان تخشہ (۳۳ - ۳۷)

بالاخر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سے کر دیا، فتنہ و شورش کی کوئی پروا نہیں کی گئی، اس لئے کہ اس مباح کو چھوڑنے سے اس ضروری مسئلہ کا عملی اظہار نہ ہوتا کہ متبہی کی بیوی حقیقتاً بہو نہیں بنتی اور اس سے نکاح حلال ہے۔

اس مباح کے ترک میں التباس فی الدین بلکہ تحریف فی الدین کا خطرہ تھا، اس لئے اس کے ترک کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲) تحویل قبلہ میں یہودی کی طرف سے سخت مخالفت اور فتنہ کا اندیشہ تھا، علاوہ ازیں چونکہ یہ اسلام میں پہلا نسخہ تھا اس لئے لوگوں کے ارتداد کا بہت خطرہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوتی ہے۔

وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ اَهْوَاؤَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ (۲-۱۲۵)

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصلحت کی پروا کئے بغیر حکم الہی پر قائم و دائم رہے۔ (۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً ہی ہر طرف ارتداد وغیرہ بہت سے فتنوں کا بہت بڑے پیمانہ پر سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو استحکام خلافت سے قبل ہی ان سب فتنوں سے برسرِ پیکار ہونا پڑا، بیک وقت جہاد کے کئی محاذ کھل گئے، ان فتنوں میں ایک فتنہ ایسے اعراب کا بھی تھا جو یہ کہتے تھے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، آپ کے بعد کسی خلیفہ کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بھی جہاد کا فیصلہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ابھی آپ کی خلافت کی ابتداء ہے، استحکام حاصل نہیں ہوا، ادھر چاروں طرف شورش برپا ہے کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں مصلحت یہ ہے کہ آپ اس وقت ان سے جہاد کا نیا محاذ نہ کھولیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، اُمید ہے کہ کچھ مدت کے بعد یہ لوگ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے لگیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان شدید خطرات کی چار سو سے اٹھنے والی گھٹاؤں کی کوئی پروا نہ کی، مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلانِ جہاد پر قائم

رہے۔ بالآخر حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اقرار کیا کہ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعلان جہاد پر شرح صدر ہو گیا ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں غسان کا بادشاہ جبلة بن ایہم مسلمان ہوا، اس نے طواف کرتے ہوئے معمولی سی بات پر ایک اعرابی کے تھپڑ مار دیا جس سے اسکا دانت ٹوٹ گیا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصاص میں اس بادشاہ کا دانت توڑنے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ مصلحت یہ تھی کہ اس سے قصاص نہ لیا جاتا کیونکہ اس کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کو بہت شوکت حاصل تھی، یہ بھی ممکن تھا کہ صاحب حق سے کہہ سن کر معاف کر دیا جاتا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں گزرا، آپ نے اسلام کا فیصلہ صاف سنادیا کہ صاحب حق کو راضی کر لو ورنہ قصاص لیا جائے گا، اس نے سوچنے کی مہلت مانگی، مل گئی اور وہ راتوں رات مرتد ہو کر بھاگ گیا۔

غرضیکہ کسی مصلحت کی خاطر معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔ البتہ شریعت میں بڑے مخطور سے بچنے کے لئے چھوٹے مخطور کو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اسکو بچانا فرض ہے۔ حالانکہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے اس کو اختیار کر لیا گیا، ایسی صورت میں اھون البلیتین یعنی ضرر عظیم کو دفع کرنے کے لئے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کر لیا گیا۔

اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اھون کونسی ہے ہر شخص کا کام نہیں، کیونکہ بسا اوقات انسان اتباع ہوئی، عصبیت یا حب مال و جاہ کی بنا پر غیر اھون کو اھون سمجھ لیتا ہے، اس لئے یہ فیصلہ صرف وہی کر سکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین و تقویٰ میں بھی اعلیٰ مقام رکھتا ہو، بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔

اھون البلیتین کے کلیات شریعت نے بیان فرما دیے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ، ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا، پھر پیش آمدہ جزئیہ کے بارے میں یہ

فیصلہ کرنا کہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں؟ ان امور کے لئے علوم دینیہ میں مہارتِ تامہ، بہت اونچے درجہ کے تدبر و تفقہ اور تدین و تصلب کی ضرورت ہے۔

اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور و خوض کے بعد یہ محقق ہو جائے کہ اسے اھون البلیتین قرار دیکر اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔

اس کی واضح مثال تصویر کھینچنا ہے، جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے، سر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کو لازم قرار دیا ہے، اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اسکی اجازت دی ہے، مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اسکی حرمت تحریراً و تقریراً بیان کرنا چاہئے تھی، اس قدر نہیں ہوئی، بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے، کیونکہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں، اخبارات وغیرہ میں انکی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انھوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا، اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں۔

یہی حال ٹیلی ویژن کا ہے، صرف یہی نہیں کہ علماء اس پر نکیر نہیں کرتے بلکہ بہت سے علماء خود اس میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے عوام کے قلوب سے اس کی قباحت نکل چکی ہے اور وہ اسے جائز سمجھنے لگے ہیں۔

حاصل یہ کہ کسی دینی یا دنیوی مصلحت سے کسی معصیت کا ارتکاب جائز نہیں۔ آج کل سیاسی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے جائز و ناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سراسر غلط ہے، مسلمان تو وہی ہے جو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھے اور اسکی قائم کردہ حدود سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے، جو لوگ سیاست کا کام محض

تحصیل اقتدار کے لئے کرتے ہیں اور ان کو ملک کی دینی و دنیوی فلاح سے کچھ غرض نہیں، وہ سیاسی کام میں احکام اسلام کو ملحوظ نہیں رکھتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، حیرت تو ان حضرات پر ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

”موجودہ سیاست میں حصہ لینے سے ہمارا مقصود ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔“ مگر پھر بھی وہ سیاسی کاموں میں احکام اسلام کی پروا نہیں کرتے، غیر مشروع تدابیر اختیار کرتے ہیں، جس سے کہا جاتا ہے :

”آپ تو اسلامی نظام قائم کرنے کے مدعی ہیں مگر آپ خود اسلام نافذ کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور ناجائز ہیں“
تو جواب دیتے ہیں :

”اگرچہ یہ طریقے ناجائز ہیں مگر ان کے بغیر اسلام لانا ممکن نہیں اس لئے اب تو جائز ناجائز کی پروا کئے بغیر اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد لازم ہے، اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد پورے طور پر اسلام نافذ کر دیں گے“

یہ محض دھوکہ ہے، ہمیں ان کی نیت پر شبہ نہیں، مگر اسکا طریق کار ایسا ہے کہ اس سے نفاذ اسلام کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی، کیونکہ غیر اسلامی طریقوں سے بے دینوں کی کامیابی تو ممکن ہے مگر دینداروں کو اولاً تو کامیابی ہوگی نہیں، اور اگر صورتہ کامیابی ہو بھی گئی تو اسکے نتیجے میں اسلام نہیں آئے گا بلکہ اسلام کے نام کی کوئی اور چیز ہوگی، اور صورتہ جو کامیابی ہوگی وہ بھی چند روز سے آگے نہ بڑھے گی، جب اس کی بنیاد ہی کمزور تھی تو اس پر عمارت کیسے قائم رہ سکتی ہے؟

عقل، نقل اور مشاہدہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی۔

اگر کبھی غیر مشروع و ناجائز طریقوں سے کفار و فساق کو کامیابی ہوئی ہو تو اس پر مسلمانوں کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ مسلم اور کافر کی طبعی افتاد اور مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک نسخہ ایک مزاج کو مفید اور دوسرے مزاج کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ ایک قصہ مشہور ہے :

”بھنگی عطر کی دوکان کے پاس گزرا، اس کا دماغ جو پاخانہ کی بدبو سے مانوس

تھا خوشبو کو برداشت نہ کر سکا اس لئے بیہوش ہو گیا، بہت علاج کئے گئے مگر سب ناکام رہے، اس کے بھائی کو علم ہوا تو وہ ایک شیشی میں پاخانہ بھر کر لایا اور اس کی ناک کے ساتھ دگادی، وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔

ٹھیک اسی طرح کفار و فساق کا دماغ معصیت کے تعفن سے سڑا ہوا ہے اس لئے ان کو حرام اور ناجائز کاموں کی بدبو نافع ہے، بخلاف مسلمان کے کہ یہ شہزادہ ہے اس دماغ نہایت صاف اور پاکیزہ ہے، اسکو تو صرف احکام شرعیہ کی خوشبو ہی نفع دے گی، کوئی حمق شہزادہ کو بھنگی پر قیاس کر کے اسے پاخانہ سُنکھا دے تو شہزادہ کا دماغ پھٹ جائے گا۔ مسلمان کو کفار و فساق پر قیاس کرنا غلط ہے کہ جو چیز ان کو نافع ہوگی وہی ان کے لئے بھی نافع ہوگی، یہ قیاس اس بوجھ بھکڑ کی منطق جیسا ہے جو اسکے دماغ میں کسی کو درخت سے اُتارنے کے لئے آئی تھی، قصہ یہ پیش آیا:

”ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اترنے کی ہمت نہ ہوئی، لوگوں کو پکارا، وہ جمع ہو گئے اور مختلف تدبیریں سوچیں مگر اطمینان نہ ہوا، بالآخر طے پایا کہ یہ عقدہ بوجھ بھکڑ سے حل کرایا جائے، کیونکہ وہ بستی میں سب سے زیادہ عقلمند ہے، اس سے درخواست کی گئی تو وہ موقع پر پہنچا اور کہا کہ تم سب بے عقل ہو، میرے بغیر ایک معمولی سی بات کا حل نہیں نکال پائے، اسکی تو بہت آسان تدبیر ہے، ایک لمبا رستہ اس شخص کی طرف پھینکو وہ اپنی کمر سے خوب مضبوط بانڈھ لے، پھر نیچے کے لوگ خوب زور سے جھٹکا لگا کر اپنی طرف کھینچیں، بڑی آسانی سے نیچے پہنچ جائے گا۔

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، وہ شخص اس زور سے گرا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور مر گیا، لوگوں نے بوجھ بھکڑ سے کہا کہ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کی قسمت خراب تھی ورنہ تو میں نے کتنوں کو اس طریقہ سے کنویں سے نکالتے دیکھا ہے۔“

جیسے اس بوجھ بھکڑ کا درخت پر چڑھنے والے کو کنویں میں گرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو کفار پر قیاس کرنا غلط اور مہلک ہے، کفار پستی میں ہیں اور مسلمان بلندی پر، کفار جن تدابیر کے ذریعہ پستی سے بلندی کی طرف آنے میں کامیاب ہو رہے ہیں اگر وہی تدابیر مسلمان اختیار کریں گے تو بلندی سے پستی میں جا کریں گے۔

جوتے میں نجاست لگ جائے تو اس کو پھینکا نہیں جاتا مگر ٹوپی میں کسی چیز کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے تو فوراً اُتار دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمان ٹوپی کی طرح معزز ہیں اور کفار جوتے کی طرح ذلیل۔

مسلمانوں کو معصیت سے کامیابی ہرگز نہیں ہو سکتی، جنگ احد کا واقعہ ہی دیکھ لیجئے کہ مسلمان کفار پر غالب آچکے تھے مگر ایک اجتہادی خطا سے اُن کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

حَتَّىٰ اِذَا فُشِقَتْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا اَرْسَلْنَا مَآتِحَتَّوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ يَّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مِّنْ يَّرِيْدُ الْآخِرَةَ - الْاٰيَةُ (۳-۱۵۲)
اس آیت میں شکست کا سبب معصیت کو قرار دیا گیا ہے باقی چیزیں یا اس کے افراد ہیں یا اُس کا اثر۔

اس کو معصیت کہنا ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت میں یہ خطا اجتہادی کے قبیل سے ہے، واقعہ یہ ہوا تھا :

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک مورچہ پر مقرر فرما کر یہ تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست اس جگہ کو نہ چھوڑنا، مگر جب انھوں نے مسلمانوں کو فتح ہوتی دیکھی تو مال غنیمت جمع کرنے کے لئے اس مورچہ کو چھوڑ دیا، کفار نے اس جانب سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔“

حالانکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصود بالذات دنیا نہ تھی بلکہ مقصود تمام مسلمانوں کو دنیوی نفع پہنچانا تھا جو ایک اعتبار سے دین ہے، ورنہ اگر صرف اپنے لئے دنیا جمع کرنا مقصود ہوتا تو اسکے لئے مورچہ کو چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ شرعی قانون یہ ہے کہ مال غنیمت میں وہ شخص بھی شریک ہے جس نے مال غنیمت جمع نہیں کیا مگر جنگ کے کاموں میں سے کسی کام میں مشغول رہا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کو دُنْیَا مِنْ حَیْثُ الدُّنْیَا مقصود نہ تھی بلکہ اس سے بھی آخرت ہی مقصود تھی، اس لئے مِنْكُمْ مِنْ يَّرِيْدُ الدُّنْيَا کے معنی ہیں مِنْ يَّرِيْدُ الدُّنْيَا

للاخرة اور من یسید الاخرة کے معنی ہیں من یسید الاخرة الصرفۃ -

علاوہ ازیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مورچہ کی حفاظت بھی عمل آخرت تھا اور مال غنیمت جمع کرنا بھی، مگر ان حضرات کے لئے مورچہ کی حفاظت کا عمل زیادہ اہم تھا، اور دنیا کا اہم کام چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہونا جائز نہیں، ان حضرات کی اجتہادی غلطی سے یہ ناجائز کام ہو گیا، جس کو ”دنیا“ سے تعبیر فرمایا، ”دنیا“ کے مختلف معانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ناجائز کام ”دنیا“ ہے۔

اس کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہے :

”آپ نے جہاد کی نیت سے بہترین نسل کے گھوڑے پالے، ایک بار انکے معاینہ میں ایسا انہماک ہوا کہ اس وقت کا کوئی اہم معمول رہ گیا اس کے بارے میں فرمایا :

انی احببت حب الخیر عن ذکر رقی (۳۸-۳۱)“

اس کی تقریر بھی یہی ہے کہ گھوڑوں کا معاینہ بھی اگرچہ عمل آخرت تھا مگر دوسرا معمول جو رہ گیا وہ زیادہ اہم تھا، ”حب الخیر“ کا یہ فرد فی نفسہ محمود و مقصود تھا مگر دوسرے زیادہ اہم معمول کے ترک کا باعث بن جانچی وجہ سے قبیح و مذموم ہو گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ یہ حب الخیر جو اصالۃ و ابتداء محمود و مقصود تھی وہ انتہائے بوجہ عارض مذموم ہو گئی، معمول متروک اگر فرض تھا تو بھی چونکہ ذہول و نسیان کی وجہ سے ترک ہوا اس لئے منافی عصمت نہیں۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ اجتہادی فروگزاشت بھی فتح سے مانع بن گئی، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بھی حاصل تھی اور جو غلطی ان سے صادر ہوئی اس میں ان کی نیت بھی معاذ اللہ بری نہ تھی بلکہ عمل آخرت کی نیت تھی۔

اسی طرح غزوہ حنین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں اپنی کثرت کا ذرا سادھیان آ گیا، محض اتنی سی بات پر اولاً شکست ہو گئی۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی لغزش فتح سے مانع بن گئی تو آج کے مسلمانوں کی غلطیاں ان کی کامیابی میں رکاوٹ کیونکر نہیں بنیں گی ؟

پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آج کے مسلمانوں میں ایک فرق یہ بھی ہے

کہ یہ لوگ معصیت کو ذریعہ کامیابی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کا طریق کار ہی غلط ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق کار صحیح تھا، اتفاق سے اس میں اجتہادی خطا شامل ہو گئی تھی۔

جہاد اور دوسرے دینی و سیاسی کاموں میں کامیابی و ثابت قدمی حاصل کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چند صریح ارشادات اور واضح فیصلے ملاحظہ ہوں :

① اوفوا بعهدي اوف بعهداكم واياي فاهبون ۵ (۲۰: ۲)

”تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔“

② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۵ (۱۵۳: ۲)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔“

صبر کی حقیقت دین پر استقامت اور حدود اللہ کی حفاظت ہے۔

③ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقَ قَرَارُ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۵ (۱۷۷: ۲)

”سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر، اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو، اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں، اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگ رستی میں اور بیماری میں اور قتال میں، یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔“

④ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَىٰ وَأَتَى الْبُيُوتَ

مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۵ (۱۸۹: ۲)

”اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کروہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے بچے، اور گھروں میں انکے دروازوں سے آؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو“

اس میں حکم تقویٰ کے علاوہ طریق اتیان بیوت کی تعلیم سے بھی ثابت ہوا کہ ہر کام اس کے طریق شرعی کے مطابق کرنا لازم ہے، اس سے خروج جائز نہیں۔

⑤ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۲ : ۱۹۰)

”اور تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے“

⑥ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲ : ۲۲۲)

”اور اللہ کی راہ میں قتال کرو، اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں“

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و اعمال و نیات سے باخبر ہے، اس لئے حالت جہاد میں کسی مصلحت سے اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ ہونے پائے۔

④ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلاقُوا اللَّهَ كَمَنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٌ فَلَمَّا كَثُرَتْ بَاذَنَ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۲ : ۲۴۹)

”پھر جب طالوت فوجوں کو لیکر چلے تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے سو جو شخص اس سے پانی پیے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اُس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے، سو ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے پینا شروع کر دیا، سو جب طالوت اور جو مؤمنین انکے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے، کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی، ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے

کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

(۸) وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا افرغ علينا صبراً وثبت اقدامنا وامننا على القوم الكافرين ۵ (۲: ۲۵۰)

”اور جب وہ لوگ جالوت اور اسکی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر استقلال نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔“

اس دعا کی ترتیب سے ثابت ہوا کہ دین پر استقامت سے ثبات اقدام حاصل ہوتا ہے اور پھر کفار پر نصرت، جیسا کہ آیت نمبر ۱۳ میں اسکی تصریح آ رہی ہے کہ ثبات قدم اور فتح و نصرت کا مدار ترک معاصی پر ہے۔

(۹) وَاِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُ هِمَّ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (۳: ۱۲۰)

”اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔“

(۱۰) بَلَىٰ اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَا تُوَكِّرُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا اَيْدِيكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۵ (۳: ۱۲۵)

”ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہونگے۔“

(۱۱) وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا اِنَّمَا اَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۵ (۳: ۱۳۹)

”اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن لہو گے۔“

(۱۲) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمِ الصّٰبِرِيْنَ ۵ (۳: ۱۴۲)

”ہاں! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں۔“

(۱۳) وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ اَلَا اَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاَسْرَفَنَا فِيْ اٰمَانَا وَثَبِّتْ

اقدامنّا وانصرنا علی القوم الکفرین ۵ فاثم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرة ۵
واللہ یحبّ المحسنین ۵ (۳ : ۱۲۴، ۱۲۸)

”اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافروں پر غالب کیجئے، سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلادیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو کاروں سے محبت ہے۔“

اس میں اللہ والوں کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ثبات قدم و نصرت اللہ کی دعا مانگنے سے پہلے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ معاصی ثبات قدم و نصرت اللہ سے مانع بن جاتے ہیں۔ ان کے اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت دونوں میں فلاح و کامیابی سے نوازا، اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی محبوبیت کا تمغہ عطا فرمایا۔

(۱۴) ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسّوہم یا ذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فیہ ر الامر وعصیتہم من بعد ما اریکم ما تحبّون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرة ثم صرفکم عنہم لیبتلکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین ۵ (۳ : ۱۵۲)
”اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم ان کفار کو اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم خود کمزور ہو گئے اور حکم میں باہم اختلاف کرنے لگے اور اس کے بعد کہ تمہیں تمہاری خواہش دکھادی گئی تھی، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلبگار تھے، پھر تمہیں ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑے فضل والے ہیں۔“
اس آیت کی تفسیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔

(۱۵) ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذ لکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ
وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۵ (۳ : ۱۶۰)

”اگر اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے، اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔“

(۱۶) الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اصْلَحَ لَهُمُ الْقُرْآنُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ
وَاتَّقُوا اَجْرَ عَظِيمٍ ۝ (۱۴۲: ۳)

”جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ اُن کو زخم لگاتھا ان لوگوں میں
جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔“

(۱۷) اِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنَ اَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۴۵: ۳)
”اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے
مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔“
معلوم ہوا کہ دشمن سے سخت خطرہ کی حالت میں بھی حفاظت کی مصلحت سے کسی ممنوع کام کا
ارتکاب جائز نہیں۔

(۱۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۲۰۰: ۳)
”اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔“

(۱۹) وَلَقَدْ اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ
لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
لَا كُفْرَ عَنْكُمْ سِوَانِ تَكْمُلُوا دَخَلْنَاكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (۱۲: ۵)

”اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے اُن میں سے بارہ سردار مقرر
کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے پاس ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور
زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے
رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور
کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو
شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بیشک راہ راست سے دُور جا پڑا۔“

(۲۰) وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حَرْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (۵۶: ۵)
”اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کا
گروہ بلا شک غالب ہے۔“

(۲۱) وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (۵: ۶۶)

”اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اسکی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔“

(۲۲) وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۷: ۹۶)

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔“

(۲۳) قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۷: ۱۲۸)

”موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور مستقل رہو یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک بنا دیں اور اخیر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔“

(۲۴) وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ ۖ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (۷: ۱۳۷)

”اور ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اُس سرزمین کے مشارق مغارب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔“

(۲۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيَمَ قَوْلُ فَاثْبِتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْحَحُونَ ۝ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۸: ۴۵، ۴۶)

”اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم

ہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔“

دشمن کے مقابلہ میں ثبات قدم کا نسخہ ارشاد فرمایا ”کثرت ذکر“ اور ذکر اللہ کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو، اور تعلق مع اللہ معصیت سے مانع ہے۔ پھر آگے مزید تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تصریح بھی فرمادی۔ علاوہ ازیں آپس میں تنازع سے منع فرمایا، اور دوسری جائزہ تنازع کا طریقہ یہ ارشاد فرمایا:

فان تنازعتم فی شئ فراجعوا الی اللہ والرسول (۵۹ : ۴)

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔

(۲۶) وان یریدوا ان یخذعوک فان حسبک اللہ ہوالذی یدلک بنصرہ
وبالمؤمنین (۶۲ : ۸)

”اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں، وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔“

(۲۷) یا ایہا النبی حرّض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون
صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائتہ یغلبوا الفامن الذین
کفروا بانہم قومٌ ۱) یفقهون (۶۵ : ۸)

”اے نبی! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہونگے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔“

(۲۸) ان خفف اللہ عنکم وعلماۃ فیکم ضعفان فان یکن منکم مائتہ
صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ
واللہ مع الصابرين (۶۶ : ۸)

”اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہونگے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صابرين کے ساتھ ہیں۔“

(۲۹) وان یریدوا خیانتک فقد خانوا اللہ من قبل فامکن منہم ط واللہ
عزیم حکیم ۵ (۸: ۷۱)

”اور اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس سے پہلے انھوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کر دیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔“

(۳۰) فما استقاموا لكم فاستقیوا لهم ان اللہ یحب المتقین ۵ (۹: ۷۴)

”سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔“

(۳۱) لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذا عجبتمکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولّیتم مدبرین ۵ (۹: ۲۵)

”تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت مواقع میں غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔“

(۳۲) وقاتلوا المشرکین كافة كما یقاتلونکم كافة ط واعلموا ان اللہ مع المتقین ۵ (۹: ۳۶)

”اور ان مشرکین سے سب لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقین کا ساتھ دیتا ہے۔“

(۳۳) التائبون العابدون الحمدون السابحون الرکعون السجّدون الامرون بالمعروف والنّاهون عن المنکر والحفظون لحدود اللہ ولبشر المؤمنین ۵ (۹: ۱۱۲)

”وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بُری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے مؤمنین کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔“

(۳۴) یا ایہا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ویجدا وافیکم غلظۃ ط

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹: ۱۲۳)

”اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“

اس میں بھی حالت جہاد میں تقویٰ یعنی حدود اللہ سے تجاوز سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۳۵) اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلُ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۱۰: ۶۲ تا ۶۴)

”یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ منموم ہوتے ہیں، وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں، اُن کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔“

(۳۶) فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۱۱: ۴۹)

”سو صبر کیجئے یقیناً نیک انجامی متقین ہی کے لئے ہے۔“

(۳۷) وَيَقُوْمُ اسْتَغْفِرْ وَاَرْبَابَكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا اِلَيْهِ يَرْسُلَ السَّمَاءُ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُزَكِّكُمْ قُوَّةً اِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مَجْرِمِيْنَ ۝ (۱۱: ۵۲)

”اور اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر خوب بارشیں برسا دیگا اور تم کو اور قوت دیکر تمہاری قوت میں ترقی کر دیگا، اور مجسم رہ کر اعراض مت کرو۔“

(۳۸) اِنَّ مِنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۱۲: ۹۰)

”واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔“

(۳۹) ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فَتَنَّا ثُمَّ جَٰهَدُوا وَاصْبِرُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۱۶: ۱۱۰)

”پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔“

(۴۰) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (۲۱: ۱۰۵)

”اور ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہونگے۔“

(۴۱) إِنَّ اللَّهَ يَدْفَعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ اللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ (۲۲: ۳۸)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ہٹا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔“

(۴۲) الَّذِينَ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ يُغَيِّرْ حَقِّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَهْذًا مِمَّا صَوَّامِعَ وَبِيعَ وَصَلَوَاتٍ وَمَسْجِدًا يُذَكِّرُ فِيهَا أَسْمَاءَ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ

وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (۲۲: ۴۰)

”جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب

اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک کا دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو

نصاری کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں

اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے، اور بیشک اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرے گا

جو کہ اللہ کی مدد کریگا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔“

(۴۳) إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۲۴: ۵۱)

”مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے صرف یہ ہے کہ وہ

کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور مان لیا، اور ایسے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔“

(۴۴) وَمَنْ يَطْعَمْهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَيُخَشِ اللَّهُ وَيَتَّقْهُ فَاولئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (۲۴: ۵۲)

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اُس کی مخالفت سے

بچے بس ایسے ہی لوگ یا مراد ہوں گے۔“

(۴۵) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

أَمْنًا طَيِّبَةً وَنَبِيٍّ لَا يَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (۲۴: ۵۵)

”تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو

زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو

اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو ان کے لئے قوت دیگا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل با من کر دیگا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں، اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کر چکا تو یہ لوگ فاسق ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں ایمان و اعمال صالحہ پر فتح و نصرت کا وعدہ ہے اور عمل صالح کی بنیاد ترکِ معصیت ہے، معصیت کی وجہ سے فتح اور نصرت ناکامی اور نامرادی سے بدل جاتی ہے، جسکا بیان اوپر گزر چکا ہے

(۴۶) لَبَنِيْ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ ۖ

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر ۝ (۳۱ : ۱۷)

”بیٹا! نماز پڑھا کر و اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اُس پر صبر کیا کر، یہ بہت کے کاموں میں سے ہے۔“

نہی عن المنکر جہاد اکبر ہے، اس میں مضائب شدیدہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسلئے صبر اور استقامت کا حکم فرمایا۔

(۴۷) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اَتْتَهُمُ لَهُمُ الْمَنُصُوْرُوْنَ ۝ وَاَنْتَ جُنْدٌ نَّالَهُمُ الْغُلْبُوْنَ ۝ (۳۷ : ۱۷ تا ۱۷۳)

”اور ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔“

(۴۸) قُلْ يٰعِبَادِ اللّٰهِ اٰمِنُوْا اَتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۖ لِلَّذِيْنَ احْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَاَرْضُ اللّٰهِ وٰسِعَةٌ ۖ اٰتٰمَآ يُوْفِّي الصّٰبِرُوْنَ جَزَآءَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳۹ : ۱۰)

”آپ کہیے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے رب سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے، مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔“

(۴۹) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ (۴۰ : ۵۱)

”ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز میں بھی جس میں کہ گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔“

(۵۰) وَنَجِّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (۴۱ : ۱۸)

”اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے۔“

(۵۱) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۱۳: ۲۶)
 ”جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں
 اور نہ وہ غمگین ہونگے“

(۵۲) يَاۡۤیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۷: ۴۷)
 ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم
 ہلے گا“

(۵۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکُفْرَیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ ۝ (۱۱: ۲۷)
 ”یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز
 نہیں“

(۵۴) کَتَبَ اللّٰهُ لَآ غَلِبَ اَنَا وَّرَسُوْلُیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (۲۱: ۵۸)
 ”اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے، بیشک
 اللہ تعالیٰ قوت والاغلبہ والا ہے“

(۵۵) لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ سُوۤاۤ ذَٰلِکَ مِنْ حَادِ اللّٰهِ
 وَرَسُوْلِهِ وَلَوْ کَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۤءَهُمْ اَوْ اِخْوَانُهُمْ اَوْ عَشِیْرَتُهُمْ
 اُولَٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۖ وَیُدْخِلُهُمْ
 جَنَّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۖ
 اُولَٰئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ ۖ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۵۸-۲۲)

”جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ
 ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی
 یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو
 اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں
 جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور وہ اللہ سے راضی
 ہونگے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے“

(۵۶) وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لِّهٖ مَخْرَجًا ۚ وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ
 یَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ (۳۱: ۲۶-۲۵)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے“

(۵۷) وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ (۶۵: ۴)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دیگا“

(۵۸) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝

يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝ (۴۱: ۱۰ تا ۱۲)

”اور میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے گناہ بخشو اور بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اولاد میں ترقی دیگا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دیگا“

(۵۹) رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ (۴۳: ۹)

”وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنا

کار ساز بنا لے“

(۶۰) وَكَذَلِكَ نَوَىٰ بَعْضُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۶: ۱۲۹)

”اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کرتے ہیں انکی بد اعمالیوں کی وجہ سے“

(۶۱) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَفْسِيرُهَا أَنَّ اللَّهَ إِذَا ارَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَلِيَ عَلَيْهِمْ

شَرًّا هُمُ الْخِيَرَاءُ وَلِيَ عَلَيْهِمْ خِيَرُهُمْ وَفِي بَعْضِ الْكُتُبِ الْمَنْزِلَةُ أَفْنَىٰ أَعْدَائِي بِأَعْدَائِي ثُمَّ

أَفْنِيَهُمْ بِأَوْلِيَائِي (البحر المحيط ص ۲۲۲ ج ۴)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو ان پر برے حکام مسلط فرما دیتے ہیں اور کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر اچھے لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں، اور بعض آسمانی کتابوں میں ہے میں اپنے دشمنوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعہ تباہ کرتا ہوں پھر ان کو اپنے دوستوں کے ہاتھوں“

(۶۲) قَالَ مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ قُرَأَتْ فِي الزُّبُرِ أَنَّتُمْ الْمُنَافِقِينَ بِالْمُنَافِقِينَ ثُمَّ أَنْتُمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ

جميعاً وذلك في كتاب الله قوله تعالى وكذلك نولي بعض الظالمين بعضاً -

وقد روى الحافظ ابن عساكر في ترجمة عبد الباقي بن احمد من طريق سعيد بن عبد الجبار الكرابيسي عن حماد بن سلمة عن عاصم عن زر عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه مرفوعاً من اعان ظالماً ساطه الله عليه وهذا حديث غريب وقال بعض الشعراء:

وما من يد الا يد الله فوقها
ولا ظالم الا سيلى بظالم

ومعنى الآية الكريمة كما ولينا هؤلاء الخاسرين من الناس تلك الطائفة التي اغوتهم من الجن كذلك نفعل بالظالمين نسلط بعضهم على بعض جزاء على ظلمهم وبغيهم (تفسير ابن كثير ص ۱۷۶ ج ۲)

”مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں نے زبور میں پڑھا ہے: میں منافقوں سے منافقوں کے ذریعہ انتقام لیتا ہوں پھر سب منافقوں سے انتقام لیتا ہوں، اور یہ کتاب اللہ میں بھی ہے وكذلك نولي بعض الظالمين بعضاً،

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں ان کے ظلم اور سرکشی کی سزا دینے کے لئے۔“

(۶۳) وخرج ابو الشيخ عن منصور بن ابی الاسود قال سألت الاعمش عن قوله وكذلك نولي بعض الظالمين بعضاً ما سمعته يقولون فيه قال سمعته يقولون اذا فسد الناس امر عليهم شرارهم (الدر المنثور ص ۴۶ ج ۳)

”اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اکابر سے اس آیت کی تفسیر یہ سنی ہے کہ جب لوگ خراب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر شریر لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔“

(۶۴) وخرج ابن ابی حاتم وابو الشيخ عن مالک بن دینار مثل ما اخبر عنه ابن كثير وقد مرّ نصه (حوالہ بالا)

(۶۵) وخرج الحاكم في التاريخ والبيهقي في شعب الایمان من طريق يحيى بن هاشم ثنا يونس بن ابی اسحق عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كما تكونون

کذلک یؤمر علیکم قال البیهقی هذا منقطع ریحی صنیف (حوالہ بالا)

”جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے“

(۶۶) ابوبکرؓ : کہا تکنونوا یولی علیکم او یؤمر علیکم (مسند الفردوس للذیلمی ص ۳۵۲ ج ۳)

”جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے“

(۶۷) عن ابی اسحق السبیعی کہا تکنونوا کذلک یولی علیکم (شعب الایمان للبیہقی ص ۲۳)

”جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے“

(۶۸) قال الامام السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : حدیث : کہا تکنونون یولی علیکم او

یؤمر علیکم، الحاکم ومن طریقہ الذیلمی من حدیث یحییٰ بن ہاشم حدثنایونس بن

ابی اسحاق عن ابی اظنہ عن ابی بکرۃ مرفوعاً بهذا، ومن هذا الوجه اخرجہ البیہقی

فی السابع والاربعین بلفظ : یؤمر علیکم، بدون شك وبجذف ابی بکرۃ، وقال : انه

منقطع وراویہ یحییٰ فی عداد من یضع (المقاصد الحسنۃ ص ۳۲۶)

(۶۹) ولہ طریق اخری فاخرجہ ابن جمیع فی معجمہ والقضائعی فی مسندہ من

جہۃ الکرمانی بن عمرو حدثنای مبارک بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃ بلفظ :

یولی علیکم، بدون شك، وفی سندہ الی مبارک ہجاہیل۔

(۷۰) عند الطبرانی معناه من طریق عمر وکعب الاحبار والحسن فانہ سمع

رجلاً یسأل علی الحجاج فقال لہ : لا تفعل انکم من انفسکم اتیتم انا نخاف

ان عزل الحجاج او مات ان یستولی علیکم القردۃ والخنازیر فقد روی ان اعمالکم

عمالکم وکما تکنونون یولی علیکم وانشد بعضهم : بذنوبنا دامت بلیتنا، واللہ

یکشفها اذا تبنا، وفی المأثور من الدعوات : اللہم لا تسلط علینا بذنوبنا من

لا یرحمنا، (المقاصد الحسنۃ ص ۳۲۶)

”حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حجاج پر بددعا کرتے سنا، آپ نے فرمایا:

ایسا مت کرو، تم خود اپنی بد اعمالیوں سے اس کو لائے ہو، ہمیں خوف ہے کہ اگر حجاج

معزول ہو جائے یا مرجائے تو تم پر بندر اور خنزیر حاکم بنا دیے جائیں، روایت ہے :

”بے شک تمہارے اعمال تم پر حاکم بنائے جاتے ہیں، اور جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط

کئے جائیں گے، ہمارے گناہوں سے ہم پر مصیبتیں مسلط رہتی ہیں، ہم توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ

ان مصائب سے نجات دیں گے، اور دُعا دُعا ماثور میں ہے: یا اللہ! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسا حاکم مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۔“

(۷۱) واخرج البيهقي عن كعب الاحبار قال ان لكل زمان ملكا يبعثه الله على نحو قلوب اهله فاذا اراد صلا حهم بعث عليهم مصليا واذا اراد هلكتهم بعث عليهم مترفهم (الدار المنثور ص ۲۶ ج ۳)

”ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کے حالات کے مطابق بادشاہ مسلط فرماتے ہیں، جب ان کی بھلائی چاہتے ہیں تو اچھا حاکم مقرر فرماتے ہیں اور ان کی ہلاکت چاہتے ہیں تو بُرا حاکم مسلط فرماتے ہیں۔“

(۷۲) واخرج البيهقي عن الحسن ان بنی اسرائیل سألوا موسى عليه السلام فقالوا سل لنا ربك يبيّن لنا علم رضاءه عننا و علم سخطه فساله فقال يا موسى انبئهم ان رضاءي عنهم ان استعمل عليهم خيأ رهم وان سخطي عليهم ان استعمل عليهم شرارهم (حوالہ بالا)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لوگوں کو بتادیں کہ ان سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ ان کے لئے اچھا حاکم مقرر کرتا ہوں اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ ان پر بُرا حاکم مسلط کرتا ہوں۔“

(۷۳) واخرج البيهقي عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه قال حدثت ان موسى او عيسى قال يا رب ما علامة رضاك عن خلقك قال ان انزل عليهم الغيث ابان زرعهم واجبسه ابان حصادهم واجعل امورهم الى حلما كهم وفيئهم في ايدى سمحائهم قال يا رب فما علامة السخط قال ان انزل عليهم الغيث ابان حصادهم واجبسه ابان زرعهم واجعل امورهم الى سفها كهم وفيئهم في ايدى بخلائهم (حوالہ بالا)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام سے فرمایا: مخلوق سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ میں کھیتی بونے کے وقت بارش برساتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں اور ان پر بردبار لوگوں کو حاکم بناتا ہوں، اور ان کی حاجات مالیہ سخی لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ کھیتی کاٹنے کے وقت بارش برساتا ہوں اور بونے کے وقت روک لیتا ہوں اور ان پر احمق لوگوں کو حاکم بناتا ہوں اور ان کی حاجات مالیہ

بخیل لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔“

(۷۴) قال العلامة الألبوسی رحمہ اللہ تعالیٰ : واستدل به علی ان الرعیۃ اذا كانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیہم ظالمہا مثلہم وفی الحدیث کما تكونوا یولی علیکم (روح المعانی ص ۸ ج ۲)

”حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں پر انہی جیسا ظالم حاکم مسلط فرماتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جیسے تم ہو گے تم پر ویسا ہی حاکم مسلط کیا جائیگا۔“ (۷۵) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الہ الا انا مالک الملوک وملك الملوک قلوب الملوک بیدای وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکہم علیہم بالرحمة والرافۃ وان العباد اذا عصونی حولت قلوبہم بالسخطۃ والتقمۃ فساموہم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولكن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم ملوککم (حلیۃ ص ۳۸۸ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، میرے بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے بادشاہوں کے دل ان کی طرف رحمت اور شفقت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل غصہ اور انتقام سے متوجہ کر دیتا ہوں، سو وہ ان کو سخت عذاب چکھاتے ہیں، اس لئے خود کو بادشاہوں پر بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ خود کو ذکر اللہ اور تضرع میں مشغول کرو تاکہ میں تمہیں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے محفوظ رکھوں۔“

(۷۶) وکن فی جمع الزوائد بروایۃ الطبرانی (الاعتدال ص ۸۲)

(۷۷) اذا اراد اللہ بقوم خیر ولی علیہم حلماؤہم وقضیٰ بینہم علماؤہم وجعل المال فی سبعا ثلثہم واذا اراد بقوم شر ولی علیہم سفہاءہم وقضیٰ بینہم جھالہم وجعل المال فی بخلاتھم (فر) عن مہران (ص) (الجامع الصغیر ص ۱۷ ج ۱)

”جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نیکی کی وجہ سے اس کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر بر دبار لوگوں کو حاکم بناتے ہیں، اور ان کے فیصلے علما کرتے ہیں، اور مال سخی لوگوں کو دیتے ہیں، اور جب کسی قوم کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو احمقوں کو ان پر حاکم بناتے ہیں

اور ان کے فیصلے جاہل لوگ کرتے ہیں، اور مال بخیل لوگوں کو دیتے ہیں۔“

(۷۸) ان الله تعالى اذا غضب على امة لم ينزل بها عذاب خسف ولا مستخ غلت اسعارها ومحبس عنها امطارها ويلي عليها اشراؤها، ابن عساكر عن علي رضي الله تعالى عنه (الجامع الصغير ص ۶۶ ج ۱)
”بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور ان پر زمین میں دھنسانے اور صورتیں مسخ کرنے کا عذاب نازل نہیں فرماتے تو ضرورت کی چیزوں کے نرخ گراں کر دیتے ہیں، اور بارشیں روک لیتے ہیں اور ان پر بڑے حکام کو مستطافرما دیتے ہیں۔“

(۷۹) وفي مجمع الزوائد عن جابر رضي الله عنه رفعه ان الله عز وجل يقول انتقم من اغضب بمن اغضب ثم اصير كلا الى النار رواه الطبراني في الاوسط وفيه محمد بن بكر الباسي ضعيف (الاعتدال ص ۸۶)
”بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جن لوگوں پر میرا غضب ہے میں ان سے انہی جیسے مغضوب لوگوں کے ذریعہ انتقام لیتا ہوں پھر سب کو جہنم میں پھینک دیتا ہوں۔“

(۸۰) لا تسبوا الامة وادعوا الله لهم بالصلح فان صلاحهم لكم صلاح (طبر) عن ابى امامة رضي الله عنه (الجامع الصغير ص ۹۹ ج ۲) ”حکام کو گالیاں نہ دو، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلاحیت کی دعا کرنا کرو، کیونکہ ان کی صلاحیت سے تمہاری صلاحیت وابستہ ہے۔“

(۸۱) لا تشغلوا قلوبكم بسب الملوک ولكن تقربوا الى الله تعالى بالدعاء لهم يعطف الله قلوبهم عليكم، ابن النجار عن عائشة رضي الله تعالى عنها (الجامع الصغير ص ۲ ج ۲)
”اپنے دلوں کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو، بلکہ ان کے لئے دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تم پر مہربان فرما دیں گے۔“

(۸۲) واخرج ابن ابی شیبہ عن مالك بن مغول قال في زبور داود عليه السلام فكتب اني انا الله لا اله الا انا ملك الملوک قلوب الملوک بيدى فايما قوم كانوا على طاعة جعلت الملوک عليهم رحمة وايما قوم كانوا على معصية جعلت الملوک عليهم نقمة (لا تشغلوا انفسكم بسب الملوک ولا تتوبوا اليهم توبوا الى اعطف قلوبهم عليكم) (الدار المنثور ص ۱۸۹ ج ۲)

”حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں لکھا ہے: بیشک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہیں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، سو جو قوم میری فرمانبرداری ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم نافرمان ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر عذاب بنا دیتا ہوں، خود کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو اور انکی طرف توجہ نہ کرو، میری طرف توجہ کرو میں انکے قلوب کو تم پر مہربان کر دوں گا۔“

(۸۳) عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابغض المسلمون علماءہم واطہر واعمارة اسواقہم وتناکحوا علی جمع الدراہم وما ہم اللہ عز وجل باریع خصائل بالقحط من الزمان والجور من السلطان والخيانة من ولایة الاحکام والصولة من العدو (مستدرک حاکم ص ۳۲۵ ج ۴)

”جب مسلمان اپنے علماء سے بغض رکھیں گے اور اپنے بازاروں کی عمارت کو ظاہر کریں گے اور مال جمع کرنے پر نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو چار قسم کے عذاب میں مبتلا کریں گے، قحط، بادشاہ کا ظلم، حکام کی خیانت، دشمنوں کے حملے“

(۸۴) اخبر عبد بن حمید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اوليسلطن الله عليكم شراركم ثم ليدعون خيأركم فلا يستجاب لهم (الدر المنثور ص ۳۰۰ ج ۲)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیک کاموں کا ضرور حکم کرتے رہو اور بُرے کاموں سے لازماً روکتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بدترین لوگوں کو مسلط فرمادیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہ ہونگی“

درمنثور اور جامع صغیر میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

(۸۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حادیث طویل لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی اللہ فانت لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعته رواہ البغوی فی شرح السنہ والبیہقی فی شعب الایمان۔

”تمہیں رزق میں تاخیر ناجائز ذرائع سے کمانے پر ہرگز برا نیگینہ نہ کرے، کیونکہ اللہ کے خزانہ سے اس کو راضی کئے بغیر کچھ نہیں لیا جاسکتا“

(۸۶) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من كانت الآخرة همه جعل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع له شملہ و انتہ الدنیا وہی راغمة ومن كانت الدنیا همه جعل اللہ فقرہ بین عینیہ وفرق علیہ شملہ ولم یأتہ من الدنیا الا ما قدر له۔ رواہ الترمذی۔

”جس کے قلب میں آخرت کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو غنا سے بھر دیتے ہیں“

اور اس کی حاجات پوری فرماتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی آتی ہے، اور جس کے دل میں دنیا کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو فقر و فاقہ سے خوفزدہ رکھتے ہیں اور اس کی حاجات پوری نہیں ہونے دیتے اور دنیا بھی اتنی ہی ملتی ہے جتنی مقدر ہے۔“

(۸۷) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجد تجاھک واذ اسألت فاسأل اللہ واذ استعنت فاستعن باللہ واعلم ان الامة لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء قد کتبہ اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشیء لم یضروک الا بشیء قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وحفت الصحف رواہ احمد والترمذی۔

”اللہ کے احکام کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کریگا، اللہ کے احکام کی حفاظت کر تو اللہ کو ہر حاجت میں سامنے پائے گا، اور سوال کر تو صرف اللہ سے اور مدد طلب کر تو صرف اللہ سے اور یقین رکھ کہ پوری دنیا ملکر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نفع ہرگز نہیں پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیری قسمت میں لکھا ہے، اور اگر پوری دنیا جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیری تقدیر میں لکھا ہے، تقدیر کے قلم چل چکے اور نوشتہ دفتر خشک ہو چکے۔“

(۸۸) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال ربکم عزوجل لو ان عبیدی اطاعونی لاسقیتہم المطر باللیل طلعت علیہم الشمس بالنهار ولما سمعہم صوت الرعد۔ رواہ احمد۔

”اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو رات میں بارش سے سیراب کروں اور دن کو دھوپ نکال دوں اور ان کو بجلی کی آواز نہ سناؤں۔“

(۸۹) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لاعلم ایتہ لو اخذ الناس بھا لکفتمہم ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ رواہ احمد وابن ماجہ۔

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہ ان کو کافی ہو جائے۔“

ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث لا يحتسب،

”جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا“

(۹۰) قال حنظلة الاسلمی بعث ابو بکر خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما الی اهل الردة وامرہ ان یقاتلہم علی خمس خصال فمن ترك واحدة من الخمس قاتلہ شہادة ان لا اله الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلاة وایتاء الزکاة وصیام شهر رمضان وحج البيت (خمیس ص ۲۵۲) ”حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی :

”ان سے پانچ چیزوں پر قتال کریں، کلمہ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔“
یعنی جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کریں۔

(۹۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ”اجنادین“ میں رومیوں سے بہت زبردست جنگ ہوئی، اس میں قصہ ذیل پیش آیا :

عن ابن اسحق لما تراءى العسکران بعث القلنقار رجلاً عربياً فقال له ادخل فی هؤلاء القوم فاقم فیہم یوماً وليلة ثم ائتنی بخبرہم فدخل فی الناس رجلاً عربیاً لا ینکر علیہ فاقام فہم یوماً وليلة ثم اتاہ فقال له ما وراءک فقال له باللیلہ رہبان وبالنہار فرسان ولوسرق ابن ملکهم لقطعوا یدہ ولوزنی لرحم لا قامت الحق فیہم فقال له القلنقار لئن کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء هؤلاء علی ظہرها ولوددت ان اللہ یخلى بینی و بینہم فلا ینصر فی علیہم ولا ینصر ہم علی (خمیس ص ۲۳۵ ج ۲)

”رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کرنے کیلئے جاسوس بنا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک دن رات مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کے حالات کی خبر دے، چونکہ وہ عربی تھا اس لئے ان میں ایک دن رات بے تکلف رہا، اس نے واپس جا کر بتایا :

”یہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن میں شہسوار، یعنی رات بھر اللہ کے سامنے ناک رگڑتے ہیں اور دن بھر گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہیں، اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو حمایت حق کے لئے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں اور زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں“

سپہ سالار نے کہا :

”اگر تو نے سچ کہا ہے تو ایسے لوگوں کے مقابلہ سے موت بہتر ہے۔“

۹۲) فكتب الامراء الى ابى بكر وعمر رضى الله تعالى عنهما يعلمونها بما وقع من الامر العظيم فكتب اليهم ان يجتمعوا وكونوا جندا واحدا والقوا جنود المشركين فانتم انصار الله والله انصر من نصره وخاذل من كفره ولن يؤتى مثلكم عن قلة ولكن من تلقاء الذنوب فاحترسوا منها (البداية والنهاية ص ۵ ج ۷)

”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اُمراء نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ہر قل کی فوج کی زبردست کثرت و قوت کی خبر لکھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

”تم سب مل کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکین کا مقابلہ کرو، تم اللہ تعالیٰ کے انصار ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کی مدد فرماتے ہیں اور نافرمانوں کو ذلیل کرتے ہیں، تم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے، لیکن معاصی میں مبتلا ہونے سے کثرت عدد کے باوجود مغلوب ہو گے، اس لئے معاصی سے بچو۔“

۹۳) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ یرموک میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی کامیابیوں پر مبارک باد لکھی جس کے ساتھ یہ نصیحت بھی تحریر فرمائی:

ولا يدخلنك عجب فتخسر وتخذل واياك ان تدل بعمله فان الله تعالى له المنة وهو ولي الجزاء (خمس ص ۲۲۹ ج ۲)

”تمہارے اندر عجب و غرور ہرگز نہ آنے پائے، اس سے نقصان اٹھاؤ گے اور ذلیل ہو گے، اپنے کسی عمل پر ناز ہرگز نہ کرنا، بلاشبہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا احسان ہے اور وہی جزاء دینے والا ہے۔“

۹۴) قال عمر لعنبة رضى الله تعالى عنهما فاني ارى اوجهك الى ارض الهند فسر على بركة الله واتق الله ما استطعت وحكم بالعدل وصل الصلوة لوقتها واكثر ذكر الله (طبری ص ۹۰ ج ۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنا کر یہ وصیت فرمائی:

”حتی الامکان تقویٰ اختیار کرنا اور انصاف سے فیصلہ کرنا اور نماز کو وقت پر ادا کرنا اور ذکر اللہ کثرت سے جاری رکھنا۔“

⑨۵) فارسل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقد م علیہ فامرہ علی حرب العراق واوصاہ فقال :

یا سعد بن وهیب لا یغرنک من اللہ ان قیل خال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب رسول اللہ فان اللہ عز وجل لا یمحو السیئ بالسیئ نکنہ یمحو السیئ بالحسن فان اللہ لیس بینہ وبين احد نسب الاطاعۃ فالتاس شریفہم ووضیعہم فی ذات اللہ سواء، اللہ رزقہم وھم عبادہ یتفاضلون بالعافیۃ ویدرکون ما عندہ بالطاعۃ فانظر الامر الذی رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الہ وسلم علیہ منذ بعث الی ان فارقنا فالزمہ فانہ الامر ھذا عظمت ایاک ان ترکتها ورغبت عنہا حبط عملک وکنت من الخاسرین ولما اراد ان یسرحہ دعاہ فقال اتی قد ولیتک حرب العراق فاحفظ وصیق فانتک تقدم علی امرشدید کرہ لا یخلص منہ الا الحق فعود نفسك ومن معک الخیر واستفتح بہ، واعلم ان لكل عادة عتادا فعتاد الخیر الصبر فالصبر الصبر علی ما اصابک او ناکب یجتمع لا خشية اللہ واعلم ان خشية اللہ تجتمع فی امرین فی طاعة واجتناب معصیته وانما اطاعہ من اطاعہ ببغض الدنیا وحبب الآخرة و عصاه من عصاه بحب الدنیا وبغض الآخرة وللقلوب حقائق ینشئھا اللہ انشاء منها السر ومنها العلانیۃ فاما العلانیۃ فان یكون حامدہ وذامہ فی الحق سواء واما السر فیعرف بظہور الحکمة من قلبہ علی لسانہ وبمحبة الناس فلا ترھد فی التحبب فان النبیین قد سألوا محبتہم وان اللہ اذا احب عبدا حببہ واذا بغض عبدا بغضہ فاعتبر منزلتک عند اللہ تعالیٰ بمنزلتک عند الناس ممن یشرع معک فی امرک (طبری ص ۴ ج ۳، البدایۃ والنهاية ص ۳۵ ج ۴)

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراق کی جنگ میں امیر شکر بنا کر بھیجا تو ان کو یوں نصیحت فرمائی :

”اے سعد! اس پر غور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے، اس کے ہاں شریف و ذلیل سب برابر ہیں، باہم تفاوت مراتب ہے تو عافیت نفس اور گناہوں سے بچنے میں ہے، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، حضو

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا، یہ میری خاص نصیحت ہے اگر اس کو تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہوگا اور نقصان اٹھاؤ گے۔

تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو جس کی ذمہ داریوں سے خلاصی اتباع حق کے سوا اور کسی صورت میں نہیں ہو سکتی، اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا۔

اللہ کا خوف کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے، اس کی اطاعت میں اور اس کی معصیت سے اجتناب میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی، اور جس نے بھی اللہ کی معصیت کی اس نے دنیا کی محبت اور آخرت سے بغض کی وجہ سے کی۔“

(۹۶) وحید عن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ من سمعہ یقول شہدت عشرين زحفا فلما ارقوا اصاب لوقع السيوف ولا اضر بھما ولا اثبت اقداما من بنی حنیفة یوم الیامۃ انما افرغنا من طلیحة الذاب ولم تکن له شوکة قلت کلمة والبلاء موکل بالقول وما بنو حنیفة ما هی الا کمین لقینا فلقینا قوما لیسوا یشبھون احدا ولقد صبر والنامن حین طلعت الشمس الی صلاة العصر حتی قتل عدو اللہ (خمیس ص ۲۱۶ ج ۲)

”حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

”جب ہم طلیحہ کذاب سے نبٹ کر فارغ ہوئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی اس کے بعد بنی حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے تو میری زبان سے ایک کلمہ عجب نکل گیا، اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے میں نے کہہ دیا :

بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز؟ یہ بھی طلیحہ کی جماعت جیسے ہی ہیں جن سے ہم نبٹ چکے ہیں، مگر جب ہم بنی حنیفہ سے بھرے تو ہم نے دیکھا کہ ان جیسی کوئی جماعت نہیں، طلوع آفتاب سے لے کر نماز عصر تک وہ برابر مقابلے میں ڈٹے رہے اس کے بعد ان کو شکست ہوئی۔“
منہ سے ایسا ایک کلمہ نکل جانے کا یہ اثر ہوا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ نصرت کیسے آ سکتی ہے؟

(۹۷) قال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظہرن اللہ دینہ،

وليهزم من الله عدوه ان لم يكن في الجيش بغى او ذنوب تغلب الحسنات
(البداية والنهاية ص ۶۵ ج ۲)

”حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرورت دیکھا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کرے گا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں۔ یہ پورا قصہ آگے فتح مدائن کے بیان میں آ رہا ہے۔

⑨۸) ونزل سعد رضی اللہ عنہ القادسیة واقام بها شهر الم یأتہ من الفرس احد فارس سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی میسان فطلب غنما وبقرا فلم یقدر علیہا وتحصن منه من هناك فاصاب عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلا یجانب اجمۃ فسأله عن البقر والغنم فقال ما اعلو فصاح ثور من الائمة کذب عدو الله هانحن! فدخل فاستاق البقر فاقبها العسکر، قسمه سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الناس فاخصبوا اياما، فبلغ ذلك الحجاج فی زمانه فارسل الی جماعة فسألهم فشهدوا انهم سمعوا ذلك وشاهدوه، فقال کذبتم، قالوا ذلك ان کنت شهدتها وغبناعنها، قال صدقتم فما کان الناس یقولون فی ذلك، قالوا وانه یستدل بها علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفتح عدونا، فقال ما یكون هذا والجمع ابرار اتقیاء قالوا ما ندی ما اجنت قلوبهم فاما ما رأینا فصار رأینا قطار هذ فی دنیا منهم ولا اشد بغضا لها، لیس فیهم حبان ولا عار ولا غدار، وذلك یوم الابقار (الکامل لابن الاثیر ص ۴۵ ج ۲)

”حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادیسیہ میں ایک ماہ قیام فرمایا شکر کے پاس خورو نو کا سامان نہ رہا تو آپ نے حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسان کی طرف بھیجا، انھوں نے شکر کے خورو نو ش کے لئے کوئی گائے بکری تلاش کی مگر دستیاب نہ ہوئی، اہل فارس کا ایک چرواہا ایک بن کے پاس ملا، اس سے دریافت کیا کہ کوئی گائے بکری مل سکتی ہے؟ اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں۔ بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی:

”کذب عدو الله هانحن“

”اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہم یہاں موجود ہیں“

عاصم بن میں جا کر اس کو پکڑ لائے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو شکر پر

تقسیم کیا، لوگوں نے کئی دن خوب کھایا۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کے سامنے اس قصہ کا تذکرہ آیا، اس نے لوگوں کو بلا کر اس کی تصدیق کی، حجاج نے کہا:

”لوگ اس واقعہ سے متعلق کیا خیال کرتے تھے“

انہوں نے کہا:

”لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات ان کے ہمرکاب ہیں“

حجاج نے کہا:

”یہ جب ہو سکتا ہے کہ پورا لشکر صالح و متقی ہو“

لوگوں نے کہا:

”لشکر کے دلوں کی بات تو ہمیں معلوم نہیں، لیکن ظاہر میں ہم نے جو کچھ دیکھا وہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے کوئی نہیں دیکھا، ان میں کوئی بزدل اور کوئی شریر اور کوئی غدار نہ تھا“

(۹۹) وقد سأل (هرقل) رجلاً ممن اتبعه كان قد اسر مع المسلمين، فقال اخبرني عن هؤلاء القوم، فقال اخبرك كأنك تنظر اليهم هم فرسان بالنهار رهبان بالليل، لا يأكلون في ذمتهم الا بتمن، ولا يدخلون الا بسلام، يقفون على من حاربوه حتى يأثروا عليه، فقال لئن كنت صدقتني ليملكن موضع قدمي هاتين (البدایة والنہایۃ ص ۵۷ ج ۲، طبری ص ۹۹ ج ۳)

ایک شخص مسلمانوں کی قید سے نکل کر ہرقل کے پاس پہنچا تو ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے، اس نے کہا:

”یہ لوگ دن میں شہسوار ہیں رات میں راہب، ذمیوں سے بھی کوئی چیز بلا قیمت نہیں لیتے، ایک دوسرے سے جب بھی ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں، جنگ میں جب تک دشمن پر غالب نہیں آجاتے میدان نہیں چھوڑتے“

ہرقل نے کہا:

”اگر تو نے سچ بتایا ہے تو وہ اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے“

یہاں صرف وہ آیات و احادیث و آثار نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے جو بلا قصد استقصاء صرف سرسری توجہ سے ذہن میں آگئیں، ورنہ اس مضمون کی سب آیات و احادیث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد بن جائے۔

ان میں سے بعض میں فوز و صلاح کے لئے صراحتاً شرط تقویٰ مذکور ہے اور بعض میں مقتضیات تقویٰ، یعنی ایمان باللہ، تعلق مع اللہ، توکل علی اللہ، صبر و استقامت وغیرہ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے جن حضرات نے ہر فیصلہ اور ہر اقدام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پیش نظر رکھا اور قادر مطلق کے قانون اور اس کی رضا جوئی کو ہر سیاست و مصلحت پر مقدم رکھا، اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلہ اور ہر قدم پر ان کو فتح و نصرت سے ہمکنار و کامران فرمایا اور تمام تر اسباب ظاہرہ کے سراسر خلاف ایسے ذرائع سے مدد فرمائی جن کو اہل دنیا کی عقل ناممکن سمجھتی ہے، بطور مثال اس قسم کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں :

① عن ابن المنکدر ان سفینۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخطأ الجیش بارض الروم واسر فانطلق ہاربا یلتمس الجیش فاذا ہوا بالاسد فقال یا ابا الحرث انا مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان من امری کیت و کیت فاقبل الاسد لہ بصبصۃ حتی قام الی جنبہ کلما سمع صوتا ہوی الیہ ثم اقبل یمشی الی جنبہ حتی بلغ الجیش ثم رجع الاسد، رواہ فی شرح السنۃ (مشکوۃ ص ۵۴)

”حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں لشکر سے بچھڑ گئے، یا قید سے چھوٹ کر بھاگے، اچانک ایک شیر سامنے آگیا، انھوں نے اس سے فرمایا :

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، لشکر سے بچھڑ گیا ہوں۔“ وہ شیر دم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا، جہاں کہیں کوئی خطرہ کی آواز سنتا وہ اس طرف جھپٹتا، اس سے نمٹ کر پھر ان کے ساتھ چلنے لگتا، حتیٰ کہ ان کو لشکر تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔“

② خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت عقبہ بن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح افریقہ کے بعد مصالح جہاد کے پیش نظر وہاں ایک نیا شہر ”قیروان“ بسایا، اس شہر کی بنیاد کا قصہ یہ ہے :

فجمع عقبہ حینئذ اصحابہ وقال : ان اهل هذه البلاد قوم لاخلق لهم، اذا
عضم السيف اسلموا واذا رجع المسلمون عنهم عادوا الى عادتهم ودينهم، ولست
ارى نزول المسلمين بين اظهرهم رأيا، وقد رأيت ان ابني ههنا مدينة يسكنها
المسلمون، فاستصوبوا رأيه فجاؤوا الى موضع القيروان وهي في طرف البر وهي
اجمة عظيمة وغيضة لا يشقها الحيات من تشابك اشجارها، وقال انما اخترت
هذا الموضع لبعده من البحر لئلا تطرقها مراكب الروم فتهلكها وهي في وسط البلاد،
ثم امر اصحابه بالبناء فقالوا :

هذه غياض كثيرة السباع والهوام فنخاف على انفسنا هنا، وكان عقبه
مستجاب الدعوة فجمع من كان في عسكره من الصحابة رضى الله تعالى عنهم
وكانوا ثمانية عشر ونادى : ايتها الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول الله صلى الله
عليه وسلم، فارحلوا عنا فاننا نازلون فمن وجدناه بعد قتلنا، فنظر الناس
يومئذ الى امرهائل، كان السبع يحمل اشباله والذئب يحمل اجراءه والحية تحمل
اولادها وهم خارجون اسرابا اسرابا فحمل ذلك كثيرا من البربر على الاسلام
ثم اختط دار الامارة واختط الناس حوله واقاموا بعد ذلك اربعين عاما لا
يرون فيها حيية ولا عقربا، (معجم البلد ان ص ۲۲۰ ج ۴)

”حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فوجیوں نے کہا :

”یہاں درندے اور سانپ بچھو وغیرہ موذی جانور بہت ہیں، اس لئے ہمیں یہاں
ٹھہرنے میں خطرہ ہے۔“

حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کو جمع کیا جو اٹھارہ تھے، پھر اعلان کیا :

”اے زمین کے اندر رہنے والے موذی جانور اور درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب ہیں، یہاں رہنا چاہتے ہیں، اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد
تم میں سے جس کو بھی ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔“

سو لوگوں نے خوفناک منظر دیکھا کہ شیر، بھیڑیے اور سانپ اپنے بچوں کو اٹھائے
غول درغول بھاگے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر دشمن کی قوم ”بربر“ کے بہت سے لوگ

مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد یہ حضرات وہاں چالیس سال رہے، اس عرصہ میں انھوں نے وہاں نہ کوئی سانپ دیکھا نہ بچھو۔

(۳) ذکر فتح المدائن و ملک کسری :

لما فتح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نهر شير واستقر بها، وذلك في صفة لم يجد فيها احدا ولا شيئا مما يغتم، بل قد تحولوا بكما هم الى المدائن وركبوا السفن وضموا السفن اليهم، ولم يجد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شيئا من السفن وتعذر عليه تحصيل شيء منها بالكلية، وقد زادت دجلة زيادة عظيمة واسود ماؤها، ورمت بالزبد من كثرة الماء بها، واخبر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بان كسرى يزدرج رعاظم على اخذ الاموال والامثلة من المدائن الى حلوان، وانذره ان لم تدركه قبل ثلاث فوات عليك وتفارط الامر، فخطب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ المسلمين على شاطئ دجلة، فحمد الله واشتني عليه وقال ان عدوكم قد اعتصم منكم بهذا البحر فلا تخلصون اليهم معه، وهم يخلصون اليكم اذا شاؤا فينا وشئونكم في سفنهم، وليس وراءكم شيء تخافون ان تؤتوا منه، وقد رأيت ان تبادروا جهاد العدو وبنيتكم قبل ان تحصركم الدنيا، الا اني قد عزميت على قطع هذا البحر اليهم، فقالوا جميعا: عزم الله لنا ولك على الرشدا فافعل، فعند ذلك ندب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس الى العبور ويقول: من يريد أفيحي لنا الفراض - يعني ثغرة المخاضة من الناحية الاخرى - ليجوز الناس اليهم آمنين، فانتدب عاصم بن عمرو وذوالبأس من الناس قريب من ستمائة فامر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عليهم عاصم بن عمرو فوقفوا على حافة دجلة فقال عاصم: من ينتدب معي لتكون قبل الناس دخولا في هذا البحر فنحني الفراض من الجانب الآخر؟ فانتدب له ستون من الشجعان المذكورين - والاعاجم وقوف صقفا من الجانب الآخر - فتقدم رجل من المسلمين وقد احجم الناس عن الخوض في دجلة، فقال: اتخافون من هذه النطقة؟ ثم تلا قوله تعالى: "وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله كتابا مؤجلا" ثم اقم فرسه فيها واقتحم الناس، وقد افترق الستون فرقتين اصحاب

الخیل للذکور : واصحاب الخیل الاناث ، فلما رأهم الفرس یطفون علی وجه الماء قالوا : دیوانا دیوانا ، یقولون عجائز عجائز ، ثم قالوا : واللہ ما تقاتلون انساناً بل تقاتلون جنّاً ، ثم ارسلوا فرساناً منهم فی الماء یدلقون اول المسلمين لیمنعوه من الخروج من الماء ، فامر عاصم بن عمرو واصحابه ان لیشعروا لهم الرماح و ینقخوا الاعین ، ففعلوا ذلك بالفرس فقلعوا عیون خیولهم ، فرجعوا امام المسلمين لا یملكون کف خیولهم حتی خرجوا من الماء واتبعهم عاصم واصحابه فساقوا وراءهم حتی طردوهم عن الجانب الآخر ، ووقفوا علی حافة الدجلة من الجانب الآخر ونزل بقیة اصحاب عاصم من الستمائة فی دجلة فخاضوها حتی وصلوا الی اصحابهم من الجانب الآخر فقاتلوا مع اصحابهم حتی نفوا الفرس عن ذلك الجانب وكانوا یسمون الکتیبة الاولى کتیبة الاهوال ، وامیرها عاصم بن عمرو ، والکتیبة الثانية الکتیبة الخرساء وامیرها القعقاع بن عمرو ، وهذا کله وسعد والمسلمون ینظرون الی ما یصنع هؤلاء الفرسان بالفرس ، وسعد رضی اللہ تعالیٰ عنه واقف علی شاطئ دجلة ، ثم نزل سعد ببقیة الجيش ، وذلك حین نظروا الی الجانب الآخر قد تحصن بمن حصل فیہ من الفرسان المسلمين ، وقد امر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنه المسلمين عند دخول الماء ان یقولوا :

” نستعین باللہ ونتوکل علیہ ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم “

ثم اقتحم بفرسه دجلة واقتحم الناس لم یتخلف عنه احد ، فساروا فیها كأنما یسیرون علی وجه الارض حتی ملؤا ما بین الجانبین ، فلا یرى وجه الماء من الفرسان والرجال ، وجعل الناس یتحدثون علی وجه الماء كما یتحدثون علی وجه الارض ، وذلك لما حصل لهم من الطمانینۃ والامن ، والوثوق بامر اللہ ووعده ونصره وتأییده ، ولان امیرهم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنه احد العشرة المشهود لهم بالجنة ، وقد توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو عنہ راض ، ودعاه ، فقال :

” اللہم اجب دعوتہ ، وسد درمیتہ “

والمقطوع به ان سعداً دعا لجيشه هذا في هذا اليوم بالسلامة والنصر، وقد رمى بهم في هذا اليم فسد دهم الله وسلمهم، فلم يفقد من المسلمين رجل واحد غير ان رجلاً واحداً يقال له غرقدة البارقى، زل عن فرس له شقراء، فاخذ القعقاع بن عمرو وبلجامها، واخذ بيد الرجل حتى عد له على فرسه، وكان من الشجعان، فقال: "عجز النساء ان يلدن مثل القعقاع بن عمرو"

ولم يعدم للمسلمين شىء من امتعتهم غير قدح من خشب لرجل يقال له مالك بن عامر، كانت علاقته رشة فاخذه الموج فدعا صاحبه الله عز وجل، وقال: "اللهم لا تجعلنى من بينهم يذ هب متاعى"

فردة الموج الى الجانب الذى يقصدونه فاخذوا الناس ثم ردوه على صاحبه بعينه، وكان الفرس اذا اعيأ وهو فى الماء يقيض الله له مثل النشتر المرتفع فيقف عليه فيستريح، وحتى ان بعض الخيل ليسير وما يصل الماء الى حزامها، وكان يوماً عظيماً وامراً هائلاً، وخطيباً جليلاً، وخارقاً باهراً، ومعجزة لرسول الله صلى الله عليه وسلم خلقها الله لا صحابه لم ير مثلهما فى تلك البلاد، ولا فى بقعة من البقاع، سوى قضية العلاء بن الحضرمي المتقدمة، بل هذا اجل واعظم، فان هذا الجيش كان اضعاف ذلك، قالوا: وكان الذى يسير سعد بن ابى وقاص فى الماء سلمان الفارسي، فجعل سعد رضى الله تعالى عنه يقول:

"حسبنا الله ونعم الوكيل، والله لينصرن الله وليه وليظهرن الله دينه، وليهن من الله عدوه، ان لم يكن فى الجيش بغى او ذنوب تغلب الحسنات"

فقال له سلمان:

"ان الاسلام جديد، ذلت لهمم والله البحور كما ذلك لهمم البر، اما والذى نفس سلمان بيده ليخرجن منه افواجا كما دخلوا افواجا"

فخرجوا منه كما قال سلمان لم يغرق منهم احد، ولم يفقدوا شيئاً -

ولما استقل المسلمون على وجه الارض خرجت الخيول تنفض اعرافها صاهلة، فساقوا وراء الاعاجم حتى دخلوا المدائن، فلم يجدوا بها احداً، بل قد اخذ كسرى اهلها وما قد روا عليه من الاموال والامتعة والحواصل وتركوا ما عجزوا عنه من

الانعام والثياب والمتاع ، والأثنية والالطاف والادهان ما لا يدري قيمته، وكان في خزنة كسرى ثلاثة آلاف الف الف دينار ثلاث مرات فاخذوا من ذلك ما قدروا عليه وتركوا ما عجزوا عنه وهو مقدار النصف من ذلك او ما يقارب، فكان أول من دخل المدائن كتيبة الاهوال ثم الكتيبة الخرساء، فاخذوا في سكرها لا يلقون احدا ولا يخشونه غير القصر الابيض ففیه مقاتلة وهو محصن -

فلما جاء سعد رضي الله تعالى عنه بالجيش دعا اهل القصر الابيض ثلاثة ايام على لسان سلمان الفارسي، فلما كان اليوم الثالث نزلوا منه وسكنه سعد واتخذ الايوان مصلى، وجين دخله تلا قوله تعالى :

”كم تركوا من جنات وعيون وزروع ومقام كريم، ونعمة كانوا فيها فاكهين
كذلك واورثناها قوماً اخرين“

ثم تقدم الى صدره فصلى ثمان ركعات صلاة الفتح، وذكر سيف في روايته انه صلاها بتسليمة واحدة وان جمع بالايوان في صفر من هذه السنة فكانت اول جمعة جمعت بالعراق، وذلك لان سعد رضي الله تعالى عنه نوى الاقامة بها، وبعث الى العيالات فانزلهم دورا لمدائن واستوطنوها، حتى فتحو اجلولاء وتكريت والموصل، ثم تحولوا الى الكوفة بعد ذلك كما سندا كره، ثم ارسل السرايا في اثركسرى يزددجرد فلاحق بهم طائفة فقتلوهم وشردوهم واستلبوا منهم اموالا عظيمة، واكثر ما استرجعوا من ملابس كسرى وتاجه وحليته، وشرع سعد رضي الله تعالى عنه في تحصيل ما هنالك من الاموال والحواصل والتحفة مما لا يقوم ولا يحصى ولا يوصف كثرة وعظمة، وقد روينا انه كان هناك تماثيل من جص فنظر سعد رضي الله تعالى عنه الى احدها واذا هو يشير باصبعه الى مكان، فقال سعد : ان هذا الموضع هكذا سدى فاخذوا ما يسامت اصبعه فوجدوا قبالتها كنزا عظيما من كنوز الاسرة الاولى، فاخرجوا منه اموالا عظيمة جزيلة، وحواصل باهرة وتحفا فاخرة واستحوذ المسلمون على ما هنالك اجمع مما لم ير احد في الدنيا العجب منه، وكان في جملة ذلك تلج كسرى وهو مكلل بالجواهر النفيسة التي تحير الابصار، ومنطقة كذلك وسيفه وسواره وقباؤه وبساط ايوانه، وكان مربعا ستون ذراعا في مثلها من كل جانب، والبساط

مثله سواء، وهو منسوج بالذهب واللائى والجواهر الثمينة، وفيه مصور جميع ممالك
كسرى، بلاحة بانهارها وقلاعها، واقاليمها، وكنوزها، وصفة الزروع والاشجار
التي في بلاده، فكان اذا جلس على كرسى مملكته ودخل تحت تاجه، وتاجه معلق
بسلاسل الذهب، لانه كان لا يستطيع ان يقله على رأسه لثقله، بل كان يحى فيجلس
تحتة ثم يدخل رأسه تحت التاج وسلاسل الذهب تحمله عنه، وهو يستره حال
لبسه، فاذا رفع الحجاب عنه خرت له الامراء سجودا - وعليه المنطقة والسواران
والسيف والقباء المرصع بالجواهر فينظر في البلد ان واحدة واحدة، فيسأل عنها
ومن فيها من النواب، وهل حدث فيها شىء من الحوادث؟ فيخبره بذلك
ولاة الامور بين يديه - ثم ينتقل الى الاخرى، وهكذا حتى يسأل عن احوال بلاده
في كل وقت لا يمهمل امر المملكة، وقد وضعوا هذا البساط بين يديه تذكارا له
بشأن الممالك وهو اصلاح جيد منهم في امر السياسة فلما جاء قد رآه الله زالت
تلك الايدي عن تلك الممالك والاراضى وتسلب المسلمون من ايديهم قسرا،
وكسروا شوكتهم عنها واخذوها بامر الله صافية ضافية، والله الحمد والمنة
(البداية والنهاية ص ۶۷ ج ۷، طبري ص ۱۱۹ ج ۳)

”کسریٰ تک پہنچنے میں دریائے دجلہ حائل تھا، امیر شکر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کو انتہائی کوشش کے باوجود کوئی کشتی نہ مل سکی، ادھر دجلہ میں بہت زبردست طوفان
بپا تھا، بہت ہولناک موجوں کے تصادم سے دریا جھاگ پھینک رہا تھا، پانی بالکل
سیاہ نظر آ رہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دجلہ کے کنارے پر اپنے لشکر سے
خطاب فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا :

”دشمن تک پہنچنے کے لئے اس دریا کو عبور کئے بغیر کوئی راستہ نہیں، میں نے اس سمندر
کو قطع کر کے دشمن تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

پورے لشکر نے اس فیصلہ کا پر جوش خیر مقدم کیا، آپ نے حکم دیا :

”دریا میں گھوڑے ڈال دو“

دشمن نے یہ نظر دیکھا تو چلانے لگے : ”دیوانے دیوانے“

پھر آپس میں کہنے لگے :

”تم انسانوں سے قتال نہیں کر رہے، تمہارے مقابلہ میں جنات ہیں“
 دریا میں گھوڑے اتارتے وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو یہ کلمات
 کہنے کا حکم دیا :

”نستعین باللہ ونتوکل علیہ ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل ، ولا حول ولا قوۃ الا
 باللہ العلیّ العظیم“

پھر آپ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا، ساتھ ہی پورے لشکر نے بھی بے دھڑک دریا میں
 اپنے گھوڑے ڈال دیے، ایک شخص نے دریا میں گھوڑا ڈالتے وقت کہا :

”اس نطفہ سے ڈرتے ہو؟“

پھر اس نے یہ آیت پڑھی :

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا (۳ - ۱۲۵)

”اور اللہ کے حکم کے بغیر کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں، اسکی معین میعاد لکھی رہتی ہے“
 دریا میں ایسے اطمینان سے باہم باتیں کرتے جا رہے تھے جیسے زمین پر چل رہے ہوں، اگر
 کوئی گھوڑا تھک جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے دریا میں ٹیلہ بلند فرما دیتے، وہ اس پر
 رُک کر تازہ دم ہو کر پھر دریا میں چلنے لگتا، دریا کے سفر میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 فرما رہے تھے :

”حسبنا اللہ ونعم الوکیل ، واللہ لینصرت اللہ ولیّہ ، ولیظہرن اللہ دینہ ،
 ولیہزن من اللہ عدوہ ، ان لو یکن فی الحیش بغی او ذنوب تغلب الحسنات“

”اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرورت مدد کرے گا اور اپنے دین کو ضرور غالب
 کرے گا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کرے گا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ
 غالب نہ ہو جائیں“

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پورا لشکر صحیح سلامت دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گیا،
 گھوڑے دریا سے نکلے تو پھریریاں لیکر اپنی گردنوں کے بال جھاڑ رہے تھے اور مستی سے
 ہنہنا رہے تھے ۔

لشکر مدائن میں داخل ہوا تو اس کو بالکل خالی پایا، کسریٰ اپنی فوج سمیت وہاں سے
 بھاگ گیا تھا، مسلمانوں نے بے حد و حساب بے بہا خزانے پائے“

وبعث ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الى البحرين
الى اهل الردة ، وفي حياة الحيوان بعث العلاء الحضرمی الى البحرين فسلکوا مفازة
وعطشوا عطشا شديدا حتى خافوا الهلاك فنزل وصلى ركعتين ثم قال يا حليم يا
عليم يا علي يا عظيم اسقنا فجاءت سحابة كأنها جناح طائر فقعقت عليهم وامطرت
حتى ملأوا الأنية وسقوا الركاب قال ثم انطلقنا حتى اتينا دارين والبحر بيننا وبينهم
وفي رواية اتينا على خليج من البحر ما خيض فيه قبل ذلك اليوم ولا خيض بعد فلم نجد
سفنا وكان المرتدون قد احرقوا السفن فصلى ركعتين ثم قال يا حليم يا عليم يا علي يا
عظيم اجزنا ثم اخذ بعنان فرسه ثم قال جوزوا بسم الله ، قال ابو هريرة رضی اللہ عنہ
فمشينا على الماء فوالله ما ابتل لنا قدم ولا خف ولا حافر وكان الجيش اربعة آلاف ،
وفي رواية وكان البحر مسيرة يوم وسخرهجر ، وفي الاكتفاء سار العلاء الحضرمی
الى الخط حتى نزل على الساحل فجاءه نصراني فقال له مالي ان دللتك على مخاضة
تخوض منها الخيل الى دارين قال وما تسألني قال اهل بيت دارين قال هم
لك فحاض به وبالخيل اليهم فظهر عليهم عنوة وسبى اهلها ثم رجع الى عسكره ،
وقال ابراهيم بن ابي حبيبة حبس لهم البحر حتى خاضوا اليهم وجاوزة العلاء واصحابه
مشيا على ارجلهم وكانت تجري فيه السفن قبل شرجت فيه بعد فقاتلهم فافقره الله
بهم وسلموا له ما كانوا منعوا من الجزية التي صالحهم عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم
ويروى انه كان للعلاء بن الحضرمي ومن كان معه جوار الى الله تعالى في خوض هذا
البحر فاجاب الله دعاءهم وفي ذلك يقول عفيف بن المنذر وكان شاهدا معهم
الم تر ان الله ذلل بحره
دعانا الذي شق البحار فجاءنا
وانزل بالكفار احدي الجلائل
باعظم من فلق البحار الاوائل

(خميس ص ۲۲۱ ج ۲)

” حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین سے جہاد کے لئے حضرت علاء رضی اللہ عنہ کو امیر شکر بنا کر بحرین کی طرف بھیجا ، ایک خشک میدان پر گزر ہوا ، لوگ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ، حضرت علاء رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے دو رکعتیں پڑھیں ، پھر یہ دُعا کی :

سیاست اسلامیہ ————— ۴۷

”یا حلیم یا علیم یا علیٰ یا عظیم اسقنا“

ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً اس زور سے برساکہ سب نے پیا، برتنوں کو بھریا
رسواریوں کو پلایا، یہاں سے نیٹ کر دشمن کے تعاقب کے لئے دارین کا قصد کیا، وہاں پہنچنے
ے لئے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، سمندر ایسا زبردست تھا کہ اس میں کبھی بھی کوئی نہ اس سے
پہلے داخل ہو سکا نہ بعد، مرتدین نے کشتیاں بھی جلا ڈالی تھیں تاکہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کر سکیں
حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر دعا کی :

”یا حلیم یا علیم یا علیٰ یا عظیم اجزنا“

پھر گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے اور شکر سے فرمایا :
”اللہ کا نام لے کر کود جاؤ“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

”ہم پانی پر چل رہے تھے، اللہ کی قسم ! نہ ہمارا قدم بھیگا نہ موزہ بھیگا نہ گھوڑوں کے
شکم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا“

بعض روایات میں ہے کہ یہ سمندر ایک دن کی مسافت تھا۔

عفیف بن منذر اس جہاد میں شریک تھے انھوں نے اس بارے میں دو شعر کہے جن

کا ترجمہ یہ ہے :

”کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کر دیا، اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔

ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو ساکن کر دیا تھا، اس نے

ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا“

⑤ اوپر نمبر ۲۸ میں بیل کا قصہ

اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واضح
ارشادات اور مذکورہ واقعات سے ثابت ہوا کہ کامیابی کا صحیح طریقہ صرف یہی ہے کہ سیاست
میں صرف مشروع و جائز طریقہ اختیار کئے جائیں، پھر اگر صورت کامیابی نہ بھی ہوئی تو حقیقی
کامیابی یعنی رضائے الہی تو بہر حال حاصل ہے، اور انسان مکلف بھی اسی کا ہے کہ جائز
اسباب اختیار کرے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ پھر خواہ غالب ہو یا مغلوب، ظاہراً
کامیاب ہو یا ناکام بہر صورت عند اللہ کامیاب ہے۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کافر نے اچانک نیزہ مارا، خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، آپ نے ہاتھ میں خون لیکر چہرے پر ملا اور فرمایا: فزت ورب الکعبۃ، رُب کعبۃ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

دیکھئے بظاہر نا کام ہونے کے باوجود خود کو کامیاب سمجھ رہے ہیں۔
قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيَهُ أَجْرًا عَظِيمًا (۴-۷۴)
قُلْ هَلْ تَرَوْنَ بَنَاءَ الْإِسْلَامِ الْحَسَنِينَ ط (۹-۵۲)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعَدًا عَلٰی حَقّٰی التَّوْرَةِ وَالْاَنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ط (۹-۱۱۱)

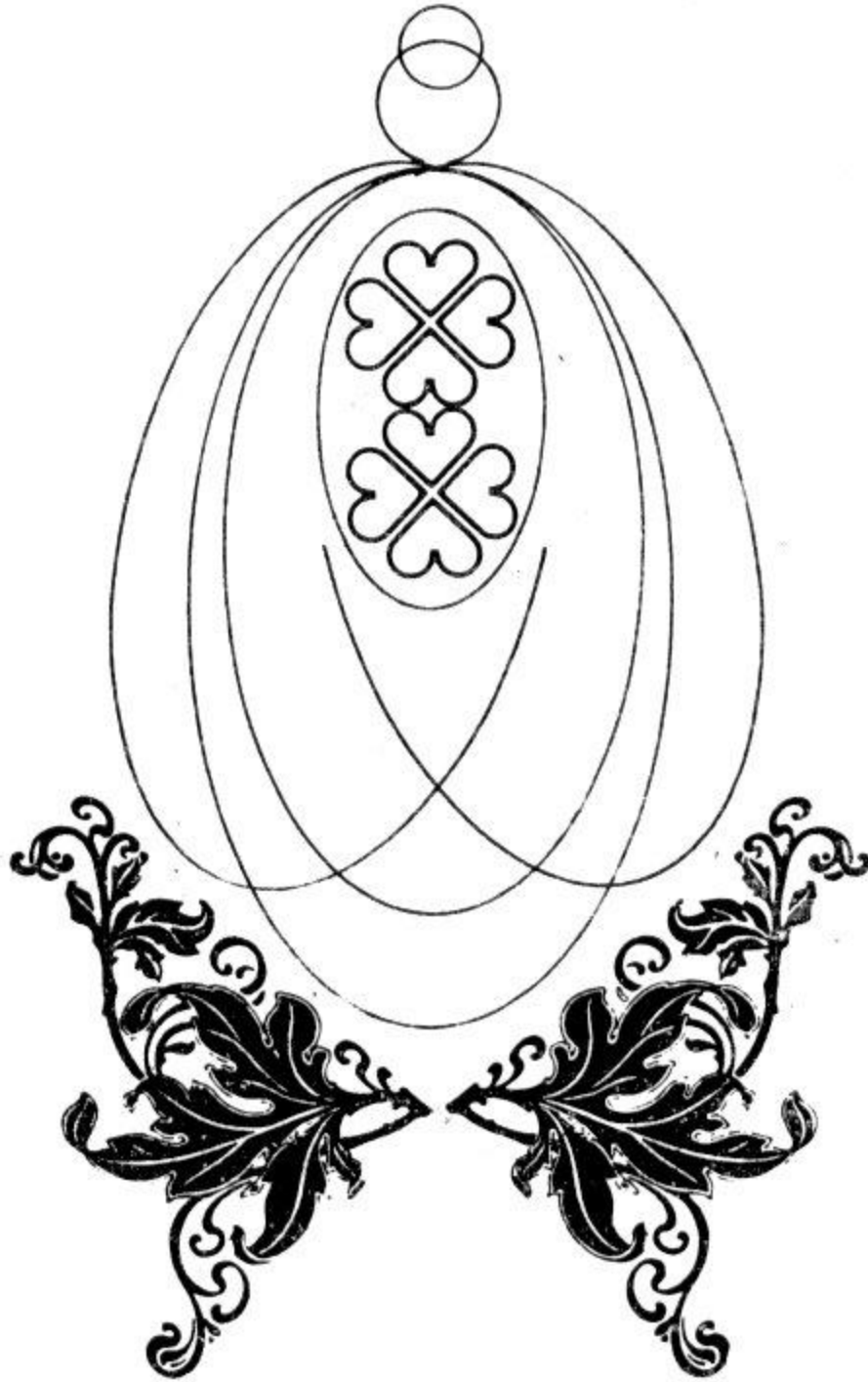
ان نصوص میں ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جہاد کرتے ہیں ظاہر کامیاب ہوں یا نا کام دونوں صورتوں میں بشارتیں ہیں اس لئے کہ اصل مقصد یعنی رضائے الہی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حدود کی پابندی اور ان کے قوانین پر استقامت کی صورت میں زندہ رہیں یا مرجائیں بہر صورت کامیابی ہی کامیابی ہے۔

زندہ کئی عطا کئے تو دریکبشی فدائے تو ۛ دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کئی رضائے تو
قرآن مجید میں جگہ جگہ فلاح و فوز کی بشارتیں اور کامیابی کے تمغے صرف ان لوگوں کو عطا کئے گئے ہیں جو ہر حال میں اپنے مالک کی بیان فرمودہ حدود پر قائم رہتے ہیں۔ اولئک ہم المفلحون — اولئک ہم الفائزون — قد افلح المؤمنون۔ الایات — اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ الایۃ

اس قسم کی متعدد آیات میں ہر حالت میں فرمانبردار بندوں کو کامیاب بتایا گیا ہے، خواہ بظاہر وہ نا کام ہی کیوں نہوں۔ اصل کامیابی رضائے مالک کی تحصیل ہے جو صرف اسکی اطاعت اور ترک معصیت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اگر ظاہری کامیابی ہی کو مقصد سمجھ لیا جائے تو اس پر لازم آئیگا کہ معاذ اللہ! بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کامیاب نہیں ہوئے، اسلئے کہ ان کو حکومت نہیں ملی، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض نبی ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان پر صرف ایک شخص ایمان لایا اور بعض پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا، اور قرآن کریم میں کئی مقامات میں تصریح ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل

کر دیا گیا، تو کیا معاذ اللہ! یہ سب ناکام رہے؟ ہرگز نہیں، بس کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ تحصیلِ رضائے مولیٰ کی خاطر اس کے بتائے ہوئے قواعد و ضوابط پر ثابت قدم رہے و فقنا اللہ الجميع لما يحب ويرضى، وهو العاصم من جميع الفتن، وله الحمد اذ لا ولن خرا۔

۲۴ رمضان ۹۷ ہجری



حکیم الامت محمد تقی کے سیاسی افکار

— تحری مولانا محمد تقی عثمانی —

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے میں جو عظیم خدمات لیں ان کی نظیر ماضی کی کئی صدیوں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی دینی ضرورت کا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا کوئی مفصل یا مختصر کام موجود نہ ہو۔ حضرت حمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف، مواعظ اور ملفوظات اپنے دور کی دینی ضروریات پر مشتمل ہیں اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں دین کی تعلیمات کو انھوں نے کسی نہ کسی شکل سے واضح کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

اس وقت میرے پیش نظر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سیاسی افکار کی تشریح و توضیح ہے۔ اگرچہ حضرت حمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی بھی حیثیت سے کوئی سیاسی شخصیت نہیں تھی اور نہ سیاست آپ کا خصوصی موضوع تھا، لہذا آپ کی کوئی تصنیف خالصتہ سیاست کے موضوع پر موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ اسلام کے احکام دین کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست سے بھی متعلق ہیں اس لئے اسلامی احکام کی تشریح و وضاحت کے ضمن میں حضرت حمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی احکام پر بھی اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں مختصر مگر جامع بحثیں فرمائی ہیں جن میں اسلامی احکام کی توضیح کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے دوسرے سیاسی نظاموں اور سیاست کے میدان میں پائی جانے والی فکری اور عملی گمراہیوں پر بھی بھرپور تبصرے شامل ہیں۔ اس مقالے میں انہی بحثوں کا ایک ایسا مطالعہ مقصود ہے جس کے ذریعے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بیان کے مطابق سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک واضح تصور ابھر کر سامنے آسکے۔

آج کی دنیا میں جو سیاسی نظام عملاً قائم ہیں، ان کے کئے ہوئے تصورات لوگوں

کے دل و دماغ پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ ان کے اثرات سے اپنی سوچ کو آزاد کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے، ان سیاسی نظاموں نے کچھ چیزوں کو اچھا اور کچھ کو بُرا قرار دیکر اپنے ان نظریات کا پروپیگنڈا اتنی شدت کے ساتھ کیا ہے کہ لوگ اس کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اول تو اس لئے کہ پروپیگنڈے کی مہیب طاقتوں نے ذہن ہی ایسے بنادئیے ہیں کہ انھوں نے ان نظریات کو ایک مسلم سچائی کے طور پر قبول کر لیا ہے اور دوسرے اس لئے کہ اگر کوئی شخص عقلی طور پر ان نظریات سے اختلاف بھی رکھتا ہو تو ان کے خلاف کچھ بولنا دنیا بھر کی ملامت اور طعن و تشنیع کو دعوت دینے کے مترادف ہے لہذا وہ خاموشی ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔

اس بنا پر جب آج کی دنیا میں اسلام کی سیاسی تعلیمات کی تشریح کی جاتی ہے تو اچھے اچھے لوگ، جن میں بہت سے علماء بھی داخل ہیں، اپنے ذہن کو زلزلے کے ان فیشن ایبل تصورات سے آزاد نہیں کر پاتے، اور اس کے نتیجے میں جب وہ اسلام کے مطلوب سیاسی ڈھانچے کی تفصیلات بیان کرتے ہیں تو ان تصورات کو مستعار لے کر اس ڈھانچے میں فٹ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، اس طرح اس نازک موضوع پر التباس اور خلط مبحث کی اتنی تہیں چڑھتی چلی گئی ہیں کہ حقیقت حال چھپ کر رہ گئی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے چودہویں صدی میں دین کی تجدید کا عظیم الشان کام لیا، اور یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس پر قرآن و سنت اور مآخذ شریعت کا پختہ رنگ اس طرح چڑھا ہوا ہو کہ کوئی دوسرا رنگ اس پر نہ چڑھ سکے۔ ایسا شخص زمانے کو جانتا ضرور ہے، لیکن قبول وہی بات کرتا ہے جو اس پختہ رنگ کے مطابق ہو۔ وہ اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھتا ہے، لیکن گرد و پیش میں ہونے والے پروپیگنڈے کے شور و شغب سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض ساری دنیا کسی ایک سمت میں چلی جائے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے اسی بات پر ڈٹا رہتا ہے جو مآخذ شریعت کی رو سے سچی اور کھری ہو اور اس کے اظہار میں کوئی مرعوبیت یا شرم یا مخلوق کا خوف اس کے آڑے نہیں آتا۔

سیاست کے معاملے میں بھی حکیم الامت قدس سرہ نے دین کی صراط مستقیم پر اسی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا، اور اس دور میں جب بہت سے باطل نظریات کی آمیزش نے

سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو دھندلا کر دیا تھا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے ان تعلیمات کو اپنی صحیح شکل و صورت میں پیش کیا اور پروپیگنڈے کے کسی شور و شغب سے مرعوب نہیں ہوئے۔

چونکہ آجکل کی سیاست (جس میں وہ سیاست بھی داخل ہے جس کا مقصد اسلام کا نفاذ بتایا جاتا ہے) ایک خاص بُخ پر چل رہی ہے، اور اس میں بعض باتوں کو اصول موضوعہ کے طور پر اس طرح مسلم سمجھ لیا گیا ہے کہ ان کے خلاف کا تصور ہی ذہنوں میں نہیں آتا، اسلئے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ سیاسی افکار ان سیاسی ذہنوں کو یقیناً اچنبھے محسوس ہوں گے جو بنیادی طور پر مغربی انداز سیاست سے متاثر ہیں لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ افکار آپ کے ذاتی افکار نہیں ہیں، بلکہ ان کی بنیاد قرآن و سنت اور خلافت راشدہ کے طرز عمل پر ہے اور ان کے پیچھے نقلی اور عقلی دلائل کی مضبوط طاقت ہے، اس لئے ان کا مطالعہ اور ان پر ٹھنڈے دل اور غیر جانبدار ذہن سے غور کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار کو میں تین حصوں میں منقسم کر کے پیش کرنا چاہتا ہوں:

- ① اسلام میں سیاست کا مقام۔
- ② اسلام کا نظام حکومت اور حکومت کے فرائض۔
- ③ اسلام میں سیاسی جدوجہد کا طریق کار۔

① اسلام میں سیاست کا مقام :

سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دین میں سیاست کا مقام کیا ہے؟ اور دین میں ایک صحیح سیاسی نظام کے قیام کی اہمیت کس درجے میں ہے؟ عیسائیت کا یہ باطل نظریہ بہت مشہور ہے۔

”قیصر کا حق قیصر کو دو، اور کلیسا کا حق کلیسا کو۔“

جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور مذہب سیاست دونوں کا دائرہ عمل مختلف ہے، دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے کی مداخلت کے بغیر کام کرنا چاہیے، دین و سیاست کی تفریق کا یہی نظریہ عہدِ حاضر میں ترقی کر کے ”سیکولرزم“ کی شکل اختیار کر گیا جو آج کے نظام ہائے سیاست میں مقبول ترین نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس نظریے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام کی تعلیمات چونکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہیں جن میں سیاست بھی داخل ہے، اس لئے اسلام میں سیاست کو دین و مذہب سے بے تعلق رکھنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

چنانچہ عہد حاضر میں بہت سے مسلمانوں نے عیسائیت اور سیکولرزم کے اس باطل نظریے کی پُر زور تردید کی، اور یہ ثابت کیا کہ سیاست کو دین سے الگ نہیں کیا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم ع

جدا ہودیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

لیکن سیکولرزم اور دین و سیاست کی تفریق کے اس نظریے کی پُر زور تردید کرتے ہوئے بہت سے مسلمان مفکرین اور اہل قلم سے ایک نہایت باریک غلطی واقع ہو گئی جو دیکھنے میں بڑی باریک اور معمولی تھی، لیکن اس کے اثرات بہت دور رس تھے۔ اس باریک غلطی کو ہم مختصر لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اسے اس طرح تعبیر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ”سیکولرزم“ کی تردید کے جوش میں سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنادیا، کہنایوں تھا :

”سیاست کو دین سے الگ نہ ہونا چاہیے۔“

لیکن کہا یوں :

”دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔“

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام سیاست و حکومت سے متعلق ضرور ہیں اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے دوسرے احکام کی طرح ان احکام پر بھی بقدر استطاعت عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرے، حاکم کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکام کو نافذ کرے اور انہی احکام کے مطابق حکومت کرے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق ایسی حکومت کے قیام کی کوشش اور اگر وہ قائم ہو جائے تو اس کی اطاعت کریں۔

لیکن عہد حاضر کے بعض مفکرین اور مصنفین، جنہوں نے سیکولرزم کی تردید میں کام کیا، تردید کے جوش میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے سیاست اور حکومت کو اسلام کا مقصود اصلی، اس کا حقیقی نصب العین اور بعثت انبیاء علیہم السلام کا

مطلع نظر، بلکہ انسان کی تخلیق کا اصل ہدف قرار دیدیا اور اسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کو نہ صرف ثانوی حیثیت دیدی، بلکہ انہیں اسی مقصودِ اصلی یعنی ”سیاست“ کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک طریقہ قرار دیدیا۔ اس انتہا پسندی کا پہلا زبردست نقصان تو یہ ہوا کہ اسکے نتیجے میں دین کی مجموعی تصویر اور اسکی ترجیحات کی ترتیب (ORDER OF PRIORITY) اُلٹ کر رہ گئی، جو چیز وسیلہ تھی وہ مقصد بن کر ہمہ وقت دل و دماغ پر چھا گئی، اور جو مقصد تھا وہ ایک غیر اہم وسیلہ بن کر پس منظر میں چلا گیا، چنانچہ اس طرز فکر کے تحت ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا کہ ایک مسلمان کا اصل مقصد زندگی سیاست اور حکومت کی اصلاح ہونا چاہیے، کام وہی کام ہے جو اس راستے میں انجام دیا جائے، قربانی وہی قربانی ہے جو اس راہ میں پیش کی جائے، اور مثالی انسان وہی انسان ہے جس نے اس کام کو اپنا اور ہٹھنا بچھونا بنا کر دن رات اس کے لئے وقف کر رکھے ہوں۔ اور دین کے دوسرے شعبوں مثلاً طاعات و عبادات، زہد و تقویٰ، اصلاح نفس اور خشیت و انابت وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی بلکہ جو شخص ان کاموں میں مشغول ہوا اسکے بارے میں یہ تصور قائم کر دیا گیا کہ گویا وہ مبادی میں اُلجھا ہوا ہے اور دین کے بنیادی مقاصد سے دور ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جب اسلام کا مقصد اصلی سیاست و حکومت قرار پایا، اور عبادات وغیرہ کے احکام کی حیثیت محض وسیلے کی ہو گئی تو یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کبھی کبھی وسائل کو مقصد پر قربان بھی کرنا پڑتا ہے، اور مقصد کے حصول کے لئے اگر کبھی کسی وسیلے میں کچھ اونچ نیچ یا کمی بیشی بھی ہو جائے تو وہ گوارا کر لی جاتی ہے۔ لہذا مذکورہ انتہا پسندی کے نتیجے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بات کی بڑی گنجائش پیدا ہو گئی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے عبادات وغیرہ کے احکام میں کوئی کمی کوتاہی بھی ہو جائے تو وہ قابل ملامت نہیں، کیونکہ وہ ایک بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔

سیاست کو دین کا ایک شعبہ نہیں، بلکہ دین کا مقصود اصلی قرار دینے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے تجارت و معیشت بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس حیثیت

سے دین کے بہت سے احکام تجارت و معیشت سے بھی متعلق ہیں بلکہ کسبِ حلال کے بہت سے فضائل بھی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اب اگر ان فضائل کے پیش نظر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ دین کا اصل مقصد ہی تجارت و معیشت اور کسبِ حلال ہے تو یہ بات اتنی غلط ہوگی کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بعینہ اسی طرح سیاست اس معنی میں دین کا ایک شعبہ ضرور ہے کہ دین کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں اور اسکے بہت سے فضائل بھی قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں لیکن ان فضائل کی بنیاد پر اسکو دین کا مقصود اصلی قرار دینا ایسی ہی غلطی ہے جیسے تجارت و معیشت کو دین کا اصل نصب العین قرار دینا۔

لیکن چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سے مسلمانوں میں مغربی استعمار سے آزاد ہونے کی تحریکات شروع ہوئیں، اُسوقت سے وہ انتہا پسندانہ طرزِ فکر عام ہوتا گیا جس میں سیاست کو ”خلافت فی الارض“ اور ”حکومت الہیہ“ وغیرہ کے عنوانات سے دین کا بنیادی مقصد قرار دے لیا گیا۔ طرزِ فکر کی اس غلطی نے مسلمانوں میں اتنی ہستی سے اپنی جگہ بنائی کہ اچھے اچھے لوگوں کو یہ احساس نہ ہو سکا کہ ان کے فکر و عمل کا کانٹا تبدیل ہو گیا ہے۔ ”سیاسی استقلال“ کی ضرورت و اہمیت اس درجہ ذہنوں پر چھائی ہوئی تھی کہ اس باریک مگر دُور رس غلطی پر غور کر کے ”دین میں سیاست“ کا صحیح مقام متعین کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تصور بعض حضرات نے شعوری طور پر اختیار کیا اور بعض نے غیر شعوری طور پر، اور تحریکات کے اجتماعی عمل نے اس پر ایسی مہر ثبت کر دی کہ اچھے اچھے اہل علم کو بھی کانٹے کی اس تبدیلی کا احساس نہ ہو سکا۔

اس ماحول میں احقر کے علم کے مطابق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس باریک غلطی کو دو ٹوک لفظوں میں واضح فرمایا اور قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا کہ دین میں سیاست کا صحیح مقام کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

”وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔“

اس سے واضح ہے دیانات مقصود بالذات ہیں، اور سیاسیات و جہاد مقصود اصلی نہیں، بلکہ اقامت دیانات کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات و جہاد سب کو نہیں دیا گیا، بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی حکومت دی گئی ورنہ نہیں۔ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہی کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

شاید کسی کو شبہ ہو کہ دوسری آیات میں تو اسکے خلاف مضمون موجود ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آ رہا ہے اور وہ یہ ہے:

وَعَلَى اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔

”تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند لیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔“

یہاں ایمان و عمل صالح کو شرط قرار دیا جا رہا ہے تمکین فی الارض کی، جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے۔

سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین و شوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر مرتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے، پس دین پر سیاست و قوت موعود ہوئی لیکن موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ورنہ آیت کریمہ :

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ لَّأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ۔

”اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔“

جس میں اقامتِ تورات و انجیل و قرآن، یعنی عمل بالقرآن پر وسعتِ رزق کا وعدہ کیا گیا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے؟ بلکہ دین پر موعود ہے کہ دیندار بھوکا نہ لگا نہیں رہ سکتا، پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ یہاں بھی ایمان و عمل صالح پر شوکت و قوت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطور خاصیت (اس پر مرتب ہوں گی، نہ کہ مقصود جو اسکی غایت کہلائے۔

بہر حال! واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں، بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔ (اشرف السوانح جلد ۲ (خاتمہ السوانح) ص ۲۸، ۲۹ طبع ملتان)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صفحے کی اس مختصر مگر انتہائی پُر مغز اور جامع تقریر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے موضوع کو اس قدر واضح فرما دیا ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :

”نہ وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ سیاست و حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے، اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصلی مقصد سیاست و حکومت ہے، واقعہ یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے جبکہ مظاہرہ عبادات طاعات کے ذریعے ہوتا ہے۔ سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ایک ذریعہ ہے جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامتِ دین کا مقصد اس پر موقوف ہے، بلکہ وہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

لہذا اسلام میں وہی سیاست و حکومت مطلوب ہے جو اس مقصد میں مُمد و معاون ہو، اس کے برعکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقاصد میں کتر بیونت کر کے انھیں مجروح کرے، وہ اسلامی سیاست نہیں ہے، خواہ اس کا نام ”اسلامی“ رکھ دیا گیا ہو۔“

② اسلام کا نظامِ حکومت :

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے اندر جو شخصی حکومتیں عام طور سے رائج رہی ہیں وہ مطلق العنان بادشاہتیں تھیں جن میں بادشاہ کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور اس

پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں ہوتی تھی۔ اس مطلق العنان حکمرانی کے نتیجے میں ظلم و ستم اور نا انصافیوں کا بازار گرم رہا، اس لئے اس کے خلاف یورپ میں شدید ردِ عمل ہوا۔ ”شخصی حکومت“ کو بذاتِ خود نہایت معیوب سمجھا جانے لگا اور اسکی جگہ ”جمہوریت“ کو ایک مثالی طرزِ حکومت کے طور پر پیش کیا گیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شخصی حکومتیں ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ جمہوری نظامِ حکومت وجود میں آیا، بیشتر ملکوں میں جمہوریت قائم کی گئی، یہاں تک کہ جمہوریت کو ایک ایسا فیض ایل نظامِ حکومت سمجھا جانے لگا جو سیاست میں عدل و انصاف اور حق و صداقت کا ضامن ہے۔ چنانچہ گزشتہ (ہجری) صدی سے لے کر اب تک جتنی سیاسی تحریکیں اُٹھی ہیں، اُن کے ذہن میں ”جمہوریت“ کی حیثیت (معاذ اللہ) ایک ایسے ”کلمہ طیبہ“ کی ہو گئی ہے جس کے بغیر آج کے دور میں سیاست کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

دُنیا بھر پر چھائے ہوئے اس پروپگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ حاضر میں جو سیاسی جماعتیں اسلام کا نام لے کر اُٹھی ہیں، ان کی اکثریت بھی نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو ایک مُسلم اصول قرار دے کر آگے بڑھی ہے، بلکہ انھوں نے بھی اپنے مقاصد میں جمہوریت کے قیام کو سرِ فہرست رکھا ہے اور خود اپنی جماعت کو بھی جمہوری ڈھانچے پر تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں یہ دعوے بھی بکثرت کئے گئے ہیں کہ جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے بلکہ اسلام نے جمہوریت ہی کی تعلیم دی ہے، کسی نے بہت احتیاط کی تو یہ کہہ دیا کہ جمہوریت کے جو اجزاء اسلام کے خلاف ہیں، ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لہذا ہماری جمہوریت ”اسلامی جمہوریت“ ہے۔

یہ تصورات ہمارے دور میں اس قدر مشہور ہو گئے ہیں کہ ان کے خلاف کچھ سوچنا یا کہنا دُنیا بھر کی لعنت و ملامت کو اپنے سر لینے کے مترادف ہے، اور اگر ایسے ماحول میں کوئی شخص جمہوری حکومت کے بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص تو آج کی سیاسی فضا میں تقریباً کلمہ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے۔

لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور خالص دین کی دعوت و تجدید کے لئے منتخب فرمایا ہو، وہ زمانے پر چھائے ہوئے تصورات اور خوشامعروں سے مرعوب متاثر نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے چنانچہ حکیمِ اَللّٰہ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس کے بجائے انھوں نے اپنے متعدد مواعظ و ملفوظات و تصانیف میں جمہوریت پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں اور اپنے دینی نقطہ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

عام طور سے جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادی اظہار رائے عطا کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مہار نہ ہو سکیں۔ اور چونکہ اسلام نے ”مشاورت“ کا حکم دیا ہے، اس لئے ”جمہوریت“ کو ”مشاورت“ کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ”جمہوریت“ عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے، درحقیقت ”جمہوری نظام حکومت“ کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولرزم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے :

“IT IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE”

جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہذا ”جمہوریت“ کا سب سے پہلا رکن عظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکم علی تصور کیا جاتا ہے اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرت رائے کی بنیاد پر ہوا ہو وہ واجب اور ناقابل تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرت رائے کے اس فیصلے پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کے اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کر دے (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن و سنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرتِ رائے کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں، اور آج تک نافذ کئے جا رہے ہیں۔ زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اسی بنیاد پر سندِ جواز عطا کی گئی ہے، اور اس طرزِ فکر نے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے کثرتِ رائے کے اس جمہوری فلسفے پر جا بجا تبصرے فرما کر اس کی کمزوری کو واضح کیا ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :

وَإِنْ تَطَلَّعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
”اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔“

کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے خلاف اس سے زیادہ واضح کاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرتِ رائے ہوگی وہ بات ضرور حق ہوگی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات میں بہت سے مقامات پر اس پھیلی ہوئی غلطی کی تردید فرمائی ہے، ایک وعظ میں فرماتے ہیں :

”آجکل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے، صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کا لانا عام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے

پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف۔ آخر انھوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لئے کہ وہ قوم جاہل تھی، اُس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔“

(فضائل العلم والخشية ص ۳۰ و معارف حکیم الامت ص ۶۱۷)

مطلب یہ ہے کہ عوام کی کثرت رائے کبھی معیار حق نہیں ہو سکتی، کیونکہ عوام میں اکثریت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :

”مولانا محمد حسین الہ آبادی نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔“ (تقلیل الاختلاط مع الانام ص ۱۷۱ و معارف حکیم الامت ص ۶۲۷)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :

”غزوہ اُحد میں، اُن پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے، اختلافاً ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غرض کے لئے ہم کو یہاں متعین کیا تھا وہ غرض حاصل ہو چکی، اس لئے حکم قرار بھی ختم ہو گیا، اب یہاں سے ہٹنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی، اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے۔ ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہیے۔ بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا۔ اس لئے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔“

یہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک افسرانکے رہ گئے۔

اس واقعہ میں کثرت رائے غلطی پر تھی اور قلت رائے صواب پر تھی، جو لوگ کثرت رائے کو علامت حق سمجھتے ہیں۔ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔“

(ذم النسیان ص ۱۲، معارف حکیم الامت ص ۶۱۸)

اسی وعظ میں آگے چل کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کثرت رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل کی مثال بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو انکے خلاف آپ نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کے نظریے پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے اور سادہ سادہ لفظوں میں ایسے حقائق بیان فرمادیئے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے گا اسی نتیجے تک پہنچے گا۔ چنانچہ جدید علم سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی ”جمہوریت“ کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے۔ ایک مشہور ماہر سیاسیات ایڈمنڈ بورک (BURKE) لکھتا ہے:

”اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے، کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے، اور اکثریت کی حرص ہو س کے مقلبے میں اسکے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے، لہذا یہ مقولہ:

”اکثریت کے فیصلے کو قانون بننا چاہیے۔“

اس میں افادیت اور پالیسی کی بھی اتنی ہی کمی ہے جتنی حقانیت کی“ ۱۵

۱۵ Quoted by A. Appadorai, The Substance of Politics, Oxford University Press 9th ed. 1961 p. 133.

حکیم الامت قدس سرہ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں :

”اول تو کثرت رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی، پھر ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوائی جاتی ہے اور سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے تم یوں کہہ دینا، جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں، اب وہ کثرت کیا خاک ہوتی۔“

(وعظ ”الانساب“ مأخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۱۰ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

بعض جمہوریت پرست لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس تبصرے کو ایک سطحی تبصرہ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایک ایسے بزرگ کا تبصرہ ہے جن کا میدان علم سیاست نہیں تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی نگاہ اپنی گوشہ نشینی کے باوجود زمانے کی دکھتی ہوئی رگوں پر ہوتی تھی۔ ان کا اصل مأخذ قرآن و سنت تھے اور وحی کی اسی روشنی نے انھیں وہ نور فراست عطا فرمادیا تھا جس کے ذریعے وہ ان مسائل کو انتہائی سادگی سے بیان فرما گئے ہیں جن کو لوگوں نے ایک مستقل فلسفہ بنا رکھا ہے، چنانچہ یہ تبصرہ بھی اسی فراست ایمانی کا نتیجہ تھا۔ علم سیاست بیشک آپ کا اصل میدان نہیں تھا، لیکن جو سچائی وحی کے نور سے معلوم ہوئی ہو اسے رسمی علوم کی حاجت نہیں ہوتی۔

لیکن اس علم سیاست کے وہ ماہرین بھی جنہوں نے پروپیگنڈے سے ذرا آزاد ہو کر سوچنے کی کوشش کی ہے وہ بھی بالآخر اسی نتیجے تک پہنچے ہیں۔

ڈاکٹر اے ایا دورائے برصغیر میں اپنی سیاسی تصانیف کی وجہ سے خاصے مشہور ہیں وہ ”جمہوریت“ کے تعارف اور اسکی کامیابی کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

”جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط (جن کے وجود پر جمہوریت کی کامیابی موقوف ہے) شاذ و نادر ہی پوری ہوئی ہیں۔ عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد (QUANTITY) پر رہتی ہے۔ کیفیت (QUALITY) پر نہیں۔ اس میں دھڑ گنے جاتے ہیں انھیں تو لا نہیں جاتا۔ شہریوں کی بہت بڑی تعداد اب بھی حکومت کو اپنے بنیادی وظائف زندگی میں سے نہیں سمجھتی، چنانچہ

اس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، وہ کام کرتی اور کھیلتی رہتی ہے اپنے پیشہ ورانہ اور فنی کاموں کو انجام دیتی رہتی ہے، ہل چلاتی، بیج بوتی، فصلیں کاٹی اور انھیں بیچتی رہتی ہے، اور یہ بھول جاتی ہے کہ وہ دراصل ملک کی حاکم ہے۔ جمہوریت میں یہ حقیقی خطرہ موجود ہے کہ شہریوں کی ایسی ذہنی تربیت نہیں ہو پاتی جس کے ذریعہ وہ ان مسائل کے حقیقی مفہوم کا ادراک کر سکیں جو انتخابات کے موقع پر ان کے سامنے فیصلے کیلئے آتے ہیں لہذا وہ طبقاتی جذبات اور نعروں سے گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سرہنری میں تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جمہوریت کبھی بھی اکثریت کی حکمرانی کی نمائندگی نہیں کر سکتی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عوام تو محض اپنے لیڈروں کی آراء کو تسلیم کرتے ہیں۔^{۱۵}

مغرب کے مشہور مؤرخ اور فلسفی کارلائل کا یہ اقتباس علم سیاست میں کافی شہرت پا گیا ہے۔

Surely, of all "rights of man", this right of the ignorant man to be guided by the wiser, to be, gently or forcibly, held in the true course by him, is the indisputablest. Nature herself ordains it from the first, society struggles towards perfection by enforcing and accomplishing it more and more In Rome and Athens, as elsewhere if you look practical we shall find that it was not by loud voting and debating of many, but by wise insight and ordering of a few that the word was done. So is it ever, so will it ever be".

”انسانی حقوق“ میں یقینی طور پر جاہل افراد کا یہ حق سب سے زیادہ غیر متنازع ہے کہ عقل مند افراد انکی رہنمائی کریں اور انھیں نرمی سے یا طاقت کے ذریعہ سیدھے راستے پر رکھیں، فطرت کا شروع سے یہی حکم ہے اسی حکم کو نافذ کر کے اور اسکی زیادہ سے زیادہ تکمیل کر کے ہی سوسائٹی بحال تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی ہے۔

^{۱۵} A. Appadorai, op cit p. 133

اگر ہم عملی نقطہ نظر سے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ روم اور ایتھنز میں دوسرے مقامات کی طرح بلند آواز سے رائے شماری کرنے اور بہت سے لوگوں کے بحث مباحثے کے ذریعے نہیں بلکہ گنے چنے افراد کے حکم سے کام چلتا تھا، یہ بات ہمیشہ سے سچ رہی ہے، لہذا آئندہ بھی یہی بات سچ رہے گی۔^{۱۵}
شخصی حکومت :

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے جمہوریت پر تنقید فرماتے ہوئے کئی مقامات پر اس کے مقابلے میں ”شخصی حکومت“ کی حمایت فرمائی ہے۔ آج کے جمہوریت پرست دور میں شخصی حکومت کی حمایت کلمہ کفر کی طرح نشانہ ملامت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بنیادی سبب دو ہیں۔ ایک یہ کہ جمہوریت کی حمایت میں پروپیگنڈا اس قدر زور شور کے ساتھ کیا گیا ہے کہ کسی مخالف نظام حکومت پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر ہی ذہن آمادہ نہیں ہوتے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ”شخصی حکومت“ کا نام آتے ہی ذہن ان مطلق العنان بادشاہوں کی طرف چلا جاتا ہے جن کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور ان پر کوئی بالاتر پابندی عائد نہ تھی، یا پھر اس نام سے ان فاشی حکمرانوں کا تصور آ جاتا ہے جن کے نزدیک حکومت کی بنیاد محض زور زبردستی پر تھی۔ حالانکہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ”شخصی حکومت“ سے وہ ”مثالی اسلامی حکمران“ مراد لیتے ہیں جسے ”امیر المؤمنین“ یا خلیفہ وقت کہا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں جو غیر اسلامی شخصی حکومتیں رائج رہی ہیں ان کی خرابیوں اور مفاسد کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

① ان ”شخصی حکومتوں“ کی بنیاد بادشاہتوں میں عموماً خاندانی وراثت پر تھی اور فاشزم کے فلسفے میں صرف ”قوت“ پر جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو قوی ہو وہ کمزور پر حکومت کا حق لیکر آیا ہے۔

لہذا ان شخصی حکومتوں کے قیام میں سنجیدہ غور و فکر اور مناسب انتخاب کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں تھا۔

۱۵ Chartism (1839) as quoted by Appadorai, op cit p. 128.

(۲) ان شخصی حکمرانوں کے لئے کوئی ایسی لازمی صفاتِ اہلیت ضروری نہیں تھیں جن کے بغیر وہ حکمرانی کے منصب تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔

(۳) یہ شخصی حکومتیں عموماً ایسے آسمانی قوانین کی پابند نہیں تھیں جو ان کے فیصلوں کو لگی بندھی حدود میں محدود رکھ سکیں۔

لہذا قانون ساز وہ خود تھے اور مطلق العنان ہونے کی بناء پر ان کی زبان قانون بن گئی تھی۔

(۴) ان حکومتوں میں کوئی ایسا لازمی ادارہ موجود نہیں تھا جو ان کے اقدامات ان کے صادر کئے ہوئے احکام اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کو کسی لگے بندھے معیار پر پرکھ سکتا اور ان کی طرف سے آسمانی قانون کی خلاف ورزی، اپنی حدود اختیار سے تجاوز یا کسی ظلم و ستم کی صورت میں ان کے اقدامات کی تلافی کر سکتا۔ یہ تھے وہ اسباب جن کی بناء پر شخصی حکومتوں میں لوگوں کے حقوق پامال ہوئے اور انسان انسان کا غلام بن گیا، ورنہ اگر یہ خرابیاں موجود نہ ہوں تو بیشتر ماہرین سیاست اس بات پر متفق ہیں کہ شخصی حکومت میں بذات خود کوئی خرابی نہیں، وہ جمہوریت کے مقابلے میں کہیں زیادہ کامیاب اور عوام کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، یہاں تک کہ روسونے بھی یہ اعتراف کیا ہے :

”حکومت کا بہترین اور سب سے فطری انتظام یہ ہے کہ عقلمند ترین انسان کو کثرت پر حکومت کرنی چاہیے، بشرطیکہ اس بات کی ضمانت مل جائے کہ وہ اس کثرت کے مفاد کے لئے حکومت کریں گے، نہ کہ اپنے مفاد کے لئے“^۱ کارلائل لکھتا ہے :

”کسی بھی ملک میں وہاں کے قابل ترین آدمی کو دریافت کر لو، پھر اسے اٹھا کر اطاعت کے اعلیٰ ترین مقام پر رکھ دو اور اس کی عزت کرو۔ اس طرح تم اس ملک کے لئے ایک مکمل حکومت دریافت کر لو گے، پھر بیٹ بجس ہو“

^۱ Roussian, The Social Contract, bk 111, Ch. V. as quoted by Appadorai, op cit p. 127

یا پارلیمنٹ میں ہونے والی فصاحت و بلاغت یا رائے شماری یا دستور سازی یا کسی بھی قسم کی کوئی اور مشینری، اس حکومت میں کوئی بہتر اضافہ نہیں کر سکے گی، یہ ایک مکمل ریاست ہوگی اور وہ ملک ایک مثالی ملک ہوگا۔^{۱۵}

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ جس شخصی حکومت کو اسلام کا تقاضا قرار دے رہے ہیں وہ شخصی حکومت کی مذکورہ بالا خرابیوں سے خالی ہے، وہ اس معنی میں بیشک ”شخصی حکومت“ ہے کہ اس میں جمہوری انداز کی پارلیمنٹ مختارِ کل نہیں ہے اور اختیارات حکومت بڑی حد تک خلیفہ یا ”امیر المؤمنین“ کی ذات میں مرکوز ہیں۔

لیکن سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس خلیفہ یا ”امیر المؤمنین“ کا تعین وراثت یا قوت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اہل حل و عقد کے انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے اور اس انتخاب کے لئے ”خلیفہ“ میں کچھ معیاری اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے جن کے بغیر اہل حل و عقد کے لئے کسی شخص کا انتخاب جائز نہیں۔ ان اوصاف میں علمی قابلیت کے علاوہ کردار کی اعلیٰ ترین نچنگی اور رائے کی اصابت بھی داخل ہے۔

راجہ کی جمہوریتوں میں سربراہ کے انتخاب کے لئے عموماً نہ کوئی قابلیت شرط ہوتی ہے، نہ کردار و عمل کی کوئی خوبی۔ لیکن خلیفہ کے لئے اسلام میں نہایت کڑی شرائط تجویز فرمائی گئی ہیں اور اہل حل و عقد کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان شرائط کا مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کریں۔

پھر یہ خلیفہ بھی جو اعلیٰ ترین علمی اور عملی اوصاف کا حامل ہے مطلق العنان قانون ساز نہیں ہوتا، بلکہ قرآن و سنت اور اجماع اُمت کا پابند ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قانون وضع نہیں کرتی، بلکہ ایک ایسے آسمانی قانون کی بنیاد پر وجود میں آتی اور اسی کو نافذ کرتی ہے جو کائنات کی اعلیٰ ترین اتھارٹی کا بنایا ہوا ہے اور قرآن و سنت کی صورت میں محفوظ ہے۔

ہاں قرآن و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے انتظامی قوانین اور احکام جاری کرنا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے اقدامات کے لئے اہل شوریٰ سے مشورہ لے، اس مشورے کا مقصد

^{۱۵} G. N. Sabine, A History of Political Theory p. 764 (Appadorai p. 122).

یہ نہیں ہے کہ وہ لازمی طور پر کثرتِ رائے کی پابندی کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ان کو مد نظر رکھنے کے بعد وہ اپنی بہترین قابلیت اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خود فیصلہ کرے۔

اس کے علاوہ سربراہِ حکومت کا ہر اقدام، اس کا ہر حکم اندر اس کا بنایا ہوا ہر قانون چونکہ قرآن و سنت کے تابع ہوتا ہے لہذا اگر کسی وقت یہ سربراہ قرآن و سنت کے احکام سے تجاوز کرے یا عدل و انصاف کے خلاف کوئی کام کرے تو قاضی کی عدالت سے اس کے خلاف چارہ کار حاصل کرنا ہر ادنیٰ شہری کا ناقابلِ تنسیخ حق ہوتا ہے۔

اس نظامِ حکومت کی تمام تفصیلات کو بیان کرنا اس مقالے کی حدود سے باہر ہے، لیکن یہاں بتلانا صرف یہ تھا کہ حکیم الامت قدس سرہ نے اسلام میں جس شخصی حکومت کا تذکرہ فرمایا ہے یہیں قدیم بادشاہتوں اور جدید فاشی حکمرانوں اور ڈکٹیٹروں کی خرابی کے بنیادی اسباب جو نہیں ہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے جمہوریت اور شخصی حکومت پر اپنے متعدد مواعظ اور ملفوظات میں تبصرہ فرمایا ہے جن میں سے غالباً سب سے جامع اور مفصل بحث اس وعظ میں فرمائی ہے جو ”تقلیل الاختلاط مع الانام“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے چند مختصر اقتباسات ذیل میں پیش خدمت ہیں :

”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں، مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے، کبھی حکمی، فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے۔ مگر وہ واحد حکمی ہے، حقیقی نہیں، تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اُس میں گویا ہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے، کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو رائے دیدے وہی پاس ہو جایا کرے، اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آدمی کا دعویٰ صحیح ہوتا، مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں، بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے، کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور ہم شخص واحد حکمی کے حامی ہو۔ جمہوریت کے حامی تو

تم بھی نہ رہے، جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا، کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا، نہ ایک بادشاہ کا، نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا، یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا، ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا، تم ہی فیصلہ کر لو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا؟ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔

یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں :

”نظام عالم بدون اس کے قائم نہیں ہو سکتا کہ مخلوق میں بعض تابع ہوں بعض متبوع ہوں، آزادی مطلق سے فساد برپا ہوتے ہیں، اس لئے یہاں آکر ان کو اپنے دعویٰ آزادی سے ہٹنا پڑتا ہے اور شریعت کو کبھی اپنے دعویٰ سے ہٹنا نہیں پڑتا، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے تابعیت و متبوعیت کی حامی ہے وہ تو آزادی کا سبق سکھاتی ہی نہیں، اول ہی دن سے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے جس سے تمام مخلوق کو ایک کا تابع کر دیا، بلکہ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے ایک زمانے میں دو نبی بھی ایک قوم کی طرف ارسال کئے ہیں تو ان میں بھی ایک تابع تھے دوسرے متبوع تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک زمانے میں دو نبی تھے، جو بنی اسرائیل اور قوم قبط کی طرف مبعوث ہوئے تھے، مگر ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے حضرت ہارون علیہ السلام تابع تھے، دونوں برابر درجہ میں نہ تھے اور یہ تابعیت محض ضابطہ کی تابعیت نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام پر پوری حکومت رکھتے تھے، وہ ان کی مخالفت نہ کر سکتے تھے۔“

مزید ارشاد فرماتے ہیں :

”غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں شخصی سلطنت میں یہ ضرایاں بیان کی جاتی ہیں کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، حالانکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اسکی رائے غلط ہو۔ اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیے، بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیے۔“

میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہو کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہو کرے۔ بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا، ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، کیونکہ جتنی ایجادات وہ اکثر ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں، کسی نے کچھ سمجھا، کسی نے کچھ سمجھا، ایک نے تاری برقی کو ایجاد کیا، ایک نے ریل کو ایجاد کیا، تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صد ہا ہزار مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا۔

علوم میں بھی یہ امر مشاہدہ ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شرح و محشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں۔

تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے، اب بتلایے :

”اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا؟“

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، بادشاہ اپنی رائے

سے فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہو کر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے، اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں، سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر، اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اس لئے یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے :

”کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے“

بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیے :

”صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو“

مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں :

”دوسرے جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں وہ بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے، وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرأی ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں، اور وہ نااہل ہے، تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہیں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے، ان کو جمہوریت مبارک ہو۔ ایسا نااہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے۔ اسلام میں جو شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے : ”اے اہل حل و عقد، اور اے جماعت عقلاء ! بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ، جو اتنا صاحب الرأی ہو کہ اگر کبھی اس کی رائے سارے عالم کے بھی خلاف ہو تو یہ احتمال ہو سکے کہ شاید اسی کی رائے صحیح ہو۔ اور جس کی رائے میں اتنی درایت نہ ہو اس کو ہرگز بادشاہ نہ بناؤ“

اب بتلاؤ :

”جس کی رائے اتنی رزین ہو کہ سارے عالم کے مقابلے میں بھی اس کی رائے کے صائب ہونے کا احتمال ہو وہ حکومت شخصی کے قابل ہے یا نہیں؟ یقیناً قابل ہے بشرطیکہ اہل حل و عقد انتخاب میں خیانت نہ کریں۔ بس ہم شخصی سلطنت کے اس لئے حامی ہیں کہ ہم بادشاہ کو رزین العقل، صاحب الرأی سمجھتے ہیں اور تم کثرت رائے کے اس لئے حامی ہو کہ تم اپنے بادشاہ

کو ضعیف الرأی اور نااہل سمجھتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے جس کے لئے ضم ضمیمہ کی ضرورت ہو؟ بلکہ پہلے ہی سے بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو۔ مستقل الرأی ہو۔ اور اگر تم بھی اپنے بادشاہ کو مستقل الرأی، صائب العقل، رزین سمجھتے ہو تو پھر کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھنا اور کامل العقل کو ناقصین کی رائے کا تابع بنانا ظلم ہے جس کا حماقت ہونا بدیہی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوچھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

مگر یہ بالکل غلط ہے ان لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے باندی تھیں اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جن کا نام مغیث تھا ان کے آقا نے کر دیا تھا۔ جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق انکو یہ اختیار دیدیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں، اگر چاہیں فسخ کر دیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کو اختیار عتق کہتے ہیں، اس اختیار کی بناء پر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا، لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی۔ وہ صدمہ فراق میں مدینہ کی گلی کوچوں میں روتے پھرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا :

”اے بریرہ! کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو“

تو وہ دریافت فرماتی ہیں :

”یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ کی ایک فرد ہے؟ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو۔“
آپ نے فرمایا:

”حکم نہیں صرف مشورہ ہے۔“

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صاف عرض کر دیا:

”اگر مشورہ ہے تو میں اس کو قبول نہیں کرتی۔“

بیچئے! اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا، کہ اگر نبی اور خلیفہ بدرجہ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں، بلکہ واقعی حق ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور ان سے ذرا بھی ناراض نہ ہوئے اور نہ حضرت بریرہ کو کچھ گناہ ہوا، نہ ان پر کچھ عتاب ہوا۔ سو جب اُمت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دیں اسی کے موافق عمل کرے اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔

پس شاوہم فی الامر سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں، یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں، اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔

اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اس وقت تک شاوہم فی الامر سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی، جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو؟ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے؟ اور ہمارے پاس حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، خواہ نبی

ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔

اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہیں ہیں، بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں، خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے :

فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ :

کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں، یہاں اذا عزمتم صیغہ واحد ہے، معلوم ہوا کہ غم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزمتم نہ فرماتے، بلکہ اس کے بجائے :

اذا عزمکم اکثرکم فتوکلوا علی اللہ -

فرماتے،

پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعوے کی تردید کر رہا ہے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے،

حفظت شیئا وغایت عنک اشیاء -

کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کر لیا کریں۔ رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو۔ چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں اہل مشورہ ان کو مشورہ سننے پر مجبور کر سکیں۔ چنانچہ شریعت میں :

اشيروا الحکام وهو حقکم علیہم -

کہیں نہیں کہا گیا، جب رعایا کو از خود مشورہ دینے کا کوئی حق بدرجہٴ لزوم نہیں تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی؟ کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے، چاہے بادشاہ ان

سے رائے لے یا نہ لے“

(تقلیل الاختلاط مع الانام ص ۹ تا ۱۷) و اشرف الجواب ط ۳۱۰ تا ۳۱۰ مطبوع ملتان و معارف

حکیم الامت ص ۶۲۰ تا ۶۳۰)

حکمرانی ایک ذمہ داری ہے نہ کہ حق :

پھر غیر اسلامی شخصی حکومتوں میں اور اسلام کی شخصی حکومت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر اسلامی معاشرہ میں شخصی حکومت ”ایک حق“ (PRINILEGE) یا ایک فائدہ (ADVANTAGE) ہے، اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حق کس کو ملے؟ اور کس کو نہ ملے؟ اور اسی لئے لوگ از خود اس کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ایک ”امانت“ یا ایک ”ذمہ داری“ ہے جو حکمران کے لئے اسباب عیش فراہم کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ گندھے پر دنیا و آخرت کا ایک زبردست بوجھ سوار کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا یہ از خود کوشش کر کے حاصل کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ایسی چیز ہے جس سے انسان اپنی استطاعت کی حد تک جتنا بھاگ سکے اتنا ہی بہتر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس شخص کو ”حکومت“ کے لئے نااہل قرار دیا گیا ہے جو خود اس کا طلب گار ہو، چنانچہ اسلامی سیاست میں ”امید داری“ (CANDIDATURE) کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حکومت کے فرائض :

لہذا جس شخص کو بھی یہ ذمہ داری سونپی جائے اُسے اس نقطہ نظر کے ساتھ اُسے سنبھالنا ہے کہ ”حکومت“ بذات خود مقصود نہیں جس سے ہر حال میں چمٹے رہنا ضروری ہو، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، لہذا اگر کبھی حکومت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں تعارض ہو گا تو وہ بلا تامل اپنی حکومت کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دے گا۔ اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم فرماتے ہیں :

”یاد رکھو! سلطنت مقصود بالذات نہیں، بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے“

اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں، اور لغت سے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات

ہوتی تو فرعون، ہامان، نمرود، شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں، حالانکہ وہ مردود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سلطنت ہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو، اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو وہ وبالِ جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر راضی ہیں، اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔

آخر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے؟ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی، پھر کیوں چھوڑی؟ محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہوئے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ ہر فن کے امام ہیں، حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں، اور فقہاء میں فقیہ، اور صوفیہ میں تو امام ہیں، ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا، جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے۔ پھر دیکھو تو انھوں نے کیا کیا؟ جب رضائے حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہو گئے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے: لا تلبيح مال يتيم ولا تقضين بين اثنين۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود رضائے حق ہے، اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا۔ (تفہيم الاختلاط مع الانام ط ۱۲، اشرف الجواب ص ۴۵۵، ۴۵۶)

لہذا اسلامی حکمران کا فرض ہے کہ وہ حکومت کو رضائے الہی کا وسیلہ بنانے کے لئے اسلامی احکام پر عمل اور ان کے نفاذ کے لئے اپنی جان توڑ کوشش صرف کرے، ورنہ اس کی حکومت بیکار محض اور اس کا حکومت سے چٹا رہنا ناجائز و حرام ہے۔ لہذا اس کا یہ فرض ہے کہ انتہائی جزمی کے ساتھ اپنے اقدامات

کا جائزہ لیتا رہے، اور شریعت کے معاملے میں ادنیٰ غفلت کو گوارا نہ کرے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”سلطنتیں جو گئی ہیں میرے نزدیک چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہیں، کیونکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب مل کر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوال سلطنت کا موجب ہوتا ہے، نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے، اور وہ براہ راست مُخْلِ ہے سلطنت کی۔“ (اصلاح المسلمین ص ۱۹۹ بحوالہ الافاضات حصہ ہفتم ملفوظ ۲۵۹)

مسلمان حاکم کا فرض جس طرح یہ ہے کہ وہ خود انصاف کے خلاف کوئی کام نہ کرے اسی طرح اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو بھی ظلم نہ کرنے دے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پاسکتا، بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمے ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں، جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دیدہ کے میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں، اس لئے اگر میرے عملے میں بھی کوئی شخص کسی سے رشوت مانگے تو ہرگز نہ دے، بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے، پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے اور کافی سزا دے نیز حُکام کو یہ بھی چاہیے کہ لوگوں کے تعلقات براہ راست اپنے سے رکھیں کسی شخص کو واسطہ نہ بنائیں، کیونکہ یہ واسطے بہت ستم ڈھاتے ہیں۔ اگر کہو کہ صاحب! یہ تو بڑا مشکل ہے، تو حضرت! حکومت کرنا آسان نہیں، یہ منہ کانوالہ نہیں ہر وقت جہنم کے کنارے پر ہے۔“

(انفاس عیسیٰ ص ۳۳۷ جلد ۱ باب ۲)

اسلامی حکومت میں حکمران اور علماء کے درمیان تقسیم کار کیا ہونی چاہیے؟ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں، شانِ نبوت اور شانِ سلطنت، اس کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دونوں کے جامع تھے، مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہ پر تقسیم ہو گئیں، شانِ نبوت کے منظر علماء ہیں اور شانِ سلطنت کے منظر سلاطین اسلام، اب اگر یہ سلاطین علماء سے استغناء کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اب صورت دونوں کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ سلاطین سے تو میں یہ کہتا ہوں :

”وہ اپنی حدود میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک علماء حق سے استفتاء نہ کر لیں،“

اور علماء سے یہ کہتا ہوں :

”وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں“

”اگر یہ دونوں شانیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اس طرح جمع ہو جائیں تو مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت نکل آئے، اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر جا لگے، ورنہ اللہ ہی حافظ ہے“

(اصلاح مسلمین ص ۵۳۶)

مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے حکمران کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ عقلمند اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لیتا رہے، لیکن مشورے کے بعد جب کسی جانب رجحان ہو جائے اور اللہ کے بھروسے پر اس کے مطابق فیصلہ کرے تو تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہے خواہ ان کی رائے کے خلاف ہو۔ حضرت حمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”سلطان کو چاہیے کہ ہمیشہ عقلاً سے رائے لیتا رہے، بدون رائے لئے بہت سی باتیں نظر سے غائب رہتی ہیں، اور یہ مشورہ اور رائے تو مطلوب ہے، مگر یہ مخترعہ متعارفہ جمہوریت محض گھڑا ہوا ڈھکوسلہ ہے، بالخصوص ایسی

جمہوری سلطنت جو مسلم اور کافر ارکان سے مرکب ہو وہ تو غیر مسلم ہی سلطنت ہوگی، ایسی سلطنت اسلامی سلطنت نہ کہلائے گی۔

اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر سلطان کے مشورہ لینے کے وقت اہل شوریٰ میں اختلاف رائے ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سلطان کی رائے سے اختلاف کرنا مذموم تو نہیں، اس پر فرمایا :

”جو اختلاف حکمت اور مصلحت اور تدبیر و خیر خواہی پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، یعنی یہ اختلاف اُسی وقت تک جائز ہے جب تک مشورہ کا درجہ رہے، مگر بعد نفاذ اختلاف کرنا یا خلافت کرنا مذموم ہے، نفاذ کے بعد تو اطاعت ہی واجب ہے۔“

(الافاضات الیومیۃ ص ۱۱۱، ۱۱۲ جلد ۳ ملفوظ ۲۵۲)

یہ درحقیقت اس آیت قرآنی کی توضیح ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ -

”اور ان سے معاملے میں مشورہ کرو، اور جب کوئی عزم کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔“

(۳) اقامتِ دین کے لئے سیاسی جدوجہد کا شرعی مقام اور اس کی حدود

تیسرا موضوع جس پر اس مقالے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادات پیش کرنے مقصود ہیں یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک صحیح اسلامی حکومت کے قیام اور غیر اسلامی طاقتوں کے شر سے دفاع کے لئے جدوجہد کریں؟ اگر ضروری ہے تو اس جدوجہد کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ اس موضوع پر حضرت حمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل رسالہ ”الروضۃ الناضرة فی المسائل الحاضرة“ کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس میں اصولی طور پر سیاسی جدوجہد کی شرعی حیثیت کو بھی واضح فرمایا ہے اور اپنے زمانے کے سیاسی حالات کے بارے میں اپنی رائے بھی ظاہر فرمائی ہے۔ یہ رسالہ مختصر مگر بہت پُر مغز اور جامع ہے۔ لیکن چونکہ اہل علم کے لئے لکھا گیا ہے، اس لئے اس میں علمی اور اصطلاحی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”مدافعت کفار کی مطلقاً اہل اسلام سے، اور خصوص سلطنت اسلامیہ سے جس میں خلافت و غیر خلافت، اور جس میں سلطنت اسلامیہ واقعیہ و سلطنت اسلامیہ مزعومہ کفار سب داخل ہیں، پھر خصوص شعائر اسلام سے جن میں مقامات مقدسہ، بالخصوص حرمین شریفین بھی داخل ہیں، سب مسلمانوں پر فرض ہے، کبھی علی العین، کبھی علی الکفایۃ علی اختلاف الاحوال، مگر اس کی فرضیت کے کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، منجملہ ان کے ایک شرط استطاعت بھی ہے، اور استطاعت سے مراد استطاعت لغویہ نہیں استطاعت شرعیہ ہے، جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے :

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من رأى منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه الحديث ، رواه مسلم (شکوۃ باب الامر بالمعروف)
ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفار کی تقدیر کب متحقق ہوگی؟ اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت بظن غالب عادتاً ناممکن ہو۔ اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مثلاً کفار کی جگہ کفار ہی مسلط ہوں یا مرکب کافرو مسلم سے، کہ مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض من الفساد ہے، اور قاعدہ ہے :
الشیء اذا خلا عن الغایۃ انتفی -

اور اگر ایسا خطرہ ہو تو پھر وجوب تو ساقط ہو جائے گا، باقی جواز، اس میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں جواز بھی نہیں، بعض میں جواز بلکہ استحباب بھی ہے۔ اور مدار بنا جواز و عدم جواز یا استحباب کا اجتہاد اور رائے پر ہے۔ پس اس میں دو اختلاف کی گنجائش ہے۔

ایک علمی کہ واقعات سے ایک شخص کے نزدیک عدم جواز کی بناء

متحقق ہے اور دوسرے کے نزدیک جواز یا استحباب کی۔
 دوسرا عملی کہ باوجود بنا جواز یا استحباب پر متفق ہونے کے ایک
 نے بنا پر عدم وجوب رخصت پر عمل کیا، دوسرے نے بنا پر استحباب
 عزیمت پر عمل کیا۔ ایک کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔
 اور اگر کسی مقام پر تسلط مسلمان ہی کا ہو، مگر وہ مسلمان کافر سے مسالمت
 رکھتا ہو تو اس کو تسلط کافر کہنا محلّ تأمل ہے۔

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۱۱)

خلاصہ :

اگر استطاعت ہو اور کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ جدوجہد واجب ہے
 کبھی علی العین اور کبھی علی الکفایت۔

لیکن اگر کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ ہو یا استطاعت نہ ہو تو واجب نہیں،
 لیکن مختلف حالات میں جائز یا مستحب ہو سکتی ہے اور اس کے تعین میں اہل علم
 کی آراء بھی مختلف ہو سکتی ہیں اور یہ اختلاف آراء اگر خلاص کے ساتھ ہو تو نہ مذموم
 نہ اس میں کسی کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق ہے۔

لیکن چونکہ دین کا مقصود اصلی سیاست نہیں، بلکہ دیانات اور ان کے ذریعے
 رضائے حق کا حصول ہے، جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ
 ہی کے الفاظ میں اس کی تفصیل عرض کی جا چکی ہے، اس لئے ہر قسم کی سیاسی جدوجہد
 شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر ہونی چاہیے۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے
 دین کے کسی معمولی سے معمولی حکم یا تقاضے کو بھی قربان کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ اسی
 وقت ممکن ہے جب جدوجہد کرنے والا پورے اخلاص اور لگہیت کے ساتھ صرف
 دین حق کی سربلندی اور باری تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے یہ جدوجہد
 کر رہا ہو اور محض جاہ و جلال کا حصول اس کا مطمح نظر نہ ہو اور وہ شدید نفسانی
 تقاضوں کے باوجود اپنے آپ کو شریعت کے تابع رکھنے پر قادر ہو، ورنہ سیاست ایسا
 خازن ہے جس میں قدم قدم پر نام و نمود اور جاہ و مال کے فتنے پیدا ہوتے ہیں، نفس و
 شیطان کی تأویلات انسان پر یلغار کرتی ہیں اور بسا اوقات وہ ان تمام محرکات سے

مغلوب ہو کر اُسی راستے پر چل پڑتا ہے جس پر دنیا جا رہی ہے، اور رفتہ رفتہ اسکی سیاست اسلامی سیاست کے بجائے لادینی سیاست ہو کر رہ جاتی ہے۔

سیاسی جدوجہد اور تزکیہ اخلاق :

لہذا اس جدوجہد کی شرط اول یہ ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو۔ اور اس کے جذبات و خیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس سالہ عہد نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ نہ ان میں کوئی جہاد ہے نہ حکومت و ریاست ہے، نہ کسی قسم کی سیاسی جدوجہد ہے، کوئی اگر مارتا اور اذیتیں دیتا ہے تو اس کے جواب میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں اور اس کے بجائے مسلسل صبر کی تعلیم و تلقین کی جا رہی ہے یہ تیرہ سال تعلیم و تربیت اور تزکیہ اخلاق کے سال ہیں، مجاہدات نفس کی اس بھٹی سے گزرنے کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاق و اعمال صیقل ہو چکے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں حکومت و سیاست اور جہاد و قتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ ظاہر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت و قلت اسباب اس کا سبب تھا۔

یہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی، تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہو گئی تھی؟..... نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا..... اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت

کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی، تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے
اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے
اندر اخلاق حمیدہ اخلاص و صبر و تقویٰ کا مل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس
وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوشِ غضب اور انتقام
لنفس کے لئے ہوتا، محض اخلاص اور اعلا کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا اور
اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی
امداد کی جاوے اور حمایت الہی ان کے شامل حال ہو۔ چنانچہ آیت
مذکورہ میں بکلی اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت
الہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں
(اور تقویٰ کے معنی ہیں: احتراز عما نهی اللہ عنہ و امتثال ما
امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی
داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔ مہاجرین
کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذا پر صبر کرنے سے نفس
کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل
ہو گئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن، اہل عیال
اور مال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبت الہی کامل
ہو گئی، اور محبت دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصار مدینہ
نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبت
الہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہو گئے تھے، چنانچہ انصار نے خوش خوش
ان حضرات کو اپنے مکانات و اموال میں شریک کرنا چاہا۔

غرض واقعہ ہجرت سے مہاجرین و انصار دونوں کا امتحان ہو گیا
جس میں وہ کامل اترے۔ اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی گئی
کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے جوشِ غضب اور خواہش

انتقام اور شفا، غیظِ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے اس وقت یہ اس قابل ہونگے کہ حمایتِ الہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو معرکہ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اُس کم بخت نے آپکے چہرہ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینے پر سے کھڑے ہو گئے۔ اور فوراً اسے چھوڑ دیا۔ وہ یہودی بڑا متعجب ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے پر کیوں رہا کر دیا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

”بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا۔ اور جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا، میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔“ وہ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمتِ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ احکامِ الہی کی پروا نہیں کرتے بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیے خواہ

شرعیت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں، صرف میں حلال و حرام کا خیال نہیں، پھر حمایت الہی ان کے ساتھ کیونکر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہیے، بعد کو مسئلہ مسائل دیکھے جائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلہ مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہو سکتی ہے نہ آخروی، اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے۔

(دعوت محاسن اسلام در مجموعہ مواعظ تحاسن اسلام ص ۲۸، مطبوعہ ملتان)

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے، اس دوران ایک صاحب نے یہ پیش کش کی کہ ہم آپ کو امیر المؤمنین بناتے ہیں آپ ہماری قیادت فرمائیے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پیش کش کا مناسب جواب دینے کے بعد فرمایا:

”سب سے پہلے جو امیر المؤمنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور و غل بند۔ ان دس سالوں میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ جب یہ قابل اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا۔“

(الافاضات الیومیہ ص ۷۶ ج ۳ ملفوظ ۸۹ ملقب بہ تدبیر الافلاح)

اگر ہم حقیقت پسندی سے اپنے حالات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس اقتباس میں ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اگر آج ہماری سیاست کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مٹی زندگی کے تیرہ سال کی چھلانگ لگا کر پہلے ہی دن سے مدنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تیار کئے بغیر اصلاح قوم کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جھنڈا کس طرح پکڑا جاتا ہے؟ نہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ اسے سر بلند رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ نہ ہم نے اس کام کی کوئی تربیت حاصل کی ہے۔ بس ہم نے کچھ دوسری قوموں کو اپنے سیاسی مقاصد کے

حصول کے لئے جھڑا اٹھائے دیکھا تو انہی کی نقالی ہم نے بھی شروع کر دی، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا طرز و انداز ہماری کوششوں کا طریق کار، ہماری اختیار کی ہوئی تدبیریں تقریباً سب کی سب وہ ہیں جو ہم نے دوسری قوموں سے مستعار لی ہیں اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر صحیح طریقے سے پرکھے بغیر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ان طریقوں سے لادینی سیاست کامیاب ہو سکتی ہے تو اسلامی سیاست بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی سیاست کو لادینی سیاست پر قیاس کرنا کھجور کے درخت کو کنویں پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔

سیاسی تدبیریں :

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں جاہجی اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کے موافق ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے طریق کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور ان کی خلاف ورزی کر کر کے اسلامی حکومت قائم کرے گا تو وہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہے جس کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس طرح کوئی حکومت اس نے قائم کر بھی لی تو وہ اسلامی حکومت نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا دھوکہ ہو گا۔

جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ناقابل انکار دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے اسلام میں سیاست و حکومت بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اصل شریعت کی اتباع اور اس کے نتیجے میں رضائے حق کا حصول ہے، اس لئے یہ طرز فکر اسلام کے دائرے میں نہیں کھپ سکتا کہ اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں اسلام کے بعض احکام کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے جزوی شرعی احکام کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ اس کے بجائے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرے اور ہر اس طریقے سے اپنا دامن بچائے جس سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ مسلمان کی کامیابی کا راز اتباع شریعت میں ہے۔ اسی پر نصرت الہی کا وعدہ ہے لہذا کامیابی ان شاء اللہ اسی طریقے سے ہوگی۔ اور اگر بالفرض کسی شرعی حکم کی پابندی کی وجہ

سے ظاہر کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکے، تب بھی مسلمان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں، نہ اس ناکامی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور نہ اس سے آخرت میں اس ناکامی پر باز پرس ہوگی۔ اگر وہ شریعت کے فرمان پر چل رہا ہے تو وہ پوری طرح کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر کا مستحق ہے اور اس کی زندگی کا اصل مقصد پوری طرح حاصل ہے۔

لہذا سیاسی جدوجہد کے دوران ہر تدبیر اور ہر اقدام کے بارے میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ کسی تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اس تدبیر کا موجودہ سیاست کی دنیا میں رواج عام ہے یا وہ سیاسی تحریکوں میں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے، اور اسے آج کی سیاست میں ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

اگر وہ اصول شرعیہ کے اعتبار سے جائز نہ ہو، یا شرعی مفاسد پر مشتمل ہو تو خواہ موجودہ سیاست کے علمبردار اسے کتنا ہی ضروری کیوں نہ سمجھتے ہوں، اسے ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ سیاست مقصود نہیں، شریعت کی اطاعت مقصود ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکباز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مؤثر سے مؤثر تدبیریں صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ وہ شریعت کے خلاف تھیں۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب حق و باطل کا پہلا فیصلہ کن معرکہ درپیش تھا، اور تین سو تیرہ بے سروسامان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکرا لینے جا رہے تھے تو ایک ایک شخص کی بڑی قدر و قیمت تھی اور قدرتی طور پر نفری میں ٹھوڑا سا اضافہ بھی کامیابی میں مؤثر ہو سکتا تھا اس موقع پر حضرت خذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جاں نثار صحابی اور ان کے والد نے لشکر میں شامل ہونا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بنا پر جہاد میں

شامل ہونے سے روک دیا کہ آتے وقت انہیں کفار نے گرفتار کر لیا تھا، اور اس وعدے پر چھوڑا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہاد کی شرکت سے روکتے ہوئے فرمایا:

نفی لہم بعہدہم ونستعین اللہ تعالیٰ علیہم۔

ہم ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور انکے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶، ج ۲، سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۲، ۳۶۳ ج ۲ والاصابۃ ص ۲۲ ج ۲)

اسی غزوے میں ایک نہایت تجربہ کار مشرک شخص نے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی میں مشہور تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونا چاہا، لیکن یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا اور اس پہلے معرکے میں کسی کافر کی مدد لینا اسلام کو گوارا نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت حکم یہی تھا کہ کافروں سے مدد نہ لی جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی لڑائی میں شامل کرنے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

ارجع ، فلیستعین بمشركہ

میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا۔

(جامع ترمذی، کتاب التیراب فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین)

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بعد کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کارومیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ رومی لوگ بے خبری میں تھے اس لئے پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحانہ آگے بڑھتے رہے اتنے میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک کر انہیں ایک حدیث سنائی جس کی رو سے یہ حملہ شرعاً جائز نہیں تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ چونکہ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد

ہوا ہے اس لئے یہ عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔ لیکن حدیث سنتے ہی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اپنے پورے شکر کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

(جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغدر)

جو سالار شکر اپنی کامیاب تدبیر کے بعد فتح کے نشے میں آگے بڑھ رہا ہو، اس کے لئے اپنی یلغار کو روکنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ مفتوحہ علاقہ بھی واپس کر دے۔ لیکن مقصد چونکہ سیاست و حکومت نہیں، اطاعت شریعت تھا، اس لئے تدبیر کے ناجائز ہونے کا علم ہوتے ہی اس ساری تدبیر سے دستبردار ہو گئے۔

غرض ہماری تاریخ ایسی درخشاں مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں مسلمانوں نے مؤثر سے مؤثر تدبیر کے لئے بھی شریعت کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہیں کی بلکہ اسے ترک کر دیا۔

لہذا اسلامی سیاست میں جدوجہد کی تدبیروں کا شرعاً جائز ہونا ضروری ہے لیکن آج کل عموماً سیاسی جدوجہد کے دوران یہ پہلو نظروں سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے جو تدبیریں لادینی سیاست کے علمبردار اختیار کئے ہوئے ہیں اور جن کا رواج عام ہو چکا ہے انہیں یہ دیکھے بغیر اختیار کر لیا جاتا ہے کہ یہ تدبیریں اپنے تمام لوازم کے ساتھ جائز بھی ہیں یا نہیں؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے سیاسی جدوجہد کے کئی مروجہ طریقوں پر شرعی نقطہ نظر سے بحث فرمائی ہے اور ان کے شرعی حکم کو واضح فرمایا ہے۔

بائیگاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم :

مثلاً حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے آج کل ہڑتالوں کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اگر بات صرف اس حد تک ہوتی کہ لوگ اپنی خوشی سے احتجاجاً کاروبار بند کر دیں تو دوسرے مفاسد کی عدم موجودگی میں اسے ایک مباح تدبیر کہا جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

بائیگاٹ یا نان کو آپریشن، یہ شرعاً افراد جہاد میں سے نہیں، دلائل میں ملاحظہ کیا جائے، بلکہ مستقل تدابیر مقاومت کی ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں۔

(الروضۃ الناضرة، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۰)

لیکن ایسی ہڑتال جو لوگوں نے کلیۃً اپنی خوشی سے کی ہو، آج عملاً دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے، اکثر و بیشتر تو لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے برخلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر کوئی حصہ نہ لے تو اس کو جسمانی اور مالی اذیتیں دی جاتی ہیں سنگباری اور آتش زنی تو ہڑتال کا لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے لوگوں کے لئے اپنی ضرورت سے چلنا پھرنا مسدود کر دیا جاتا ہے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کی ایذا رسانیوں کے خوف سے اپنا کاروبار بند رکھتے ہیں اور جو ضرورت مند شخص باہر نکلنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو وہ ہر وقت جانی و مالی نقصان کے خطرے میں رہتا ہے اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے، بعض مرتبہ مریض علاج کو ترس ترس کر رخصت ہو جاتے ہیں اور بہت سے غریب لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام باتیں ہڑتال کا ایسا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں کہ ان کے بغیر کسی کامیاب ہڑتال کا تصور نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں شرعاً حرام و ناجائز ہیں اور جو چیزان حرام و ناجائز باتوں کا لازمی سبب بنے وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ لہذا حضرت حکم الامت قدس سرہ نے ہڑتال کے مروجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔ تحریکات خلافت کے زمانے میں ”ترک موالات“ کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے انہیں ہڑتال بھی داخل تھی۔ ترک موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے چنانچہ اہل تحریک نے ایسی دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضا کار مقرر کر دیئے تھے جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اور اس تجارت کے بند کرنے سے اسکے اہل و عیال پر فاقوں کی نو آجائے۔ حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے،

ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں

کے سب اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ اہل حرب تک کے ساتھ

بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ۔

دوسری ہے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ بدون قانون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں تراضی متعاقدین شرط ہے۔

قیسای سے نہ ماننے والوں کو ایذا دینا، جو ظلم ہے، چوتھے اہل و عیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے، پانچویں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو شریعت کی تغیر و تحریف ہونا.....“

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسمیں بھی وہی خرابیاں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئیں، اور اگر ان احتجاجات مذکورہ میں شرکت نہ کرنے پر ایذا جسمانی کی بھی نوبت آجائے تو یہ گناہ ہونے میں اضرار مالی سے بھی اشد اور منافی اقتضائے اسلام ہے پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانون حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ کہ اپنی آزاد کی تو کوشش کریں، اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں۔“

(معاملۃ المسلمین - افادات اشرفیہ ص ۲۷، ۲۸)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ”تلیین العرائک“ کے نام سے لکھا ہے، جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے۔ لیکن اس میں مطلق ہڑتال کے بارے میں بھی اصولی بحثیں آگئی ہیں۔ اس رسالے کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہڑتال کا مروجہ طریق کار شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص ۲۰۱ ج ۶)

بھوک ہڑتال:

اسی طرح مطالبات منوانے کے لئے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا تھا:

”اگر کوئی گرفتار ہو جائے اُن میں سے بعض لوگ جیل جانے میں مقاطعہ

جوئی کرتے ہیں یہاں تک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی ہے۔“
حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا :
”اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے۔“

قال اللہ تعالیٰ : ولا تقتلوا انفسکم،

وفي الهدية كتاب الاكراه، فبأثم كما في حالة المخصصة،
وفي العناية : فامتناعه عن التناول كما امتناعه من تناول
الطعام الحلال حتى تلفت نفسه او عضوه، فكان اثمًا الخ
اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر
حالت اضطرار میں اندیشہ مرجانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ
سکتی ہو تو اسکا نہ کھانا اور جان دیدینا معصیت ہے، چہ جائیکہ طعام
حلال کا ترک اور اس فعل کی مدح کرنے میں تو اندیشہ کفر ہے کہ
صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم کہتی ہو یہ
اس کو محمود کہتا ہے۔“

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۲۸، ۲۹، نمبر ۶)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :

”یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت واقع ہو جائیگی

تو وہ موت حرام ہوگی۔“ (الافاضات الیومیۃ ص ۳۰ ج ۳ ملفوظ نمبر ۱۳)

پبلسٹی کے مروجہ ذرائع :

آج کی سیاست میں پبلسٹی اور پروپیگنڈے کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے
اور اس سلسلے میں عموماً مغربی سیاست کے ایک مشہور نمائندے گوبلز کے اس مقولے
پر عمل کیا جاتا ہے :

”جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ بولو کہ دنیا اسے سچ جان لے“

آج کل کی حکومتیں ہوں یا لادینی سیاسی جماعتیں وہ تو اس اصول پر عمل
کرتی ہی ہیں لیکن بسا اوقات اسلام کے لئے سیاسی جدوجہد کرنے والے حضرات
بھی چھائے ہوئے ماحول سے متاثر ہو کر پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے مروجہ ذرائع کو

استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی طرف یا تو دھیان نہیں جاتا یا پھر وہی نظریہ کار فرما ہوتا ہے کہ سیاست کی اصلاح ایک بلند مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے چھوٹے چھوٹے امور کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

غلط بیانی تو حرام ہے ہی لیکن سیاسی مخالفین کی بلا وجہ غیبت، ان کے خلاف ناجائز بدگوئی، ان پر بہتان و افتراء اور تحقیق کے بغیر افواہیں پھیلانا، یا ان پر تحقیق کے بغیر یقین کرنا یہ سب باتیں ہیں جو ہماری سیاسی تحریکات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہو گئی ہیں اور ان کی وجہ سے افتراق و انتشار، پارٹی بندیوں اور فتنہ و فساد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں اس طریق کار پر بھی تنقید فرمائی ہے اور ایسی سیاسی تدبیروں کو ناجائز اور واجب ترک قرار دیا ہے جو ان مفسد پر مشتمل ہوں۔

اسی طرح جلسے جلوس بھی سبب اور اپنے نقطہ نظر کو عوام تک پہنچانے کا اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، لیکن ان میں بھی بعض اوقات احکام شرعیہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی، اس کو تو ممنوع ہی کہا جاوے گا۔ خصوص جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ وہاں تو الضرورات تبیح المحظورات کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہڑتالیں ہیں، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپے کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا، کھلے مفسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟

”ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امداد حق کی ہو؟

تو فرمایا :

ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی، دوسرے نام مشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہو جاتا۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۶ ج ۵، ملفوظ نمبر ۱۵۲)

مروجہ سیاسی تدابیر کے بارے میں ایک اور موقع پر آپ نے اپنا نقطہ نظر واضح فرمایا ہے، آپ سے پوچھا گیا تھا:

”جتنے (حکومت کے) مقابلے کے لئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں، خاموش مقابلہ کرتے ہیں، اگر حکومت کی طرف سے تشدد بھی ہو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا۔ ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

”عقلی دوہی احتمال ہیں، یا تو مقابلے کی قوت ہے، یا قوت نہیں، اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنی؟ مقابلہ کرنا چاہئے۔ اور جب مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ صورت عدم قوت کی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، تو عدم قوت کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی کہ خود ضرب جس میں مبتلا ہو شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ بجائے ایسے مخترع مقابلے کے مکارہ (ناگوار امور) پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

اس وقت سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پر کوئی بڑا نہیں، نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہو سکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں۔ اگر امام ہو تو سب کام ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس کے حکم سے میدان میں جاویں، اگر جان بھی جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں اور یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے جا کر قتل ہو جاویں، یہ کوئی انسانیت ہے؟ اصل بات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ خیر القرون میں دوہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ، اور عدم قوت کے وقت صبر۔ اس کے سوا سب من گھڑت تدابیر ہیں۔ اس لئے ان میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی، اور جب خیر و برکت نہ ہو اور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہو جائیں تو اس کامیابی پر کیا خوشی جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف

تدابیر اختیار کر کے کامیابی حاصل کی جاوے، اور حسّی کامیابی کا ہونا تو کوئی بحال کی بات نہیں۔ اس لئے کہ ایسی کامیابی کا فروں کو بھی ہوجانی ہے اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو مگر خدا راضی ہو، اور اگر حکومت ہوئی اور ان کی مرضی کے خلاف ہوئی، وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا؟ بس ان کے راضی کرنے کی فکر کرو، ان سے صحیح معنوں میں تعلق جوڑو، اسلام اور احکام اسلام کی پابندی کرو۔ ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا، اب خدا کے سامنے سر رکھ کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضرورت مانگ کر بھی دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے؟

(الافاضات الیومیۃ ص ۱۶۸، ۱۶۹ ج ۵ ملفوظ نمبر ۱۹۰)

حکومت کے ساتھ طرزِ عمل :

اسلام نے اپنے احکام میں اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی اتباع کی جائے، اگر حاکم وقت کی طرف سے خلاف شرع امور کا حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ جب تک اکراہ کی شرعی حالت متحقق نہ ہو شریعت کے احکام پر عمل ضروری ہے، اس راستے میں جتنی تکلیفیں پیش آجائیں ان پر صبر کرنا چاہیے کہ وہ موجب اجر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حاکم شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے تو اُسے راہِ راست پر لانے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کی شرائط کے ساتھ انجام دینا بھی ضروری ہے اور ضرورت کے وقت اس کے سامنے اظہارِ حق بھی جسے حدیث میں ”افضل الجہاد“ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام کام شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں بشرطیکہ شرعی حدود میں ہوں اور پیش نظر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور دینِ حق کی تبلیغ و نصرت ہو، محض اپنی بہادری جتانا، لوگوں سے داد حاصل کرنا یا خود طلب اقتدار پیش نظر نہ ہو۔

لیکن آج کی سیاسی فضا میں یہ معاملہ بھی شدید افراط و تفریط کا شکار ہے جو لوگ ”حزبِ اقتدار“ سے وابستہ یا حکومت کے طرفدار ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں حکومت کی تعریفوں کے پُل باندھے رکھتے ہیں اور اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی

تائید و حمایت کرتے ہیں۔ حکومت کے ناجائز یا ظالمانہ اقدامات کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں پھر بھی خاموش رہتے ہیں اور ان کی تاویلات تلاش کرتے رہتے ہیں جو صریح مدہانتی، اور بعض لوگ تو ان ناجائز اقدامات کی حمایت کے لئے تحریف دین تک سے دریغ نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف جو لوگ ”حزب اختلاف“ سے وابستہ یا حکومت کے مخالف ہیں، وہ ”حکومت کی مخالفت“ کو بذاتِ خود ایک مقصد بنا لیتے ہیں۔ اور اسے سیاسی فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتے ہیں کہ وہ حکومت کی ہر بات میں کیرٹے نکالیں اور اس کی کسی اچھائی کا اعتراف نہ کریں۔ اس طرز عمل کا مقصد بسا اوقات حق کی نصرت کے بجائے حکومت کو بدنام کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرنا اور عوام سے بہادری کی داد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

عوام میں بھی حکام کو وقت بے وقت بُرا بھلا کہنے اور انہیں گالیاں تک دینے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ جلوسوں میں سربراہان حکومت کو ”کتا“ اور ”سور“ تک بنا کر ان کے خلاف ہائے ہائے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مجلسوں میں ایک مشغلے کے طور پر حکام کا ذکر کر کے ان کی بُرائیاں کی جاتی ہیں جو کسی معقول وجہ کے بغیر ہونے کی وجہ سے غیبت میں تو داخل ہیں ہی، بعض اوقات افتراء اور بہتان کی حدود میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو بُرا کہنا غیبت میں داخل نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس طرز عمل پر بھی تنقید فرمائی ہے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”حجاج بن یوسف اس اُمت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے، مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کرے گا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا“

(مجالس حکیم الامت ص ۹۲، ملفوظات رمضان ۱۳۲۸ھ)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر حکام کی علی الاعلان اہانت شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے فرماتے ہیں :

” سلاطین اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور کا، ہدیت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں ، اس لئے سلاطین اسلام کا احترام کرنا چاہیے“
(انفاس عیسیٰ ص ۳۷۵ ج ۱ - باب ۲)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات درحقیقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی شرح ہے جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے :

من اراد ان ينصح لذي سلطان بما مرفلا يبد له علانية .
ولكن لياخذ بیده فيخلو ابيه فان قبل منه فذاك والا
كان قد ادى الذي عليه ،

”جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس نصیحت کو علانیہ ظاہر نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لیجائے اگر وہ اس کی بات قبول کر لے تو بہتر ورنہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا“

(مجمع الزوائد ص ۲۲۹ ج ۵ - بحوالہ مسند احمد و رجالہ ثقات)

ایک اور وعظ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ ہو کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں ، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی ، اور پسندیدہ تدبیر نہیں ، اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے ، فرماتے ہیں :

”لا تسبوا الملوك“

یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو ، ان کے قلوب میرے قبضے میں ہیں میری اطاعت کرو ، میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کر دوں گا“

(وعظ الصبر ص ۳۶ ، مأخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۲۲)

جس حدیث کی طرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وہ مختلف

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ میں مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے یہ الفاظ مروی ہیں :

”لا تشغلوا قلوبکم بسبب الملوك، ولكن تقرّبوا الى الله تعالى بالدعاء لهم يعطف الله قلوبهم عليكم“

”اپنے دل بادشاہوں کو برا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو۔ بلکہ انکے حق میں دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ فرمادیں گے۔“

(کنز العمال ص ۲ ج ۶ حدیث ۹ بحوالہ ابن النجار)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں :

ان الله يقول: انا الله لا اله الا انا، مالك الملك ومالك الملوك قلوب الملوك بيدى، وان العباد اذا اطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرفقة والرحمة، وان العباد اذا عصوني حولت قلوبهم عليهم بالسخط والنقمة، فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسكم بالدعاء على الملوك، ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر والتضرع اكمم ملوككم۔

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت و رافت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ انھیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ لہذا تم بادشاہوں کو بدعائیں دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعا و تضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا۔“

(مجمع الزوائد ج ۲۹ بحوالہ طبرانی، وفیہ براہیم بن راشد، وہو متروک)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں :

لَا تَسْبُوا الْأُمَّةَ وَادْعُوا اللَّهَ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ فَإِنَّ صَلَاحَهُمْ لَكُمْ صَلَاحٌ -

”اُمّہ (سربراہان حکومت) کو بُرا بھلا نہ کہو، بلکہ ان کے حق میں نیکی کی دعا کرو۔ کیونکہ ان کی نیکی میں تمہاری بھلائی ہے۔“

(السراج المنیر للعزیزی ص ۲۱۱ ج ۲، وقال: اسنادہ حسن)

بہر صورت! حکام کو بلا ضرورت بُرا کہنے کو مشغلہ بنا لینا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، اگر وہ اتنے بُرے ہوں کہ ان کے خلاف خروج (بغاوت) جائز ہو تو پھر شرعی احکام کے مطابق خروج کیا جائے (جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے) لیکن بدگوئی کو شیوہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ غیبت کے نقصان کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بدگوئی کے ایک اور نقصان کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ حکومت کی فی الجملہ ہیبت امن و امان کے قیام کے لئے ضروری ہے اور جب یہ ہیبت دلوں سے اُٹھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ مجرموں کی بے باکی کی صورت میں نکلتا ہے، ملک میں بد امنی پھیلتی ہے اور اس کا نقصان پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کج خلاف چارہ کار

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال، بھوک ہڑتال اور احتجاج کی مروجہ بیشتر صورتوں کو درمیان سے نکال دیا جائے تو موجودہ حکومتوں کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف اُمت کے پاس چارہ کار کیا رہ جاتا ہے؟ کیا موجودہ حکومتوں کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کو پامال کرتی رہیں؟ لوگوں کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کیلئے حکومت کی پوری مشینری کو استعمال کرتی رہیں؟ تعلیم گاہوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ غیر اسلامی نظریات کی ترویج جاری رہے، اور جو مسلمان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ زبانی وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ کریں؟ جبکہ آج کل کی حکومتوں کا تجربہ ہے کہ وہ زبانی وعظ و نصیحت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتیں اور جب تک ان پر احتجاج

کا ڈباؤ نہ ڈالا جائے اس وقت تک وہ کسی مطالبے کو عموماً تسلیم نہیں کرتیں۔
 اس سوال کا جواب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ مغربی سیاست کے رواج عام کے سبب ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ احتجاج کا طریقہ ہڑتالوں، جلوسوں اور مظاہروں ہی میں منحصر ہے حالانکہ ایک مسلمان کو احتجاج کا طریقہ بھی خود اپنے دین کے احکام ہی سے لینا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اگر حکومت کے یہ غیر اسلامی اقدامات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جہاں حکومت کے خلاف خروج (سُلع بغاوت) جائز ہو جائے وہاں تو خروج کے احکام جاری ہوں گے (جن کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن جہاں خروج جائز نہ ہو وہاں وعظ و نصیحت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس احتجاج کا ایک طریقہ ایسا ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا ہے اور وہ طریقہ ہے :

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق

”خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“

اور یہ طریقہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہے۔
 حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

خذوا العطاء ما دام عطاء، فاذا صار رشوة على الدين فلا
 تأخذوه ولستم بتاركيه يمنعكم الفقر والحاجة الا ان رجا
 الاسلام دائرۃ فذروا مع الكتاب حيث دار، الا ان الكتاب
 والسلطان سيفترقان فلا تفارقوا الكتاب، الا انه سيكون
 عليكم امران يقضون لانفسهم ما لا يقضون لكم فان عصيتهم
 قتلوكم، وان اطعتموهم اضلوكم قالوا: يا رسول الله كيف
 نصنع؟ قال: كما صنع اصحاب عيسى ابن مريم نشروا
 بالمناسير وحملوا على الخشب، موت في طاعة الله خير
 من حياة في معصية الله۔

”تنخواہ اس وقت تک بوجہ تک وہ تنخواہ رہے، لیکن اگر وہ دین

(فروشی) کے اوپر رشوت بن جائے تو نہ لو، اور تم فقرا اور حاجت کے خوف سے اسے چھوڑ دے نہیں، خوب سن لو کہ اسلام کی چکی چل چکی ہے لہذا قرآن جہاں بھی جائے تم اس کے ساتھ جاؤ۔ خبردار! قرآن اور اقتدار دونوں الگ الگ ہو جائیں گے، ایسے میں تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا، یاد رکھو کہ تم پر کچھ ایسے امرائیں گے جو اپنے حق میں وہ فیصلے کریں گے جو تمہارے حق میں نہیں کریں گے۔ اگر تم نے ان کی خلاف ورزی کی تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے اور اگر تم نے انکی اطاعت کی تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسے میں کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی کرو جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھیوں نے کیا، ان کو آروں سے چیر دیا گیا، اور لکڑیوں پر سولی چڑھایا گیا، اللہ کی اطاعت میں موت آجائے تو وہ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۳۸ ج ۵ بحوالہ طبرانی و قال الہیثمی: یرید بن مرشد لم یسمع من

معاذ والوضین بن عطاء وثقة ابن حبان وغیرہ وضعفہ جماعة وبقیة رجالہ ثقات)

اس حدیث نے واضح فرمادیا کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری کئے جائیں جو اللہ کی کتاب کے صراحتہ خلاف ہوں (جن میں اسلام کے تمام قطعی اور منصوص احکام داخل ہیں) تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی کرے یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اور اخروی نجات کا راستہ ہے وہاں ہمیں جماعی اصلاح کی بھی زبردست صلاحیت ہے کیونکہ اب اگر عوام میں یہ عام دینی شعور پیدا کر دیا جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنفیذ میں حصہ نہ بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، غور فرمائیے کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعور کے تحت یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ بینکوں کے سودی کھاتوں میں رقمیں نہیں رکھوائیں گے۔ ملازمین یہ طے کر لیں کہ وہ سودی بینکوں کی ملازمت چھوڑ دیں گے اور تجارت یہ طے کر لیں کہ وہ کسی بینک سے سود پر قرض نہیں لیں گے۔ تو کیا یہ سودی نظام ایک ن باقی رہ سکتا ہے؟ اگر مسلمان حج یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اسکے لئے ملازمت چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دیں گے وکلاریہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے

خواہ انھیں کتنے مالی فوائد سے ہاتھ دھونے پڑیں تو کیا یہ غیر اسلامی قوانین عوام کے سروں پر مسلط رہ سکتے ہیں؟ اگر مسلمان سرکاری ملازمین یہ عزم کر لیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر اسلامی اقدام کی تنفیذ میں حصہ دار بننا گوارا نہیں کریں گے اور اگر انھیں ایسا کرنا پڑا تو وہ ملازمت سے مستعفی ہو جائیں گے تو کیا یہ غیر اسلامی اقدامات باقی رہ سکتے ہیں؟

احتجاج کے مروجہ طریقوں کے مقابلے میں اس تجویز میں صرف یہ خرابی ہے کہ یہ مغربی سیاست کے ٹکسال سے ڈھل کر نہیں نکلی اس لئے ذہنوں کے لئے اجنبی اور نامانوس ہے لیکن اگر اس تجویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لیا جائے تو اس میں ملک کا نظام بدلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ مروجہ تدابیر کے مفاسد سے بھی خالی ہے ہاں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ نفاذ اسلام کی جدوجہد کرنے والوں کے دل میں خدا کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس اور اتباع شریعت کی لگن موجو ہو۔ اور وہ پہلے اپنی ذات پر اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے تیار ہوں۔

اس کے برعکس مروجہ طریق کار لوگوں کو اس لئے آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی ذات پر اسلام کی کوئی پابندی عائد کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے، جس شخص کی ذاتی زندگی اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے خالی ہو، وہ بھی نفاذ اسلام کا جھنڈا بلند کر کے سڑکوں پر نعرے لگا سکتا ہے، اس طریق کار میں ”اسلامی جذبے“ کے اظہار کے لئے ایک دن ہڑتال میں حصہ لے لینا کافی ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد دکانوں اور دفتروں میں بیٹھ کر خالص غیر اسلامی معاملات اپنے ہاتھوں سے طے کئے جا رہے ہوں تو اس سے اس جدوجہد پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنی ذاتی زندگی پر اسلامی احکام نافذ نہ کر سکتے ہوں وہ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لئے ان کی جدوجہد اور ان کے مطالبات پورے ہو جائیں گے؟ اس عظیم کام کے لئے اتنی شرط تو ہونی چاہیے کہ جو لوگ اس جدوجہد کا بیڑا اٹھائیں کم از کم وہ تو اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہوں اور اس راہ میں جان و مال اور جذبات و مفادات کی قربانی پیش کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اگر یہ بنیادی شرط ہی مفقود ہے تو نفاذ اسلام کی جدوجہد کی حیثیت و اہمیت ایک بے جان اور سطحی شورش سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

حکومت کے خلاف خروج :

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کو شدید جرم قرار دیا ہے اور باغی کی سزا موت قرار دی ہے۔ چنانچہ اس بات پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے۔

حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت کس وقت جائز ہوتی ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء اُمت نے کافی مفصل بحثیں کی ہیں، یہ بات تو احادیث سے واضح ہے کہ اگر حکمران سے کفر بواح (وضوح کفر) کا صدور ہو جائے تو اسکے خلاف بغاوت بالکل برحق ہے لیکن اگر اس سے فسق و فجور سرزد ہو تو اس صورت میں عموماً فقہاء رحمہم اللہ بغاوت کو جائز نہیں کہتے کیونکہ حدیث میں صرف کفر بواح کی صورت میں بغاوت کی اجازت دی گئی ہے۔

لیکن دوسری طرف بعض احادیث کے کچھ الفاظ اس کے خلاف بھی نظر آتے ہیں جن سے حکمران کے فسق کی صورت میں خروج کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اسی بنا پر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں بھی کچھ متضاد سی نظر آتی ہیں۔ خود راقم الحروف کو اس مسئلے میں ایک مدت تک بہت اشکال رہا، اور کوئی منقح بات سامنے نہیں آئی۔

لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع مفصل اور مدلل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو امداد الفتاویٰ کی پانچویں جلد میں ”جزل الکلام فی عزل الامام“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کو یکجا جمع کر کے اس مسئلے کو اتنا منقح فرما دیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر بحث احقر کی نظر سے نہیں گزری، حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسئلے کی تمام صورتوں کا تجزیہ فرما کر ہر صورت کا حکم احادیث اور فقہی حوالوں کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

حضرت رحمہم اللہ تعالیٰ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے۔

① حکمران کا فسق اسکی ذات کی حد تک محدود ہو، مثلاً شراب نوشی وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے :

”اگر بدو کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو، جدا کر دیا جائے، اگر فتنے

کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے.... اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خرچ کرے تو عامۃً مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام حکم بھی کرے، لقولہ فی العبارة السادسة فاذا خرج جماعة مسلمون الخ

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو یعنی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے لینے لگے، لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہو۔ جیسے مصالحو سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس کی اطاعت ہی واجب ہے خروج جائز نہیں۔

(۳) ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو اس کا حکم یہ ہے: ”اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا، اگرچہ قتال کی نوبت آجائے..... اور صبر بھی جائز ہے۔ بلکہ غالباً اولیٰ ہے.....“

(۴) لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے، مگر اس کا منشأ دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری ہونگے جو فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔

(۵) لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے، اور اس کا منشأ دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی ہو تو یہ کفر ہے،

یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشأ استخفاف وغیرہ نہ ہو لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المسأل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جاوے گا تو ایسا اکراہ بھی حکم کفر ہے اور ان تمام صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو کفر بواح کا ہے اور جو چھٹی صورت میں آ رہا ہے۔

(۶) نعوذ باللہ! کافر ہو جائے، اس کا حکم یہ ہے: ”معزول ہو جاوے گا اور اگر جدانہ ہو تو بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو، مثل رؤیت عین کے نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجے میں،

كما دل عليه قوله عليه السلام الا ان تزوا

المراد به رؤية العين بدليل تعديته الى مفعول واحد“
 کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت
 مزان مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے۔
 اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے، اسی طرح کبھی اجماع
 مختلف فیہ ہو سکتا ہے..... اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں
 معذور ہوگا۔

اسی طرح ایک اور صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مسامحہ
 وہ یہ کہ عبارت خامسہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضرتین کے
 تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلفہ کے
 اخف و اشد ہونے میں مختلف ہو۔ وبہ یحل کثیر من الاشکالات
 من اختلاف جماعات الشقات فی مثل هذه المقامات۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۲۰-ج ۵)

پھر جن صورتوں میں خروج کی اجازت یا وجوب بیان کیا گیا ہے ان میں شرط
 یہ ہے کہ خروج کے لئے مناسب قوت موجود ہو۔ اور اس کے نتیجے میں کسی اور بدتر حکمران
 کے مسلط ہو جانے یا کسی غیر مسلم طاقت کے قبضہ جمالینے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہاں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کا نہایت اجمالی خلاصہ پیش کیا گیا ہے ورنہ حضرت
 رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت کے حکم کو حدیث اور فقہ کے لائل سے مبرہن فرمایا ہے اور تمام
 ممکنہ شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ اہل علم کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید اور
 اطمینان بخش ہے۔

فهذا آخر ما اردنا ايراد في هذه العجالة وأخرد عوانا ان
 الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا ومولانا محمد
 النبي الامين وعلى آله واصحابه اجمعين،

(ماہنامہ ”البلاغ“ شعبان ورمضان ۱۴۱۰ ہجری)





وَأَنْ تَطْعَمَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَضْلُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
(القرآن)

گمراہ از طرز جمہوری غلام بخت کارے شو
کہ در مغز دود و صد خرفکرانے نمی آید
فرنگ آئین جمہوری نہاد ست
رسن از گردن دیو کے کشاد ست

رفع النّقَابِ عن وَجْهِ الْاِنتِخَابِ

● جمہوریت اسلامیہ

● عورت کی سربراہی کی حرمت کے بارے میں

اکابر علماء کا متفقہ فیصلہ

○ قرآن ○ حدیث ○ فقہ ○ عقل ○ اجماع اُمت

رفع النقاب

مندرجات :

- جمہوریت اسلامیہ
- جمہوریت اسلامیہ و جمہوریت مروجہ میں فرق
- شراط امیر
- طریق انتخاب
- عورت کی سربراہی — اکابر علماء کا فیصلہ
- نصوص قرآنیہ
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
- فقہ مذاہب اربعہ
- عقل سلیم
- اجماع امت
- دلائل ملحدین کے جوابات :
- ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ
- قصہ بلقیس
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
- حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
- تمام مکاتب فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ
- المزید :
- قرآن و حدیث سے مزید دلائل
- ملحدین کی مزید تبلیغات کے جوابات :
- بعض جزئیات فقہیہ
- شجرۃ الدر
- امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ
- امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ

جمہوریتِ اسلامیہ

سوال: اسلام میں طرزِ حکومت شاہی ہے یا جمہوری؟ اگر جمہوری ہے تو طریقِ انتخاب کیا ہے؟

اسلامی جمہوریت میں مسلمانوں کا سربراہ کیسے منتخب کیا جاتا ہے؟ کیا مرد اور عورت سب کو رائے دہی کا حق ہے یا صرف مردوں کو؟ اور کیا صرف اربابِ عقول اور سمجھدار لوگوں سے رائے لی جائے یا سب سے، سمجھدار اور بے سمجھ چودا ہوں اور بے وقوفوں سے بھی؟ جیسا کہ آجکل کے ریفرنڈم کا طرزِ عمل ہے، غرض جن لوگوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں کوئی سمجھ نہیں کہ کون اہلیت رکھتا ہے، کیا ان سے بھی رائے لی جائے یا نہیں؟ بیٹو! متوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام کا طرزِ حکومت جمہوری ہے، جمہوریتِ اسلامیہ اور جمہوریتِ مردہ میں دو قسم کا فرق ہے۔

(۱) جمہوریتِ مردہ میں سربراہ مملکت خود مختار نہیں ہوتا بلکہ مقننہ کے فیصلہ کا پابند ہوتا ہے اور جمہوریتِ اسلامیہ میں امیر المؤمنین خود مختار ہوتا ہے، اہم امور میں اہل حل و عقد سے مشورہ کے بعد جو اس کی رائے میں صواب ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، شوری کے فیصلہ کا پابند نہیں،

قال اللہ تعالیٰ وشارہم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ (۳ - ۵۹)

(۲) جمہوریتِ مردہ میں ہر کس و ناکس کو رائے دہی کا حق ہے مگر جمہوریتِ اسلامیہ میں انتخابِ خلیفہ کا حق صرف اہل حل و عقد کو ہے۔

اہلیتِ حل و عقد کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) عقائدِ اسلام میں رسوخ و مضبوطی۔

(۲) ذکورہ - (۳) علمِ دین میں رسوخ۔

(۴) تقویٰ و تصلب فی الدین۔

(۵) ملکی حالات و سیاسیاتِ حاضرہ میں بصیرتِ تامہ۔

رفع النقاب ————— ۳

دلائل :

① قال الله تعالى وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْرِ أَوْ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَكَوَرَتْهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (۴-۸۳)

جب عمومی مسائل کے لئے اہل حل و عقد کی طرف رجوع کا حکم ہے تو خلافت جیسے اہم و عظیم مسئلہ کے لئے عوام کا لائعام کی طرف رجوع کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟
② وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ج (۴-۵۹)

اس آیت میں اُولی الامر کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) حکام - (۲) اہل حل و عقد -

پہلی آیت میں اُولی الامر سے اہل حل و عقد ہی متعین ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دوسری آیت میں بھی یہی تفسیر رائج ہے -

جب عام معاملات میں اہل حل و عقد کی اطاعت کا حکم ہے تو انتخاب امیر جیسے اہم مسئلہ میں بطریق اولیٰ ان کی اطاعت فرض ہوگی -

③ وَقَالَ تَعَالَى وَإِنْ تَطَعُوا لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَالْأَرْضُ لِلَّهِ (۶-۱۱۶)

④ وَقَالَ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَ إِلَىٰ أَهْلِهَا (۴-۵۸)

اس سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ امیر ایسے شخص کو منتخب کرنا فرض ہے جس میں امارت کی اہلیت ہو، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ عوام پر یہ فرض ہے کہ انتخاب امیر کا مسئلہ خود طے کرنے کی بجائے ایسے اہل حل و عقد کے سپرد کریں جن میں انتخاب کی اہلیت ہو -

⑤ نصوص شرعیہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ انتخاب امیر ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کمال عقل کی ضرورت ہے اور علم دین و تقویٰ کے بغیر عقل کامل نہیں ہو سکتی -

شرائط امیر :

امیر کے لئے اہلیت حل و عقد کی شرائط مذکورہ کے علاوہ چھٹی شرط یہ

رفع النقاب ————— ۴

بھی ہے کہ صاحب ہمت و شجاعت ہو۔
طریق انتخاب امیر:

اسلام میں انتخاب امیر کے تین طریقے ہیں :

- ① بیعت اہل حل و عقد، کما وقع لسیّدنا ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- ② استخلاف، خلیفہ وقت چند اہل حل و عقد سے مشورہ کر کے کسی کے بارے میں وصیت کر دے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے دوسرے اہل حل و عقد سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔

روی ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابابکر الصّدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما مرض دعا عبد الرحمن یعنی ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال له اخبرني عن عمر بن الخطاب، فقال عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تسألني عن امر الا وانت اعلم به مني، قال ابوبكر وان، فقال عبد الرحمن هو والله افضل من رأيك فيه ثم دعا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اخبرني عن عمر، فقال انت اخبرنا به، فقال على ذلك يا ابا عبد الله، فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللهم علمي به ان سريرته خير من علانيته وان ليس فينا مثله، فقال ابوبكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يرحمك الله والله لو تركته ما عدتلك، وشاور معهما سعيد بن زيد ابنا الاعور واسيد بن حضير وغيرهما من المهاجرين والانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فقال اسيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللهم علمي الخيرة بعدك يرضى للرضى ويسخط للسخط الذي ليس خيرا من الذي يعلن ولن يلبى هذا الا من احدث اقوى عليه منه (اسد الغابة ص ۱۶۸ ج ۴) بذريعة استخلاف انعقاد خلافت کی شرائط:

استخلاف ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ بذریعہ استخلاف انعقاد خلافت کے لئے تین شرائط ہیں :

رفع النقاب ————— ۵

- ① خلیفہ اول میں خلافت کی سب شرط موجود ہوں۔
- ② خلیفہ ثانی بھی سب شرط خلافت کا مستجمع ہو۔
- ③ خلیفہ اول نے خلیفہ ثانی کے انتخاب میں اہل حل و عقد سے مشورہ کیا ہو۔
- ④ شوری، خلیفہ وقت چند اہل حل و عقد کی شوری متعین کر کے یہ وصیت کر دے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چھ رکنی شوری متعین فرمائی، اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا،

رواہ الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمر بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ قال (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ما اجد احق بهذا الامر من هؤلاء النفر اوالرہط الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو عنہم راض فسمی علیا وثمان والزبیر وطلحة وسعداوعبدالرحمن ابن عوف، وقال ویشہد کم عبد اللہ بن عمر وليس له من الامر شیء وکھیئة التعزية له فان اصابته الامرة سعدا فهو ذاک والا فلیستن به ایکم ما امر فانی لما عن له من عجز ولا خیانة (وبعد اسطر) فلما فرغ من دفنه اجتمع هؤلاء الرہط فقال عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعلوا امرکم الی ثلثة منکم، قال الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی علی فقال طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عثمان وقال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عبد الرحمن بن عوف فقال له عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایکماتبرأ من هذا الامر فنجعله الیہ واللہ علیہ والاسلام لينظرن افضلهم فی نفسه فاسکت الشیخان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقال عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتجعلونه الی واللہ علی ان لا الی عن افضلکم قال لا نعم فاخذ بیہما فقال لك قرابة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقدم فی الاسلام ما قد علمت

رفع النقاب ————— ۶

فَاللّٰهُ عَلَيْكَ لِنْتٌ اَمْرَتَكَ لَتَعْدِلُنَّ وَلَئِنْ اَمَرْتُ عَثْمَانَ لَشَمَعْنُ لَتَطِيْعُنَّ
ثُمَّ خَلَا بِالْاُخْرَفِ قَالَ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ فَلَمَّا اخَذَ الْمِيثَاقَ قَالَ اَرْفَعُ يَدِيْكَ يَا
عَثْمَانُ فَبَايَعَهُ فَبَايَعَهُ لَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَوَلَجَ اَهْلُ الدَّارِ
فَبَايَعُوهُ (صحيح البخارى ص ۵۲۵ ج ۱)

انتخاب امیر کے یہی تین طریقے ہیں، البتہ انعقادِ خلافت کا ایک چوتھا طریقہ استیلاء
و تغلب بھی ہے، یعنی خلیفہ وقت کی موت کے بعد کوئی شخص جبراً و قہراً مسلط ہو جائے
تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی، اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔
پھر اس کی دو قسمیں ہیں :

① یہ شخص شروطِ خلافت کا مستجمع ہو اور لوگوں کو صلح و حسن تدبیر سے مسائل
کمرے، کوئی ناجائز اقدام نہ کرے۔ یہ قسم جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنه کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی تھی۔

② اس شخص میں شروطِ خلافت نہ ہوں، اور اپنے مخالفین کو قتال اور
دوسرے ناجائز حربوں سے تابع کرے، یہ جائز نہیں، ایسا شخص فاسق اور سخت
گنہگار ہے، مگر اس کے باوجود اس کے تسلط کے بعد اس کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ اسکا
حکم خلاف شرع نہ ہو۔ اسکی مخالفت اور اسے معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔

قال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ انعقاد خلافت بچار طریق واقع شود :
طریق اول بیعت اہل حل و عقد ست از علماء و قضاة و امراء و وجوہ ناسکہ
حضور ایشان میسر شود و اتفاق اہل حل و عقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آن
ممتنع ست و بیعت یکد و کس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمر در خطبہ آخر فرمودہ اند فمن
بايع رجلا على غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو والذى بايعه تخرة ان يقتلا
والعقاد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه بطریق بیعت بودہ است۔

طریق دوم استخلاف خلیفہ است مستجمع شروط را یعنی خلیفہ عادل بمقتضائی نص
مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند و جمع نماید مردمان را و نص کند
باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی۔ پس این شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی
پیدا کند و قوم را لازم ست کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند، انعقاد خلافت حضرت فاروق رضی اللہ

رفع النقاب ————— ۷

تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود -

طریق سوم شوری ست و آن آنست کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را در میان جمعی از مجتمعین شروط و گوید از میان این جماعہ ہر کرا اختیار کند خلیفہ او باشد پس بعد موت خلیفہ تشاو کند و یکی را معین سازند و اگر برای اختیار شخصی را یا جمعی را معین کند اختیار ہماں شخص یا ہماں جمع معتبر باشد، و انعقاد خلافت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت را در میان شش کس شائع ساختند و آخر ہا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے تعیین خلیفہ مقرر شد و وی حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را اختیار نمود -

طریق چہارم استیلاء ست چون خلیفہ بمیرد و شخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف و ہمہ را بر خود جمع سازد بایتلاف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردماں اتباع فرمان او در آنچه موافق شرع باشد، و این دو نوع ست :

یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمی، و این قسم جائز ست در خصت، و انعقاد خلافت معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمیں نوع بود -

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و آن جائز نیست و فاعل آن عاصی ست لیکن واجب ست قبول احکام او چون موافق شرع باشد، و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چون قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، ہمراہ او جہاد می توان کرد، و این انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل او افنائی نفوس مسلمین و ظہور حرج و مرج شدید لازم می آید و بیقین معلوم نیست کہ این شاید مضنی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائے مصلحتی کہ موہوم ست و محتمل، و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اول خلفائی بنی عباس ہمیں نوع بود (ازالۃ الخفای ص ۵ مقصد اول)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی الحجہ ۹۹ھ



رفع النقاب ۸

عورت کی سربراہی — اکابر علماء کا فیصلہ

تحریر: مولانا محمد رفیع عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

قرآن و سنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سو سال سے فقہاء ائمتہ میں مسلمہ اور غیر متنازعہ چلی آئی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جاسکتیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مراتب الجماع“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُن مسائل کو جمع فرمایا ہے جن پر ائمتہ کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں :

واتفقوا ان الامامة لا تجوز لامرأة (مراتب الجماع لابن حزم ص ۱۲۶)

”اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے

جائز نہیں ہے۔“

اس اجماع کی بنیاد قرآن و سنت کے بہت سے دلائل پر ہے جنہیں ہم صراحت کی ترتیب سے ذیل میں پیش کرتے ہیں :

① صحیح بخاری وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحیح سندوں سے

مروی ہے :

لَنْ يُفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَهُمْ امْرَاةٌ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الى کسری وقصر حدیث نمبر ۴۴۲۵، و کتاب الفتن باب الفتنة التي تموج كموج البحر، حدیث نمبر ۷۰۹۹)

”وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کر دے۔“

اسی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایران کے باشندوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنا لیا تھا۔ لہذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

رفع النقاب ————— ۹

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذا كانت امراؤکم خیارکم واغنیاءکم سمحاً کم وامورکم شوری بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنها ، واذا كانت امراؤکم شرارکم واغنیاءکم بخلاء کم وامورکم الى نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظہرہا (جامع الترمذی ابواب الفتن ص ۵۲ ج ۲)

”جب تمہارے حکام تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے سخی لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام تم میں بدترین لوگ ہوں، تمہارے دولت مند لوگ تم میں کے بخیل لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔“
یہ حدیث بھی اس قدر واضح ہے کہ اس کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکر کہیں بھیجا تھا، وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی خوشخبری سن کر سجدے میں گر گئے، اور سجدے کے بعد پیغام لانے والے سے تفصیلات معلوم فرمانے لگے، اُس نے تفصیلات بیان کیں :

فكان فيما حدثه من امر العدو كانت تليهم امرأة فقال النبي صلى الله عليه وسلم هلك الرجال حين اطاعت النساء (مستدرک الحاكم ص ۲۹۱ ج ۲ کتاب الادب باب سجدة الشکر)

”ان تفصیلات میں اس نے دشمن کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ ان کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا : ”جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ و برباد ہیں۔“
اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) قرآن کریم کا ارشاد ہے :

رفع النقاب

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ،
(سورۃ النساء)

”مرد عورتوں پر قوام (نگراں، حاکم) ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قوامیت کا مقام مرد کو دیا ہے۔ اگرچہ براہ راست یہ آیت خانگی امور سے متعلق معلوم ہوتی ہے، لیکن اول تو آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو، دوسرے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس صنف کو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے گھر کی ذمہ داری نہیں سونپی، اسکو تمام گھروں کے مجموعے اور پورے ملک کی سربراہی کی ذمہ داری کیسے سونپی جاسکتی ہے؟ لہذا یہ آیت اگر عبارت النص کے طور پر نہیں تو دلالت النص کے طور پر یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی اسلامی ملک کا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا۔

⑤ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورت کا دائرہ عمل واضح طور سے بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے :

وَقَرَّانَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ،

”اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور پچھلی جاہلیت کی طرح بن سنور کر

باہر نہ جاؤ۔“

اس آیت میں واضح طور سے بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری اس کے گھر کی ذمہ داری ہے، اسے باہر کی جدوجہد سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھر کے تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو درحقیقت پوری قوم اور معاشرے کی بنیاد ہے۔ لہذا گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) بحیثیت اصول کسی عورت کو نہیں سونپی جاسکتی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے ہوا تھا، ہر عورت اس کی مخاطب نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اس قدر بدیہی طور پر غلط ہے کہ اس کی تردید کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ اول تو قرآن کریم نے اس جگہ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہوئے بہت سی باتوں کی تاکید

رفع النقاب ————— ۱۱

فرمائی ہے، مثلاً یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، فحش باتوں سے بچیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہوش مند یہ کہہ سکے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے، کسی دوسری عورت کے لئے نہیں ہے، جب یہ سارے احکام تمام عورتوں کے لئے ہیں تو گھر میں قرار سے رہنے کا یہ ایک حکم ہی ازواج مطہرات کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟

دوسرے، اس بات میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے اُمت کی افضل ترین خواتین تھیں اور پوری اُمت کی مائیں تھیں، اگر اسلام میں سیاست و حکومت اور معیشت و اقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون کو سونپنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خاتون اس ذمہ داری کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی تھی۔ جب قرآن کریم نے ان کو ایسی ذمہ داریاں لینے سے منع کر کے انھیں صرف گھر کی حد تک محدود رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ جس وجہ سے ازواج مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ وجہ اس میں موجود نہیں ہے۔

⑥ سورۃ احزاب میں قرآن کریم نے عورت کا جو دائرہ کار بیان فرمایا ہے اسی کی تشریح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی ہے:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ (صحیح البخاری کتاب الاحکام باب ۱، حدیث نمبر ۷۱۳۸،

و کتاب الجمعة باب الجمعة فی القرى والمدن حدیث نمبر ۸۹۳،

مزید دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۰۹، ۲۴۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰)

”اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد پر نگران ہے، اور وہی اس کی ذمہ دار ہے“

اس حدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی ذمہ داری گھر کے نظام کی دیکھ بھال، اولاد کی تربیت اور خانگی امور کا انتظام ہے۔ اس کو گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

⑤ اسلام میں ”حکومت کی سربراہی“ اور ”نماز کی امامت“ دونوں اس درجہ

لازم و ملزوم ہیں کہ ”حکومت کی سربراہی“ کو بھی شریعت کی اصطلاح میں ”امامت“ ہی کہا جاتا ہے، اور ”امام“ کا لفظ جس طرح نماز پڑھانے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح ”سربراہ حکومت“ کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہ حکومت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ امامت کے دونوں معنی میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو ”امامت صغریٰ“ (چھوٹی امامت) اور حکومت کی سربراہی کو ”امامت کبریٰ“ (بڑی امامت) کہتے ہیں۔

ادھر یہ بات طے شدہ ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوٹے درجے کی امامت کی ذمہ داری نہیں سونپی، تو بڑے درجے کی امامت اُس کو کیسے سونپی جاسکتی ہے؟ اسلام میں نماز کا حکومت کی سربراہی سے کس قدر گہرا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ چند مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے :

(الف) زمین کے کسی حصے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان حکمران کا سب سے پہلا فریضہ ”اقامت صلوٰۃ“ کو قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے :

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ أَلَمْ نَقُلْ لَهُمْ أَنْ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنَّهُوَ الزَّكَاةَ وَ
أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ،

”وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں“

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک، بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک یہ متواتر عمل جاری رہا ہے کہ جس مجمع میں سربراہ حکومت موجود ہو، اس میں نماز کی امامت وہی کرتا ہے۔ چنانچہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ نماز کی امامت کا سب سے پہلا حق مسلمان سربراہ حکومت کو پہنچتا ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات کی وجہ سے مسجد میں آنے سے معذور ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمایا، اور اس سے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہی سمجھا کہ ان کو ”امامت صغریٰ“ سپرد کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ”امامت کبریٰ“ یعنی حکومت کی سربراہی کے لئے بھی سب سے زیادہ اہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

مَا غَضِبْنَا إِلَّا لَانَّا قَدْ اخْرَجْنَا عَنْ الْمَشَاوِرَةِ وَاَنَا نَزِيءُ اَبَا بَكْرٍ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاِنَّهُ لَصَاحِبُ الْغَارِ، وَثَانِي اثْنَيْنِ، وَاَنَا نَعْلَمُ بَشْرَفَهُ وَكِبَرَهُ، وَلَقَدْ اَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ (مستدرک الحاکم ص ۶۶ ج ۳ وقال صحيح على شرط الشيخين، واقرة الذہبی)

”ہماری ناگواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سربراہی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں، دو میں سے دوسرے ہیں، ہم ان کے شرف اور عظمت سے واقف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا تھا“ (ج) سربراہ حکومت کے لئے امامت نماز کا استحقاق شریعت میں اس درجہ اہمیت رکھتا ہے کہ نماز جنازہ کی امامت میں سربراہ حکومت کو مرنے والے کے ورثاء پر بھی فوقیت دی گئی ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر نماز جنازہ میں سربراہ حکومت موجود ہو تو نماز کی امامت کا پہلا حق اس کا ہے، اس کے بعد ورثاء کا۔

ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کی سربراہی کے ساتھ نماز کی امامت کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا جو کسی بھی حالت میں امامت نماز کا اہل نہ ہو، اور عورت خواہ تقویٰ اور طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو، چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی، اس لئے اس کو امامت کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی نہیں سونپی جاسکتی۔

(۸) اسلام کے تمام احکام میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر واضح طور سے نظر آتی ہے کہ عورت کو ایک ایسی ”متاع پوشیدہ“ قرار دیا گیا ہے جس کا بلا ضرورت مجمع عام

میں آنا کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا گیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المراة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان (جامع الترمذی)

ابواب النکاح حدیث نمبر ۱۱۸۳

”عورت پوشیدہ چیز ہے، چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔“

اسی لئے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، اور عام مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ:

واذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب (سورة الاحزاب)

”اگر جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔“

اسلام کے وہ بہت سے احکام و شعائر جن کی بجا آوری گھر سے باہر نکلنے پر موقوف ہے، ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً جمعہ کی نماز کتنی فضیلت کی چیز ہے، اور مردوں کو اس میں شامل ہونے کی کس قدر تاکید قرآن و حدیث میں آئی ہے، لیکن ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ:

الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الا اربعة عبد مملوك

او امرأة او صبی او مریض (سنن ابوداؤد باب الجمعة للمملوك

والمرأة حدیث نمبر ۱۰۶۷)

”جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو جماعت کے ساتھ انجام دینا ہر مسلمان

پر واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے: ایک غلام جو کسی کے زیر

ملکیت ہو، دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے بیمار۔“

اس حدیث میں جمعہ جیسے اسلامی شعار سے عورت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح عام حالات میں ہر مسلمان کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے

موقع پر دوسرے مسلمان اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں۔ لیکن خواتین

کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

فھینا عن اتباع الجنائز (صحیح بخاری ص ۱۷۰ ج ۱ باب اتباع

النساء الجنائز)

رفع النقاب ————— ۱۵

”ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا۔“
اسی طرح عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا، اور تاکید کی گئی کہ وہ کسی محرم
کے بغیر سفر نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَّعَدَ مِنَ اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ سَفَرًا يَكُونُ
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبَوْهَا أَوْ اخْوَهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ
ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا (جامع الترمذی کتاب النکاح باب
کراہیۃ ان تسافر المرأة وحدها، حدیث منبر ۱۱۷۹)

”جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے حلال
نہیں ہے کہ وہ تین دن (کی مسافت کا) یا اس سے زائد کا کوئی سفر کرے،
الّا یہ کہ اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم اس کے ساتھ ہو۔“
یہاں تک کہ حج جیسا مقدس فریضہ جو اسلام کے چار ارکان میں سے ایک ہے،
اس کی ادائیگی کے لئے بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور عورت کا تنہا سفر حج پر جانا
کسی کے نزدیک جائز نہیں، ایسی صورت میں اس پر سے حج کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔
مرتے وقت تک ایسا محرم نہ ملے تو حج نہ کرے، البتہ حج بدل کی وصیت کر جائے۔
جہاد اسلام کے ارکان میں سے کتنا اہم رکن ہے؟ اور اس کے فضائل سے قرآن
حدیث بھرے ہوئے ہیں، لیکن چونکہ یہ گھر سے باہر کا کام ہے، اس لئے جہاد کا فریضہ
بھی خواتین سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بعض احادیث
میں مروی ہے :

لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ غَزْوٌ وَلَا جُمُعَةٌ وَلَا تَشْيِيعُ جَنَازَةٍ (مجمع الزوائد
ص ۱۷۰ ج ۲ بحوالہ طبرانی وفيہ حجاہیل والفتح الکبیر للنبہانی ص ۶۱ ج ۳)
”عورتوں پر نہ جہاد فرض ہے، نہ جمعہ، نہ جنازہ کے پیچھے جانا۔“

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جہاد کے شوق
کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال فرمایا کہ :

يَعْنِي وَالرِّجَالُ وَلَا تَغْزِي وَالنِّسَاءُ ،

”مرد جہاد کرتے ہیں عورتیں جہاد نہیں کرتیں؟“

رفع النقاب ————— ۱۶

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ :
 وَلَا تَتَمَتَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ (جامع الترمذی)
 کتاب التفسیر سورۃ النساء حدیث نمبر ۵۰۱۱ و مسند احمد ص ۳۲ ج ۶)
 ”اور ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو
 بعض پر فضیلت دی ہے۔“

یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض خواتین جہاد
 میں زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے ساتھ گئی ہیں، لیکن کہنا یہ ہے کہ اول تو ان پر
 جہاد باقاعدہ فرض نہیں کیا گیا، دوسرے ان کو باقاعدہ لڑائی میں شامل نہیں کیا گیا۔
 چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

وقد كان يغزو ويهتج فيداوين الجرحى ويحذین من الغنیمۃ
 واما بسهام فلم يضرب لهنّ (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب
 النساء الغازیات حدیث نمبر ۴۲۲۸)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جاتے، اور وہ زخمیوں
 کا علاج کرتیں، اور انھیں مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام دیا جاتا،
 لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مال غنیمت کا باقاعدہ حصہ
 نہیں لگایا۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اگرچہ خواتین کو رات کے وقت
 مسجد نبوی میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، لیکن اس اجازت
 کے ساتھ ہی یہ فرما دیا تھا کہ :

و بیوتھنّ خیر لهنّ (سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب خروج
 النساء الی المسجد حدیث نمبر ۵۶۷، ۵۶۸)

”اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔“

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد
 میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، جبکہ مردوں کے لئے سخت عذر کے بغیر مسجد
 کی جماعت ترک کرنا جائز نہیں، بلکہ عورتوں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ :

رفع النقاب _____ ۱۷

صلاة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها، وصلاقتها
في مغلغها افضل من صلاتها في بيتها (سنن ابوداؤد، حديث
مؤید۔ ۵۷۰)

”عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے،
اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔“
ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ :

- (الف) عورت پر جمعہ واجب نہیں۔
- (ب) عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔
- (ج) عورت پر تنہا ہونے کی صورت میں حج کی ادائیگی فرض نہیں، مرتے
دم تک محرم نہ ملے تو حج بدل کی وصیت کرے۔
- (د) عورت پر جہاد فرض نہیں۔
- (ه) عورت کے ذمے جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں۔
- (و) عورت کا گھر میں تنہا نماز پڑھنا باہر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے
سے افضل ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کی
حفاظت کے لئے جگہ جگہ اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس کے لئے دین کے اہم ترین ارکان اور
شعائر کو بھی اس کے حق میں ساقط کر دیا ہے، اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا
جاسکتا ہے کہ وہ ملک و قوم کی اہم ترین ذمہ داری عورت کو سونپ کر اسے نہ صرف
پورے ملک بلکہ پوری دنیا کے سامنے لاکھڑا کرے گا، اور اسے وہ تمام کام اجتماعی
طور پر سونپ دیگا جن کی ذمہ داری اس پر انفرادی طور سے بھی نہیں عائد ہوتی۔

⑨ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر خلافت راشدہ
بلکہ خلافت راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلیفہ اور سربراہ حکومت کا انتخاب اُمرت کا
اہم ترین سیاسی مسئلہ بنا رہا، ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت ہر
موقع پر بہت سی تجویزیں سامنے آئیں۔ اس دور میں بیشمار ایسی خواتین موجود تھیں جو
اپنے علم و فضل، تقدس و تقویٰ اور عقل و خرد کے لحاظ سے ممتاز مقام کی حامل تھیں،

لیکن نہ صرف یہ کہ کبھی کسی خاتون کو سربراہ حکومت نہیں بنایا گیا، بلکہ کوئی ادنیٰ درجے کی تجویز بھی ایسی سامنے نہیں آئی کہ فلاں خاتون کو سربراہ مقرر کر دیا جائے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سلسلے میں قرآن و سنت کے احکام اس درجہ واضح تھے کہ کبھی کسی مسلمان کے دل میں عورت کو سربراہ بنانے کا کوئی خیال تک نہیں آیا، اور آ بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جو :

○ کسی بھی حالت میں کبھی نماز کی امامت نہ کر سکے۔

○ جس کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہ ہو۔

○ جو اگر کبھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔

○ جس پر ہر مہینے چند روز ایسے گزرتے ہوں جب اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔

○ جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔

○ جس کے لئے کسی جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔

○ جو بغیر محرم کے سفر نہ کر سکے۔

○ جو تنہا حج نہ کر سکے۔

○ جس پر جہاد فرض نہ ہو۔

○ جس کی گواہی آدھی گواہی سمجھی جائے۔

○ جس کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ ہو۔

○ جس کا نان و نفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو۔

○ اور حد یہ ہے کہ جسے اپنے گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔

قرآن کریم کی رو سے تو یہ واضح ہے ہی، لیکن آزادی نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس دور میں بھی کوئی ایسا معاشرہ روئے زمین پر ہمارے علم میں نہیں ہے جہاں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کو "سربراہ خاندان" قرار دیا گیا ہو۔

اجماع ائمہ :

قرآن و سنت کے مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے اب تک چودہ صدیوں کے ہر دور میں

اُمّتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلام میں سربراہِ حکومت کی ذمہ داری کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔ اور اجماعِ اُمّتِ شریعت کی ایک مستقل دلیل ہے۔ اجماع کے ثبوت کے لئے اس تحریر کے شروع میں ہم علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اقتباس پیش کر چکے ہیں، انھوں نے جو کتاب صرف اجماعی مسائل کی تحقیق کے لئے لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ :

وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْإِمَامَةَ لَا تَجُوزُ لِمَرْأَةٍ

”تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے“ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے باخبر عالم نے ”نقد مراتب لاجماع“ کے نام سے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ کتاب پر ایک تنقید لکھی ہے ، اور بعض ان مسائل کا ذکر فرمایا ہے جنہیں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجماعی قرار دیا ہے ، لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق وہ اجماعی نہیں ہیں، بلکہ ان میں کسی نہ کسی کا اختلاف موجود ہے۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے عورت کی سربراہی کے مسئلے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا (نقد مراتب لاجماع لابن تیمیہ ص ۱۲۶)

ان حضرات کے علاوہ جن علماء و فقہاء اور اسلامی سیاست کے ماہرین نے اسلام کے سیاسی نظام پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو ایک متفقہ مسئلے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اسلامی سیاست کا اہم ترین مآخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انھوں نے حکومت کی سربراہی تو گنجا، عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے ، بلکہ انھوں نے وزارت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وزارت تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے ، اور دوسری وزارت تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی ، بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ وزارت تنفیذ میں اہلیت کی شرائط وزارت تفویض کے مقابلے میں کم ہیں، اس کے باوجود وہ عورت کو وزارت تنفیذ کی ذمہ داری سونپنا بھی جائز قرار نہیں دیتے، وہ لکھتے ہیں

وَأَمَّا وَزَارَةُ التَّنْفِيزِ فَحُكْمُهَا أَضْعَفُ وَشُرُوطُهَا أَقْلُ وَلَا

رفع النقاب ————— ۲۰

يجوز ان تقوم بذلك امرأة وان كان خبرها مقبولا لما تضمنه معنى الولايات المصروفة عن النساء لقول النبي صلى الله عليه وسلم ما افلح قوم اسندوا امرهم الى امرأة ولان فيها من طلب الرأي وثبات العزم ما تضعف عنه النساء ومن الظهور في مباشرة الامور ما هو عليهن محظورا (الاحكام السلطانية للمآورد ص ۲۵ تا ۲۷ والاحكام السلطانية لابی يعلى ص ۳۱)

”جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے، وہ نسبتاً کمزور ہے، اور اسکی شرائط کم ہیں.... لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اس کی ذمہ داری اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے، کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایتوں پر مشتمل ہے جن محمد شریعت نے عورتوں سے الگ رکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وہ فلاح نہیں پائے گی“ نیز اس لئے بھی کہ وزارت کے لئے جو اصابت رائے اور اولوالعزمی درکار ہے، عورتوں میں اس کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے، نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کے لئے ایسے انداز سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے جو عورتوں کے لئے شرعاً ممنوع ہے“ اسلام کے سیاسی نظام پر دوسرا اہم ماخذ امام ابو یعلیٰ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے بھی اپنی کتاب میں لفظ بہ لفظ یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

امام الحرمین علامہ جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی نظام پر بڑے معرکے کی کتابیں لکھی ہیں، وہ نظام الملک طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے نیک نام حاکم کے زمانے میں تھے، اور انہی کی درخواست پر انھوں نے اسلام کے سیاسی احکام پر اپنی مجتہدانہ کتاب ”غیاث الامم“ تحریر فرمائی ہے، اس میں وہ سربراہ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الصفات اللازمة للمعتبرة الذكورة والحرية ونحيزة العقل والبلوغ والاحاجة الى الاطناب في نصب الدلالات على اثبات هذه الصفات (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ مطبوعہ قطر)

”اور جو لازمی صفات سربراہ کے لئے شرعاً معتبر ہیں، ان میں سے اسکا مذکر ہونا، آزاد ہونا اور عاقل و بالغ ہونا بھی ہے، اور ان شرائط کو ثابت کرنے کے لئے تفصیلی دلائل پیش کر کے طول دینے کی ضرورت نہیں۔“

یہی امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک دوسری کتاب ”الارشاد“ میں تحریر فرماتے ہیں :

و اجمعوا ان المرأة لا يجوز ان تكون اما ما وان اختلفوا في جواز كونها قاضية فيما يجوز شهادتها فيه (الارشاد في اصول الاعتقاد لامام الحرمين الجويني ص ۳۵۹ و ص ۲۲ طبع مصر)

”اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے سربراہ حکومت بننا جائز نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ جن امور میں اس کی گواہی جائز ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے یا نہیں۔“

علامہ قلعشندی رحمہ اللہ تعالیٰ ادب و انشاء اور تاریخ و سیاست کے امام سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے اسلام کے اصول سیاست پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں انہوں نے سربراہ حکومت کی چودہ صفات اہلیت بیان کی ہیں، ان شرائط کے آغاز ہی میں وہ فرماتے ہیں :

الاول : الذكورة والمعنى في ذلك ان الامام لا يستغنى عن الاختلاط بالرجال والمشاورة معهم في الامور والمرأة ممنوعة من ذلك ولان المرأة ناقصة في امر نفسها حتى لا تملك النكاح فلا تجعل اليها الولاية على غيرها،

”پہلی شرط مذکر ہونا ہے، اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ سربراہ حکومت کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ مشوروں وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور عورت کے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں، اس کے علاوہ عورت اپنی ذات کی ولایت میں بھی کمزور ہے، یہاں تک کہ وہ نکاح کی ولی نہیں بن سکتی، لہذا اس کو دوسروں پر بھی ولایت نہیں دی جاسکتی۔“

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں،

وہ تحریر فرماتے ہیں :

اتفقوا على ان المرأة لا تصلح ان تكون اماماً.... لان الامام
يحتاج الى الخروج لاقامة امر الجهاد والقيام بامور
المسلمين..... والمرأة عورة لا تصلح للبروز (شرح السنة للبعثي
ص ۷۷ ج ۱۰ باب كراهية تولية النساء طبع بيروت سنة ۱۳۸۵ھ)

”اس بات پر اُمت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں بن سکتی...
... کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے امور
نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور عورت پوشیدہ رہنی چاہئے،
اس کا مجمع عام میں ظاہر ہونا درست نہیں۔“

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث
کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وهذا نص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه (احكام
القرآن لابن العربي ص ۱۲۵ ج ۳ سورة التمل)

”اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی، اور اس میں
کوئی اختلاف نہیں۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ
اقتباس نقل کر کے اس کی تائید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان
کوئی اختلاف نہیں۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورة التمل)

اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

الرابع الذكورية فلا تنعقد الامامة لامرأة وان القصة بجميع
خلال الكمالات وصفات الاستقلال (فضائل الباطنية للغزالي ص ۱۸)

مأخوذ از عبد الله الداميجي، الامامة العظمى ص ۲۲۵

”سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے، لہذا کسی عورت کی امامت منقہ نہیں
ہوتی، خواہ وہ تمام اوصاف کمال سے متصف ہو، اور اس میں استقلال
کی تمام صفات پائی جاتی ہوں۔“

عقائد و کلام کی تقریباً تمام کتابیں امامت و سیاست کے احکام سے بحث کرتی ہیں، اور سب نے مذکور ہونے کی شرط کو ایک اجماعی شرط کے طور پر ذکر کیا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

یشترط فی الامام ان یکون مکلفاً حراً ذکراً عادلاً۔ (شرح المقاصد ص ۲۷۷ ج ۲)

”سربراہ حکومت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، مذکور ہو، اور عادل ہو۔“

فقہاء و محدثین اور اسلامی سیاست کے علماء کے یہ چند اقتباسات محض مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں، ورنہ جس کتاب میں بھی اسلام میں سربراہی کی شرائط بیان کی گئی ہیں، وہاں مذکور ہونے کو ایک اہم شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اگر کسی نے یہ شرط ذکر نہیں کی تو اس بنا پر کہ یہ عاقل و بالغ ہونے کی شرط کی طرح اتنی مشہور و معروف شرط تھی کہ اُسے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ بننے کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے چند اقتباسات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں :

لا تعرف بین المسلمین من اجاز خلافة المرأة فالاجماع في هذه القضية تأم لم يثبت عند احد (عقيدة الاسلام في اصول الحكم ص ۷۰ مطبوعه دار النفائس بيروت سنة ۱۴۰۵ھ)

”ہمیں مسلمانوں میں کوئی ایسا عالم معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی خلافت کو جائز کہا ہو، لہذا اس مسئلے میں مکمل اجماع ہے جس کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود نہیں۔“

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اسلام کے سیاسی احکام پر بڑی تحقیق کے ساتھ مبسوط کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں :

اذا كان قد وقع بينهم خلاف فيما يتعلق بالقضاء فلم يرو
عنهم خلاف فيما يتعلق بالامامة، بل الكل متفق على انه
لا يجوز ان يليها امرأة (النظريات السياسية الاسلامية ص ۲۹۴
مطبوعه دار التراث القاهرة سنة ۱۹۷۶ء)

”اگرچہ فقہاء کے درمیان قضائے کے بارے میں تو اختلاف ہوا ہے (کہ عورت
قاضی بن سکتی ہے یا نہیں) لیکن حکومت کی سربراہی کے بارے میں کوئی
اختلاف مروی نہیں، بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا سربراہی
کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں“

ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفیٰ عجوبہ لکھتے ہیں :

مما اجمعت عليه الامة على ان المرأة لا يجوز لها ان تلي رئاسة
الدولة (تعلیق تہذیب الریاست و ترتیب البیاست للقلبی ص ۸۲)
”اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کے لئے ریاست کی سربراہی
سنجھالنا جائز نہیں“

عبد اللہ بن عمر بن سلیمان الدیجی لکھتے ہیں :

من شروط الامامة ان يكون ذكرا ولا خلاف في ذلك بين العلماء
(الامامة العظمى عند اهل السنة ص ۲۴۳)
”سربراہ حکومت کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مذکر ہو اور اس میں
علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں“

عہد حاضر کے مشہور مفسر قرآن علامہ محمد امین شنیطی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:
من شروط الامامة الاعظم كونه ذكرا ولا خلاف في ذلك بين العلماء
(اضواء البيان في تفسير القرآن بالقرآن ص ۶۵ ج ۱)
”امام عظم (سربراہ حکومت) کی شرائط میں اس کا مذکر ہونا بھی داخل ہے“

اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے“

اگر اس موضوع پر تاریخ اسلام کے ائمہ مفسرین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور اہل
فکر و دانش کی تمام عبارتیں جمع کی جائیں تو یقیناً ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے،

لیکن یہ چند مثالیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس مسئلے پر علماء اسلام کے درمیان اب تک چودہ صدیوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔
حافظ ابن جریر طبری کا مسلک :

ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط طور سے یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل ہیں لیکن کوئی بھی شخص امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا اقتباس پیش نہیں کرتا۔ اُن کی تصانیف میں سے تفسیر جامع البیان تیس جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اس میں سے کہیں کوئی ایک فقرہ بھی کوئی اب تک نہیں دکھا سکا جس سے ان کا یہ موقف معلوم ہوتا ہو، خود ہم نے بھی ان کی تفسیر کے ممکنہ مقامات پر دیکھا، لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملی۔

اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب ”تہذیب الآثار“ کی بھی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں مل سکی۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض علماء نے اُن کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں، بعض لوگوں نے اس بات کو غلط طور پر سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

وهذا نص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه ونقل
عن محمد بن جرير الطبري امام الدين انما يجوز ان تكون
المرأة قاضية ولم يصح ذلك عنه ولعله كما نقل عن ابي حنيفة
رحمه الله تعالى انها انما تقضى فيما تشهد فيه وليس بان تكون
قاضية على الاطلاق ولا بان يكتب لها منشور بان فلانة مقلدة
على الحكم الا في الدماء والنكاح وانما ذلك كسبيلك لتحكيم
او الاستبانة في القضية الواحدة (احكام القرآن لابن
العربي ص ۱۴۲۵ ج ۳)

”اور یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات پر نص ہے

رفع النقاب ————— ۲۶

کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی، اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے، لیکن اس مذہب کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہوگا جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کر سکتی ہے جس میں وہ شہادت دے سکتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے کا پروانہ دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے امور میں قاضی بنایا جا رہا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلے میں ثالث بنالیا جائے، یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے۔

امام ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس وضاحت سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں :

- (۱) سربراہی کا مسئلہ علیحدہ ہے، اور قاضی بننے کا مسئلہ علیحدہ۔
- (۲) سربراہی کے مسئلے میں امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔
- (۳) امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے قاضی بننے کا جواز منقول ہے، لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت بھی درست نہیں۔
- (۴) امام ابو حنیفہ یا ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ سے عورت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جواز منقول ہے، وہ اس کو باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ جزوی طور سے بطور ثالث کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔
- بہر کیف! اگر فقہاء کے درمیان کوئی تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ عورت کے قاضی بننے کے بارے میں ہے، سربراہ حکومت بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ امام الحرمین جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

والذکورة لا شک فی اعتبارها ومن جوز من العلماء تولی المرأة

للقضاء فيما يجوز ان تكون شاهداً فيه احوال انتصاب المرأة
للامامة فان القضاء قد يثبت مختصاً والامامة يستحيل في
وضع الشرع ثبوتها على الاختصاص (غياث الاعم للجويني).

(ص ۸۲ و ۸۳)

”سربراہی کے لئے مذکور ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے، اور جن
علماء نے اُن معاملات میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں
عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لئے عورت کی تقرری کو
ناممکن قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ قضاء کے بارے میں تو یہ ممکن ہے
کہ اس کی حدود اختیار کو کچھ معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے لیکن
حکومت کی سربراہی کو شرعی اصول کے مطابق کچھ محدود معاملات کے
ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔“
ملکہ بلقیس کا واقعہ :

ہمارے دور میں بعض لوگ عورت کی سربراہی کا جواز ملکہ بلقیس کے اُس واقعے
سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے سورہ نمل میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن
یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے سے عورت کے
سربراہ حکومت بننے کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم نے واضح طور پر
ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ملکہ اُن غیر مسلموں کی سربراہ تھی جو سورج کی پرستش کیا کرتے
تھے۔ ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بارے میں جو خبر دی وہ قرآن کریم کے
بیان کے مطابق یہ تھی :

وَجَدَتْهُمْ أَقْوَمَ مِمَّا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ،
”میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو
سجدہ کرتے ہیں۔“

اس سے واضح ہے کہ وہ ایک سورج پرست قوم کی ملکہ تھی اور خود بھی سورج
کی پرستش کرتی تھی، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کافر قوم نے کسی عورت کو اپنا سربراہ
بنایا ہوا ہو تو وہ قرآن و سنت کے واضح ارشادات کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے

کیسے دلیل بن سکتی ہے؟ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو ملکہ تسلیم کر کے اپنی حکومت اس کے حوالے کر دی ہوتی تب تو یہ بات ثابت ہوتی کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت سربراہ بن سکتی تھی، لیکن قرآن کریم نے وضع الفاظ میں بتایا ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن کریم کے مبارک الفاظ میں یہ تھا:

اَلَا تَعْلَمُوْا عَلٰی وَاُتُوْا مُسْلِمِيْنَ،

”کہ تم میرے مقابلے میں سر نہ اٹھاؤ، اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آ جاؤ۔“
یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا، بلکہ اُس کو اپنے زیرِ نگیں آنے کا حکم دیا، اور پھر اسی پر بس نہیں، آپ نے اس کا بھیجا ہوا تحفہ بھی قبول نہیں کیا، بلکہ اسے واپس کر دیا، حالانکہ دوسرے براہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے۔
قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت بھی اٹھوا کر منگوا لیا، اور اس کی ہیئت بھی بدل ڈالی۔ یہاں تک کہ جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئیں تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا کہ:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰہِ سَرَابِیْ
الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ النمل: ۲۴)

”پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جھک گئی۔“

بس یہ ہے وہ واقعہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ اور بلقیس کے اسی جملے پر قصے کا اختتام ہو گیا ہے، جو بھی شخص اس واقعے کو قرآن کریم میں دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کو اپنا فرمانبردار بن کر حاضر ہونے کا حکم دیا، اور بالآخر اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، اور خود ملکہ بلقیس نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اپنی فرمانبرداری کا اعلان کر دیا۔

اس واقعے میں کہیں دُور دُور کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو جائز قرار دیا تھا، یا اسے تسلیم فرمایا تھا۔ بعض لوگ کچھ اسرائیلی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کر کے انھیں واپس میں بھیج دیا تھا، لیکن یہ قطعی طور پر غیر مستند روایت ہے، کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اس معاملے میں تاریخی روایتیں بہت متضاد ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کر کے انھیں اپنے پاس رکھا، بعض میں ہے کہ انھیں شام بھیج دیا، بعض میں ہے کہ یمن کوٹا دیا، بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہمدان کے بادشاہ سے کر دیا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ تمام غیر مستند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

لہرید فیہ خبر صحیح لافی انما تزوجھا ولا فی انما زوجھا

(تفسیر قرطبی ص ۲۱ و ۲۱۱ ج ۱۳)

”اُس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے، نہ اس بارے میں کہ انھوں نے بلقیس سے نکاح کیا، اور نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے اس کا نکاح کرایا۔“

جب ملکہ بلقیس کے اسلام کے بعد کے واقعات کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں ہیں تو صاف اور سیدھا راستہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کریم نے جتنا واقعہ بیان فرمایا ہے صرف اتنے واقعے پر ہی ایمان رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس واقعے میں ملکہ بلقیس کی سلطنت کے بقا کا نہیں بلکہ فرمانبردار ہو جانے کا ذکر ہے، اسے اسلام کے بعد سربراہ بنانے کا ذکر نہیں ہے، لہذا اس واقعے سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا کوئی ادنیٰ جواز موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل :

بعض لوگ عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعے سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعویٰ نہیں کیا، نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات تھی کہ

رفع النقاب ۳۰

ان کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآن کریم کے احکام کے مطابق ضروری ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ مکرمہ آئی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے شروع میں یہ چاہا کہ وہ واپس مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں۔ لیکن بہت سے لوگوں نے یہ رائے دی کہ پہلے بصرہ جا کر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ دوسری تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے تو بصرہ جانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کی رائے سے متاثر ہو گئیں اور بصرہ روانہ ہو گئیں (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا، بلکہ جب آپ بصرہ جا رہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام ”حوآب“ ہے، ”حوآب“ کا نام سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونک اٹھیں، انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

کیف باحد اکن قنبہ علیہا کلاب الحوآب (مسند احمد ج ۶ ص ۵۲ و ۹۷، ومستدرک حاکم ص ۱۲۰ ج ۳، وصحیحہ الحاکم ووافقہ الذہبی، وقال الحافظ فی الفتح ۱۳: ۲۵: سندہ علی شرط الصحیح، وصحیحہ ابن کثیر فی البدایۃ ص ۲۱۲ ج ۶)

”تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حوآب کا نام سُنکر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں

کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ حوآب نہیں ہے (البداۃ والنهاۃ ص ۲۳۱ ج ۷) اس طرح جو مقدمہ میں تھا وہ پیش آیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر دوبارہ شروع فرمادیا، بصرہ پہنچ کر بھی جب آپ سے آنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

ای بنتی ! الاصلاح بین الناس

”بیٹے ! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔“

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد نہ کوئی سیاست تھی نہ حکومت، نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے۔

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے مسئلہ دائرہ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا، اس لئے صحابہ کرام اور خود دوسری اہل بیت المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو خطوط لکھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر آپ کو ایک بڑا اثر انگیز خط لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

عن ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الى عائشة ام المؤمنین
فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا هو، اما بعد، انک سڈة
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامنة وحجاب مضروب علی
حرمتہ قد جمع القرأت ذیلک فلا تند حیه وسکر خفارتک فلا
تبتذلیہا فاللہ من وراء هذه الامة، ولو علم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان النساء یحتملن الجہاد عهد الیک، اما علمت
انہ قد نکھا عن الفراطة فی البلاد فان عمود الدین لا یثبت
بالنساء ان مال، ولا یرای بھن ان الضد، جہاد النساء غرض
الاطراف وضم الذیول وقصد الوہازة، ما کنت قائلۃ لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لو عارضک ببعض هذه الفلوات ناصۃ قعودا

من منھل الی منھل؟ وغداً تردین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
واقسم لو قیل لی یا ام سلمة ادخلی الجنة لاستحیبت ان
القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتکۃً حجاباً ضربہ علی فاجعلیہ
ستراً، ووقاعة البیت حصنک، فانک انصح ما تكونین لہذہ
الامۃ ما فعدت عن نصرھم (العقد الفرید ص ۶۶ ج ۵ مطبوع
دار البازمکتہ المکرمہ)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ کی طرف سے ام المؤمنین عائشہ کے
نام : میں آپ سے اُس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اما بعد۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت
کے درمیان ایک دروازہ ہیں، آپ وہ پردہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حرمت پر ڈالا گیا ہے، قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے، آپ اسے
پھیلائیے نہیں، اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے آپ اس کی بے قدری نہ
کریں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری
عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟
اس لئے اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو وہ عورتوں سے کھڑا نہیں ہو سکتا
اور اگر اس میں شرکاف پڑنے لگے تو عورتوں سے اس کا بھراؤ ممکن نہیں، عورتوں
کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، دامنوں کو سمیٹیں، اور چھوٹے قدموں
سے چلیں۔ آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی
اونٹنی دوڑا رہی ہیں، اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے
آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا؟ کل آپ کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس جانا ہے۔ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ
ام سلمہ! جنت میں چلی جاؤ، تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں بلوں کہ جو پردہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھ پر ڈالا تھا اُسے میں چاک کر چکی ہوں، لہذا آپ اس کو

اپنا پردہ بنائیے، اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھئے، کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی، اس اُمت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی، اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے، اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت بیچ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کسی بات کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا، اور اس کی یہ کہہ کر قدر دانی فرمائی کہ :

فما اقبلانی لوعظک واعرفنی لحق نصیحتک
”میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں، اور آپ کے حق نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں“

البتہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ :
ولنعم المطلع مطلع فرقت فیہ بین فئتین متشاجرتین من المسلمین
”وہ موقف بہت اچھا موقف ہے جس کے ذریعے میں مسلمانوں کے دو جھگڑتے ہوئے گروہوں کے درمیان حائل ہو سکوں“
جس سے صاف واضح ہے کہ نہ وہ حکومت کی سربراہی چاہتی ہیں، نہ جہاد ان کے پیش نظر ہے، نہ کوئی سیاسی قیادت مقصود ہے، بلکہ پیش نظر دو فریقوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ اور اس میں بھی وہ فرماتی ہیں :

فان اقلد ففی غیر حرج وان امض فالی ما لا غنی لی عن
الاذیاد منہ (العقد الفہید ص ۶۶ ج ۵)

”اب اگر میں بیٹھ گئی تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر میں آگے بڑھی تو ایک ایسے کام کے لئے آگے بڑھوں گی جس کو مزید انجام دینے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہے“

اتنی احتیاط کے باوجود وہ زمانہ فتنے کا تھا، دشمنوں کی سازشیں سرگرمی

سے کام کر رہی تھیں، جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو باہم لڑایا جائے، چنانچہ جو کچھ مقدّر میں تھا وہ پیش آکر رہا، جنگ جمل ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں سے واپس نہ آ سکیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا۔ چنانچہ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک خط میں لکھا :

سلام عليك، اما بعد : فانك امرت بامر و امرنا بغيره امرت
ان تقرّی فی بیتك و امرنا ان نقاتل الناس حتی لا تكون
فتنة فتكرت ما امرت به و كتبت تھیننا عما امرنا به والسلام،
(العقد الفريد ص ۶۷ ج ۵)

”سلام کے بعد، آپ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے، اور ہمیں دوسرے کام کا، آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے، آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔“

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ولاديب ان عائشة ندمت ندامة كلية على مسيرها الى البصرة
وحضورها يوم الجمل وما ظنت ان الامر يبلغ ما بلغ (سير
اعلام النبلاء للذهبي ص ۱۷۷ ج ۲)

”اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری پر کُلّی طور سے نادم ہوئیں، ان کا گمان یہ نہیں تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک پہنچی۔“

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ ”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ کی رائے پر غالب آگئے ہیں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: ”بخدا، اگر تم مجھے روک دیتے تو میں نہ نکلتی“ (نصب الراية للزیلعی ص ۷۰ ج ۴)

پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورہ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

”اور تم اپنے گھروں میں قہر سے رہو“

تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

اذا قرأت هذه الآية وقرن في بيوتك بكت حتى تبلّ خمارها

(طبقات ابن سعد ص ۸۰ ج ۸، وسایر اعلام النبلاء ص ۱۷۷ ج ۲)

اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ:

قالت عائشة رضي الله تعالى عنها وكان تحدث نفسها ان تدفن

في بيتها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم والي بكر فقالت افي

احداث بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثنا اذ فتنوني مع ازواج

فد فنت بالبقيع (مستدرک الحاکم ص ۶ ج ۴ قال الحاکم: هذا

حدیث صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذہبی)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

دفن کیا جائے، لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا، چنانچہ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
تعنی بالحدیث مسیرھا یوم الجمل فانھا ندمت ندامة کلیة و ثابت من ذلك علی انھما ما فعلت ذلك الامتأولة قاصداة للخیر (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹۳ ج ۲)

”بدعت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا، اس لئے کہ وہ اپنے اس عمل پر کُلّی طور سے نادم تھیں، اور اس سے توبہ کر چکی تھیں، باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔“

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعویٰ کیا، نہ کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے نکلی تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دیدی، لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسکو پسند نہیں کیا، اور وہ خود بھی اس پر بے انتہار نادم ہوئیں، یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

ابے خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ :

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اُس پر روتی رہیں، اور اُس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں، اُس عمل سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حاشیہ خیال میں نہیں گزرا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر :

ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ایک تحریر بھی عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کر نیکی کوشش کی ہے جو امداد الفتاویٰ میں شائع ہوئی ہے جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ”لن یفلح قوم ولّوا امرہم امرأۃ“ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحریر کی حقیقت سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پوری امت کے علماء کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں ہے، چنانچہ امداد الفتاویٰ کی اسی تحریر میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ :

”حضرات فقہاء نے امامت کبریٰ (حکومت کی سربراہی) میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط صحت، اور قضا میں گو شرط صحت نہیں، مگر شرط صحت عن الاثر فرمایا ہے“ (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

نیز حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے کو مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

”اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی مانعت ہے، پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں“ (بیان القرآن ص ۸۵ ج ۸ سورۃ النمل)

نیز حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”احکام القرآن“ کا جو حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے لکھوایا ہے، اس میں بھی ملکہ بلقیس کے واقعے کے تحت یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ قرآن کریم نے بلقیس کا واقعہ بیان کر کے اس پر کوئی نیکر نہیں کی۔ (احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ص ۲۹ ج ۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارتوں سے واضح ہے کہ وہ علمائے امت کی

طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو سربراہ حکومت بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی جگہ اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی عورت کو سربراہ بنادیا گیا ہو، تو کیا ایسی جگہ کے لوگوں پر وہ وعید صادق آئے گی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ ایسی قوم فلاح نہیں پاسکتی؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر حکومت عام ہو اور تمام ہو۔ جیسا کہ شخصی سلطنتوں میں ہوتا ہے (یا جیسا کہ خلافت اسلامی میں ہوتا ہے) اور اس کا سربراہ عورت کو بنادیا جائے۔ تو بیشک اس پر حدیث کی یہ وعید صادق آئے گی۔ لیکن اگر حکومت جمہوری انداز کی ہو تو عدم فلاح ضروری نہیں جس کی وجہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ:

”راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت

اہل ہے مشورہ کی“ (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کی ”حقیقی حکومت“ کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ناجائز بلکہ موجب عدم فلاح بھی قرار دے رہے ہیں، لہذا اصل مسئلے کی حد تک ان کا موقف وہی ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں ہو سکتی، البتہ جمہوری حکومت کے بارے میں انھوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ حقیقتہً حکومت ہے ہی نہیں، بلکہ محض مشورہ ہے۔

لہذا حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا سارا دار و مدار اس بات پر ٹھہرا کہ جمہوری حکومت واقعہً حکومت ہے یا محض مشورہ ہے؟ اور یہ سوال شرعی حکم کا نہیں، بلکہ واقعے کا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ حقیقتہً وہ سربراہ نہیں ہوتا، بلکہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں اس کی بات محض ایک مشورے کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اسی تحریر میں وہ فرماتے ہیں:

”کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے، اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)“

اس فقرے سے ایک بار پھر واضح ہو گیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے ناجائز اور موجب عدم فلاح ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں۔ اور اس مسئلے سے انھیں کوئی اختلاف نہیں، لیکن

جمہوری حکومت کے سربراہ کو وہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقی سربراہ نہیں سمجھ رہے۔ یہ اختلاف اصل مسئلے میں نہیں، بلکہ جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام میں وزیراعظم اگرچہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں محض ایک رکن مشورہ ہے، لیکن اس کی دو حیثیتیں اور ہیں جن کی موجودگی میں اس کو محض ایک ”رکن مشورہ“ قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ملک کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور اپنی اس حیثیت میں وہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل طور سے خود مختار ہے، یہاں تک کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پوری کابینہ کے مشورے کو رد کر کے وہ کام کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ریاست کے تین کام الگ الگ کر دئے گئے ہیں، ایک کام قانون سازی ہے جو مقننہ یعنی پارلیمنٹ کے سپرد ہے، دوسرا کام ملک کا انتظام چلانا ہے جو انتظامیہ کے سپرد ہے، اور تیسرا کام تنازعات کا فیصلہ ہے جو عدلیہ کے سپرد ہے۔ اب ریاست کے ان تین اداروں، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں سے لفظ ”حکومت“ کا اطلاق انتظامیہ ہی پر ہوتا ہے۔ مقننہ اور عدلیہ ریاست (STATE) کے ذیلی ادارے ضرور ہیں، لیکن ”حکومت“ (GOVERNMENT) کا حصہ نہیں ہیں۔ حکومت صرف انتظامیہ ہی کو کہا جاتا ہے، اور وزیراعظم اس انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے، اُسے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کاروبار حکومت چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے، نہ وہ ہر چیز کو مقننہ کے مشورے کے لئے پیش کرتا ہے، نہ کر سکتا ہے، نہ اس کا پابند ہے۔ اہم انتظامی فیصلے وہ کابینہ میں رکھتا ضرور ہے، لیکن کابینہ کی رائے کا پابند نہیں ہے، بلکہ کابینہ کے اجلاس میں اس کا فیصلہ حتمی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے با اختیار شخص کو محض ”رکن مشورہ“ نہیں کہا جاسکتا۔ مقننہ کی حد تک بیشک وہ ایک ”رکن مشورہ“ ہے، لیکن پارلیمانی پارٹیوں کے مروجہ نظام میں اس کی ایک اور حیثیت ہے جس نے اسے مقننہ میں بھی محض ”رکن مشورہ“ نہیں رہنے دیا، اور وہ حیثیت یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں برسرِ اقتدار اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائد ایوان ہوتا ہے، لہذا پارلیمنٹ میں اس کی رائے محض ایک شخصی رائے نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ایوان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ کے لئے جماعت کی طرف سے کوئی ہدایت جاری کرے تو اس کی جماعت کے تمام ارکان

اسی ہدایت کے مطابق اسمبلی میں ووٹ دینے کے پابند ہیں۔ پارلیمانی اصطلاح میں اس ہدایت کو جماعتی کوڑا (PARTY WHIP) کہا جاتا ہے، یعنی اس کوٹے کو حرکت میں لانے کے بعد تمام ارکان جماعت پارلیمنٹ میں وہی رائے دینے پر مجبور ہیں جس کے لئے وہ کوڑا حرکت میں لایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کوڑا حرکت میں لاتا ہو، اس کو محض ایک ”رکن مشورہ“ نہیں کہا جاسکتا۔ اس لحاظ سے مقننہ میں بھی وزیر اعظم کی حیثیت محض ایک ”رکن مشورہ“ کی نہیں، بلکہ قائد جماعت اور قائد ایوان کی ہوتی ہے، اور عملاً وہ دوسروں کے مشورے پر کم اور دوسرے اس کے مشورے پر زیادہ چلتے ہیں۔

اگرچہ نظریاتی اعتبار سے صدر مملکت ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، اور وزیر اعظم انتظامیہ کا، لیکن پارلیمانی نظام میں صدر مملکت کی حیثیت زیادہ تر نمائشی ہوتی ہے اور اصل اختیارات وزیر اعظم ہی کے پاس ہوتے ہیں، اس لئے دنیا بھر کے نزدیک وزیر اعظم ہی کو اصل سربراہ سمجھا جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ عورت کی سربراہی کو ہرگز جائزہ نہیں سمجھتے جس کے لئے ان کی صریح تحریریں موجود ہیں، البتہ سوال یہ تھا کہ جمہوری حکومت کی سربراہی حقیقی سربراہی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا تعلق شریعت کی تحقیق سے نہیں بلکہ مروجہ جمہوری نظام کی تحقیق سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اصل موضوع شریعت کی تحقیق تھا۔ عہد حاضر کے سیاسی نظاموں کی تحقیق حضرت تھانوی قدس سرہ کا موضوع نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ پارلیمانی نظام کے وزیر اعظم کے سلسلے میں جو حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے سامنے لائے جاتے تو وہ اپنی اس رائے پر ضرور نظر ثانی فرماتے کہ وہ محض ایک ”رکن مشورہ“ ہے۔

تاریخ کی بعض مثالیں :

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں بعض تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مواقع پر فلاں عورت برسر اقتدار رہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز و ناجائز ہر قسم کے واقعات ہوئے ہیں، یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں، سند قرآن و سنت ہیں، لہذا اگر کہیں ایسا کچھ واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد

پر قرآن و سنت کے واضح احکام اور دلائل کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پھر ان اکاذبت کا واقعہ کی اکثریت ایسی ہے جہاں مسلمانوں نے ایسی حکومت کو گوارا نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ حکومت ختم ہو گئی، اور ان حکومتوں کے دور میں بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔

اسی ضمن میں بعض لوگ مس فاطمہ جناح کے صدارتی امیدوار بننے کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ملک کا کوئی عالم ہمارے علم میں نہیں ہے جس نے اس اقدام کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ عورت حکومت کی سربراہ ہو سکتی ہے، لہذا اس واقعے کو دلیل میں پیش کرنا خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں۔

(اس وقت بھی علماء نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کا فتویٰ شائع کیا تھا، رشید احمد تمام مکاتیب فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ :

بہر کیف! عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جو قرآن و سنت کے واضح ارشادات اور اجماعِ امت پر مبنی ہے۔ امت کے کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اسے اختلاف نہیں کیا۔ اسی لئے ۱۹۵۱ء میں جب پاکستان کے تمام مکاتیب فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت اسلامی اور شیعہ تمام مدرسہ ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۳ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور متفقہ بانیں نکات طے کئے جو ان کے نزدیک پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے، تو ان میں بارہواں نکتہ یہ تھا :

”رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور

اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔“

ان بانیں نکات پر پاکستان کے ہر مکتب فکر کے تمام علماء متفق ہیں، اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

لہذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اور اگر کہیں ایسا ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد سربراہی کی تبدیلی کے لئے ممکنہ کوششوں کو بروئے کار لائیں۔ واللہ سبحانہ الموفق

محمد رفیع عثمانی

ولی حسن

رشید احمد

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

المرتبة من العبد الرشيد :

دلائل المنع :

- ① وللرجال عليهن درجة (۲-۲۲۸)
- ② وزادة بسطة في العلم والجسم (۲-۲۳۷)
- ③ او من ينشئوا في الحلية وهو في الخصام غير مبين (۲۳-۱۸)
- ④ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما رأيت من ناقضت عقل ودين اذهب لب الرجل الحازم من احد اكن (بخاری ص ۲۲ ج ۱)

دلائل الجواز :

- ① قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى : اما المرأة والصبي العاقل فلا يصح منهما اقامة الجمعة لانهما لا يصلحان للامامة في سائر الصلوات ففي الجمعة اولى الا ان المرأة اذا كانت سلطانا فامرت رجلا صالحا للامامة حتى صلى بهم الجمعة جاز لان المرأة تصلح سلطانا او قاضيا في الجمعة فتقيم امامتها -

(بدائع الصنائع ص ۲۶۲ ج ۱)

- ② وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى : اما سلطنتها فصحيحة وقد في مصر امرأة تسمى شجرة الدارجارية الملك الصالح بن ايوب (البحر الرائق ص ۱۰۰)

الجواب :

ان عبارات میں صلاح وصحت سے نفاذ مراد ہے، جواز مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ عورت کو سلطان بنانا ناجائز ہے معہذا اس نے ناجائز ذرائع سے تسلط حاصل کر لیا تو اسکی سلطنت نافذ ہو جائے گی۔

الامثلة :

- ① قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اسمعوا واطيعوا وان استعمل عبد حبشي كأن رأسه زبيبة (بخاری ص ۹۶ ج ۱)

قال الامام الكرماني رحمه الله تعالى : فان قلت كيف يكون العبد واليا وشرط الولاية الحرية ؟ قلت : بان يوليه بعض الائمة او يغلب على البلاد بشوكة - (شرح الكرماني لصحيح البخاری ص ۷۶ ج ۵)

(۲) وقال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ : طریق چہارم استیلاء ست
 واین دو نوع ست یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد
 و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و آن جائز نیست و فاعل آن عاصی ست
 لیکن واجب ست قبول احکام او چون موافق شرع باشد، و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از
 ارباب اموال ساقط شود، و چون قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، ہمراہ ادجہاد می توان
 کرد، و این انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل او فنای نفوس مسلمین و ظہور حرج و
 مرج شدید لازم می آید و بیقین معلوم نیست کہ این شداید مفضی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ
 دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبیح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برای
 مصالحتی کہ موہوم ست و محتمل، و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اول خلفای بنی عباس
 ہمیں نوع بود (ازالۃ الخفا ص ۵ مقصد اول)

(۳) وقال العلامة المحصن رحمہ اللہ تعالیٰ : والمرأة تقضى فی غیر حدود
 قود وان اثم المولى لها لخبر البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لن یفلح قوم ولوا امرهم
 امرأة (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۴)

و کذا قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(۴) فاسق کو امام بنانا جائز نہیں معہذا اس کی اقتدار میں پڑھی ہوئی مناز

صحیح ہے۔

النظائر:

ولهذه المسألة نظائر كثيرة مثلاً :

- (۱) البیع الفاسد موجب للملک۔
- (۲) حرمة المصاهرة تثبت بالزنا۔
- (۳) السفر یترتب علیہ الاحکام ولو کان للمعصية۔
- (۴) یقع الطلاق علی الخائض مع کونه منہیاعنه۔
- (۵) یقع الطلقات الثلاث دفعة مع کونه بداعیا۔
- (۶) لعق النجاسة مع حرمة مطهر۔

دلائل الجواز کو بوجہ ذیل نفاذ مع عدم الجواز پر محمول کرنا ضروری ہے :

رفع النقاب _____ ۴۴

(۱) عدم الجواز نصوص الشرع، قرآن، حدیث، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے۔
 (۲) دلیل ثانی میں سلطنت شجرۃ الدر سے استدلال کیا گیا ہے جس کے تسلط کو ناجائز قرار دے کر اسے معزول کر دیا گیا تھا، مآسیاتی۔

(۳) البحر الرائق میں اسی دلیل ثانی سے تین سطر پہلے یہ حکم مذکور ہے: فکانت اھلا للقضاء (فی غیر حد وقود) لکن یاثم المولیٰ لھا للحدیث لن یفلح قوم ولوا امرھما امرأة رواہ البخاری (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(۴) قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط صحۃ الجمعة والثانی السلطان ولو متغلبا و امرأة فیجوز امرھا یا قامتھا لا اقامتها، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ اعلیٰ المرأة لا تكون سلطانا لا تغلب لما تقدم فی باب الامامة من اشتراط الذکورة فی الامام، فكان علی الشارح ان یقول ولوا امرأة ای ولو کان ذلک المتغلب امرأة ح، والمراد بالمتغلب من فقد فیہ شروط الامامة وان رضیہ القوم (رد المحتار ص ۵۰ ج ۱)

(۵) بدائع میں دلیل اول سے کچھ قبل سلطنت عبد کا ذکر ہے ونصہ واما العبد اذا کان سلطانا فجمع بالناس او امر غیرہ جاز (بدائع الصنائع ص ۲۶۱ ج ۱) اس پر اجماع ہے کہ عبد سلطان نہیں ہو سکتا، لہذا یہاں بالاتفاق عبد متغلب مراد ہے۔ جس کی سلطنت ناجائز ہونے کے باوجود نافذ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آگے اسی موقع پر ان المرأة تصلح سلطانا میں بھی صلاحیت سے نفاذ بلا جواز مراد ہے۔

(۶) دلیل اول میں فامرت رجلا صالحا للامامة میں بالاتفاق ایسا شخص مراد ہے جس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہو جائے، یہ ضروری نہیں کہ اسے امام بنانا بھی جائز ہو، اس سے ثابت ہوا کہ آگے ان المرأة تصلح سلطانا میں بھی نفاذ مراد ہے جواز مراد نہیں۔

(۷) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان تحقیق کے مطابق اس حقیقت کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ عورت کی قضاء کا نفاذ مع عدم الجواز ہے، ونصہ:

والجواب ان ما ذکرنا ینافی ما یفید منع ان تستقضى وعدم حله والکلام فیما لو ولیت واثم المقلد بذلک او حکمھا خصمان فقضت قضاء موافقا للدين

اللہ! کان یفذا ام لا؟ لم ینتھض الدلیل علی نفيه بعد موافقته ما انزل اللہ
الا ان یثبت شرعاً سلب اہلیتها ولسی فی الشرع سوانقصان عقلها و
معلوم انه لم یصل الی حد سلب ولایتها بالکلیۃ الا ترى انها تصلح شاہد
وناظرۃ فی الاوقاف ووصیۃ علی الیتامی وذلك النقصان بالنسبۃ والاضافۃ
ثم هو منسوب الی الجنس فجاز فی الفرخ خلافہ الا ترى الی تصریحہم بصدق
قولنا الرجل خیر من المرأة مع جواز کون بعض افراد النساء خیراً من
بعض افراد الرجال ولذلك النقص الغریزی نسباً علی اللہ علیہ وسلم من یولہین عدم
الفلاح فکان الحدیث متعرضاً للمولین ولہن بنقص الحال وهذا حق لکن الکلام
فیما ولیت فقضت بالحق لما ذابطل ذلك الحق؟ (فتح القدیر ص ۲۸۶ ج ۵)
(۸) اعلار السنن میں بھی اس حقیقت کو ایسا محقق بیان فرمایا ہے کہ اس کے لائل

تقریباً دو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں (اعلار السنن ص ۲۶، ۲۷ ج ۱۵)

اعلار السنن کی اس بحث میں متعدد دلائل سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ فقہ حنفی میں
اس موقع پر ”جواز“ سے نفاذ مع الائم“ مراد ہے۔ آخر میں اپنے اس دعویٰ ”جواز بمعنی
نفاذ“ یا بالنفاذ دیگر ”نفاذ بلا جواز“ پر واقعہ جمل سے استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں اس
لئے کہ یہاں امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قطعاً کوئی تصور تک بھی نہیں تھا، نہ ہی
کسی قسم کی جنگ وغیرہ کا کوئی خیال تھا۔ صرف مطالبہ قصاص کو تقویت دینے کے لئے
آپ سے تأیید حاصل کرنا مقصود تھا جس کی تفصیل ”متفقہ فیصلہ“ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس اقدام کو بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
عنہم نے پسند نہیں فرمایا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید لے یفلح قوم الخ
میں داخل سمجھ کر ناجائز قرار دیا۔ جب مطالبہ قصاص میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا کی شمولیت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کوئی جواز نہ تھا تو
آپ کی امارت کے تصور کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟

علاوہ ازیں نفاذ مع عدم الجواز تسلیم کر لینے اور اسے دلائل سے ثابت کرنے کے
بعد اس استدلال کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عائشہ اور آپ کے ہم خیال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم نے معاذ اللہ! ناجائز کام کر کے ارتکابِ معصیت کیا ہے۔ حاشا وکلاً، واللہ یعلم

انہم بریثون من ذلك، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ ،
بعض محدثین نے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت کرنے کے لئے امام ابن تیمیہ
رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے :

انما جعلها بمنزلة الملكة التي يأتمر بأمرها ويطيعها (منہاج السنۃ ج ۱۵)
اس استدلال سے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت ہونے کی بجائے مستدل محدث
کی انتہائی جہالت اور کھلی خیانت کا ثبوت ملتا ہے، منہاج السنۃ کی پوری عبارت
درج ذیل ہے :

فان طلحة والزبير كانا معظماين عائشة رضي الله تعالى عنها موافقين لها
مؤتمرين بأمرها وهما وهى من ابعد الناس عن الفواحش والمعاونة عليها، فان
جاز للرافضي ان يقدر فيها بقوله باى وجه يلقون رسول الله صلى الله عليه وسلم مع
ان الواحد منا لو تحدث مع امرأة غيره حتى اخرجها من منزلها وسافر بها
الى اخره، مع ان ذلك انما جعلها بمنزلة الملكة التي يأتمر بأمرها ويطيعها ولم
يكن اخراجها لمطان الفاحشة الخ (حوالہ بالا)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بے حیا رافضی کی اس حیا سوز بکو اس کو نقل کیا ہے
کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ناجائز طریقہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، پھر اس بے حیا رافضی کو جواب دیا ہے کہ ان دونوں
حضرات کے قلوب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت سے معمور تھے اور ملکہ
کی طرح آپ کی عظمت و اطاعت کرتے تھے۔

اس میں اثبات امارت مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ام المؤمنین ہونے کی وجہ
سے ان کے قلوب میں آپ کی عظمت اور اطاعت کا جذبہ تھا، اگر اثبات امارت مقصود
ہوتا تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ امارۃ المرأة کے جواز کے قائل ہوتے، حالانکہ وہ اسے ناجائز
قرار دیتے ہیں، اور ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جن پر پوری امت کا اجماع ہے جس
کی تفصیل ”متفقہ فیصلہ“ میں عنوان ”اجماع امت“ کے تحت گزر چکی ہے۔

آپ کے دادا امام عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منتقی الاخبار میں ”باب المنع من ولاية
المرأة وصبی الخ“ مستقل باب کھا ہے اور اسے احادیث سے ثابت کیا ہے (نیل الاوطار ج ۲۳)

شجرة الدار :

اس سے عورت کی سلطنت کے جواز پر استدلال بدو وجہ باطل ہے :

(۱) دنیا میں ہر وہ قول و عمل جو نصوص شرع کے خلاف ہو مردود ہے ۔

(۲) یہ بہت مکار عورت تھی ، اس نے ملک صالح کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کو مکرو فریب کے ذریعہ بہت دردناک طریقہ سے قتل کر دیا ، صفر سنہ ۶۲۸ھ کو حکومت پر تسلط قائم کر لیا ، امراء اور عوام کو خوش کرنے کے لئے ان پر دولت کی بارش برسا دی ، بڑے بڑے وظائف اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر ان کے منہ بند کر دیئے ۔

بغداد میں خلیفہ وقت ابو جعفر مستنصر باللہ کو علم ہوا تو اس نے مصر کے امراء کو بہت ڈانٹا ، اس مکار عورت کو معزول کرنے کا حکم دیا اور لکھا :

”اگر تمہارے پاس سلطنت کا اہل کوئی مرد باقی نہیں رہا تو ہم کوئی مرد بھیجیں؟“

کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا :

”جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی“

خلیفہ کی دھمکی وصول ہونے پر یہ خبیث عورت خود ہی سلطنت سے دستبردار ہو گئی ، اس طرح اس کی حکومت کی کل مدت دو ماہ سے بھی کم تھی (فوات الوفيات لابن شاکر الکتبی ص ۲۶۴ ج ۱ ، اعلام النساء ص ۲۸۶ ج ۱ ، الجہان للیانعی ص ۱۲۷ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد
۴ شعبان سنہ ۱۴۰۹ھ

العاقلہ

اس تحریر کے بعد علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ذیل کے بارے میں استفسار موصول ہوا :

ومذهب الجمهور ان المرأة لا تلي الامارة ولا القضاء واجازة

الطبری وہی راویۃ عن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ تلی الحکم فیما تجوز فیہ شہادۃ النساء (ارشاد الساری ص ۲۶۰ ج ۴) طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کی تشریح "متفقہ فیصلہ" میں قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں نقل کی جا چکی ہے :

"وهذا نص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه ونقل عن محمد بن جرير الطبري امام الدين انما يجوز ان تكون المرأة قاضية ولم يصح ذلك عنه ولعله كما نقل عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انها انما تقضى فيما تشهد فيه وليس بان تكون قاضية على الاطلاق ولا بان يكتب لها منشور بان فلانة مقدمة على الحكم الا في الدماء والنكاح وانما ذلك كسبيل التحكيم والاستبانة في القضية الواحدة" (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۲۲۵ ج ۳)

رہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت، سو اس کی جستجو کے لئے کتب مالکیہ میں سے درج ذیل چودہ مشہور و مستند کتب کا مراجعہ کیا گیا :

- ① المدونة الكبرى للإمام مالك رحمه الله تعالى -
- ② المنتقى شرح موطأ الإمام مالك رحمه الله تعالى -
- ③ بداية المجتهد للإمام ابن رشد رحمه الله تعالى -
- ④ اقرب المسالك الى مذهب الإمام مالك رحمه الله تعالى -
- ⑤ الشرح الصغير على اقرب المسالك -
- ⑥ حاشية العلامة الصاوي رحمه الله تعالى على الشرح الصغير -
- ⑦ مختصر العلامة الخليل رحمه الله تعالى -
- ⑧ الشرح الكبير لمختصر العلامة الخليل رحمه الله تعالى -
- ⑨ حاشية العلامة الدسوقي رحمه الله تعالى على الشرح الكبير -
- ⑩ شرح منح الجليل على مختصر العلامة الخليل رحمه الله تعالى -
- ⑪ تسهيل منح الجليل على مختصر العلامة خليل رحمه الله تعالى -
- ⑫ جواهر الاكليل شرح مختصر العلامة الشيخ خليل رحمه الله تعالى -

(۱۳) التاج والاکیل لمختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ -

(۱۴) مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ -

کتب مذکورہ میں سے کسی میں بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز قضاء المرأة کی کوئی روایت نہیں، مدوّنہ کتاب القضاء میں قضاء المرأة کی بحث ہی نہیں، بقیہ تیرہ کتابوں میں عدم جواز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عدم نفاذ اور وجوب فسخ کی تصریح ہے۔ البتہ مؤخر الذکر کتاب ”مواہب الجلیل“ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ امام ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت جواز نقل کر کے اسکا محمل بھی وہی قرار دیا ہے جو قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اقوال کا قرار دیا ہے، اب ان کتابوں سے متعلق عبارات پیش کی جاتی ہیں :

(۱) قال الامام الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ :

”فاما صفاته (القضاء) في نفسه فاحداها ان يكون ذكرا بالغاً الى قوله فاما اعتبار الذكورة فحكى القاضي ابو محمد وغيره انه مذهب مالك، ودليلنا ما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لن يفلح قوم اسندوا امرهم الى امرأة، ودليلنا من جهة المعنى انه امر يتضمن فصل القضاء فوجب ان تنافيه الاثوثة كالامامة، قال القاضي ابوالوليد ويكفي في ذلك عندى عمل المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم لا نعلم انه قدم لذلك في عصر من الاعصار ولا بلد من البلاد امرأة كما لم يقدم للامامة امرأة والله اعلم واحكم“ (المنتقى ص ۱۸۲ ج ۵)

(۲) وقال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ :

”فاما الصفات المشترطة في الجواز فان يكون حراما مسلما بالغاً ذكرا عاقلا عدلاً“ (بداية المجتهد ص ۴۵۴ ج ۲)

(۳) وقال العلامة احمد الدردير رحمہ اللہ تعالیٰ :

”شرط القضاء عدالة وذكورة“ (اقرب المسالك)

(۴) وقال في الشرح :

”اي شرط صحته، فلا يصح من انثى ولا خنثى“ (الشرح الصغير)

رفع النقاب ————— ۵۰

- ٥) وقال العلامة احمد الصاوي رحمه الله تعالى :
- ”اي ولا ينفذ حكمها“ (الشرح الصغير ص ١٨٤ ج ٢)
- ٦) وقال العلامة خليل رحمه الله تعالى :
- ”اهل القضاء عدل ذكر“ (مختصر العلامة خليل)
- ٧) وقال العلامة احمد الداردير رحمه الله تعالى :
- ”ذكر محقق لا انثى ولا خنثى“ (الشرح الكبير)
- ٨) وقال العلامة الدسوقي رحمه الله تعالى :
- ”قوله لا انثى ولا خنثى اي فلا يصح توليتهما للقضاء ولا ينفذ حكمهما“ (الشرح الكبير ص ١٢٩ ج ٢)
- ٩) وقال الشيخ محمد عيش رحمه الله تعالى في شرح قوله العلامة خليل رحمه الله تعالى (اهل القضاء عدل ذكر فطن مجتهدان وجد والا فامثل مقلد) :
- ”الثامن صفات القاضى المطلوبة فيه ثلاثة اقسام شرط في صحة توليته وشرط في دوامها وشرط في كمالها، اشار المصنف الى الاولى بقوله عدل الى قوله فامثل مقلد -
- (ذكر) فلا تصح تولية امرأة لحديث البخارى لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة“ (منح الجليل ص ١٣٨ ج ٢)
- ١٠) والشيخ المذكور لم يتعرض لهذا في حاشيته على شرحه المذكور فكانه قرره مرة ثانية -
- ١١) وقال الشيخ صالح عبد السميع : ”ذكر“ فلا تصح تولية امرأة لحديث البخارى لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة“ (جواهر الاكليل ص ٢٢١ ج ٢)
- ١٢) وقال العلامة المواق رحمه الله تعالى :
- ”اهل القضاء عدل ذكر“ ابن رشد القضاء خصال مشترطة في صحة الولاية وهي ان يكون ذكرا حرا مسلما بالغاعا قلا واحدا فهذه ستة خصال لا يصح ان يولى القضاء الا من اجتمعت فيه فاولى من لم تجتمع

فیه لم تنقذ له الولاية وان انخرم شیء منها بعد انعقاد الولاية سقطت الولاية (التمج والاکلیل علی ہا مش مواہب الجلیل ص ۶۸۷)

(۱۳) وقال الامام الحطاب رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول العلامة خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ اهل القضاء عدل ذکر فطن مجتہدان وجد والا فامثل مقلد :

”واعلم ان صفات القاضی المطلوبة فیہ علی ثلاثہ اقسام (الاول) شرط فی صحة التولية وعدمه یوجب الفسخ (والثانی) ما یقتضی عدمه الفسخ وان لم یکن شرطاً فی صحة التولية (الثالث) مستحب یلیس بشرط فاشار المؤلف الی الاول بقوله اهل القضاء عدل لی قوله والا فامثل مقلداً (ذکر) ش قال فی التوضیح وروی ابن ابی مریم عن ابی القاسم جواز ولاية المرأة ، قال ابن عرفة قال ابن زرقون اظنہ فیما تجوز فیہ شهادتها ، قال ابن عبد السلام لاحاجة لهذا التأویل لاحتمال ان یكون ابن القاسم قال کقول الحسن والطبری باجازه ولايتها القضاء مطلقاً (قلت) اظهر قول ابن زرقون لان ابن عبد السلام قال فی الرد علی من شذ من المتکلمین قال الفسق لا ینافی القضاء مانصه وهذا اصنیف جلالاً لان العدالة شرط فی قبول لشهادة والقضاء اعظم حرفة منها (قلت) فجعل ما هو منافی للشهادة منافی للقضاء فکما ان النکاح والطلاق والعق والحدود لا تقبل فیها شهادتها فکذا لا یصح فیها قضاءها انتهى (مواہب الجلیل ص ۶۸۷) یہ روایت مؤولہ صرف قضا کے بارے میں ہے ، عورت کی ولایت بالاجماع جائز نہیں ، خلیفہ ابو جعفر مستنصر باللہ نے شجرۃ الدر کو سلطنت صغریٰ یعنی ذیلی حکومت کی بھی اجازت نہ دی اور اسے مار بھگایا جس کی تفصیل بعنوان ”شجرۃ الدر“ گزر چکی ہے ، جب عورت ذیلی امارت کی اہل نہیں تو امارت عظمیٰ کی اہل کیسے ہو سکتی ہے ؟

قال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ :

”قال عبد الوہاب ولا اعلم بینہم اختلافاً فی اشتراط الحرية ، فمن رد قضاء المرأة شبهہ بقضاء الامامة الکبریٰ وقاسمها ایضاً علی العبد لنقصان حريتها ومن اجاز حکمها فی الاموال فتشبیہها بجواز شهادتها فی الاموال ، ومن رآی حکمها نافذا فی کل شیء قال ان الاصل هو ان کل من یأتی منه الفصل بین الناس فحکمہ جائز الا ما خصه الاجماع من الامامة الکبریٰ (بدایۃ المجتہد ص ۴۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۶ رمضان ۱۴۰۹ھ

عبرت: جو عورت اس تحریر کا باعث بنی اسکی حکومت صرف بینا ماہ بشکل چل سکی جو بہت ہی بُرے انجام اور انتہائی ذلت پر ختم ہوئی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ

غلبِ اسلام

کیا اسلام بزورِ مشیرِ پھیلا؟



افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

غلبہ اسلام

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف مسلسل یہ پروپیگنڈا
کیا جا رہا ہے :

”اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر
جبر واکراہ کے ذریعہ پھیلا گیا ہے“

زیر نظر تحریر

میں

اس تبلیغِ ابلیس کا مختصر مگر نہایت

جواب ہے



فاروق



کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا؟

سوال : اعداء اسلام بالخصوص مستشرقین کی طرف سے یہ عام پروپیگنڈا ہے کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، کیا اس میں کچھ حقیقت کا عنصر بھی ہے یا محض مخالفین کا پروپیگنڈا ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اسلام دشمنی نے ان لوگوں کو اندھا بہرا کر دیا ہے ورنہ پروپیگنڈے سے پہلے اتنا سوچ لیتے کہ مسلمان ہونے کا مطلب ہے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر لینا، اگر کوئی شخص دل سے مسلمان ہونے کی بجائے صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ شریعت کی اصطلاح میں منافق ہے، منافقین کا گروہ عام کفار کی بنسبت بدترین اور خطرناک گروہ تھا جسے قرآن نے اِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْاسْفَلِ مِنَ النَّارِ کی وعید سنائی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ اس مارا آستین نے اسلام کو عام کفار کی بنسبت کہیں زیادہ نقصان پہنچایا ہے، اب سوچا جائے کہ جبر کر کے کسی کافر کو زبانی ہی کلمہ پڑھایا جاسکتا ہے، اس کے دل سے تو کفر نہیں نکالا جاسکتا، ان معترضین کے بقول گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزور شمشیر عام کفار کو منافق بنا کر مزید ان سے دشمنی مول لی، بھلا اس سے کیا فائدہ؟ غرض بزور شمشیر کسی کو مسلمان بنانا از روئے عقل و نقل ممکن ہی نہیں اور یہ پروپیگنڈا گورخر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، مگر اس پروپیگنڈے کے پیچھے شاطر فرنگی کا یہ ابلیسی اصول کار فرما ہے :

”جھوٹ بولو اور اتنا بولو کہ دنیا اسے سچ باور کرنے لگے“

اس لئے ہم اس پروپیگنڈا کی سطحیت اور اس کا کھوکھلا پن قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۵۔ یہ جھوٹ مستشرقین نے گھڑا ہے، وہی اسے مسلسل ہوادے رہے ہیں، اگر

اس میں رتی برابر بھی وزن ہوتا تو ان کے اسلاف (کفار مکہ) اس سے کبھی نہ چوکتے، حالانکہ انھوں نے اسلام کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، ساحر، کاہن، کذاب، مفتری غرض سب کچھ کہا مگر یہ جھوٹ انکے حاشیہ خیال میں بھی نہ آیا یا آیا بھی ہو تو آپ اپنی تردید کے مترادف سمجھ کر اس کی اشاعت کی ہمت نہ کر سکے۔

○ اگر جبر و اکراہ سے لوگوں کو مسلمان بنایا گیا تو اشاعت اسلام میں اتنا طویل اور صبر آزما عرصہ کیوں صرف ہوا؟ شمشیر و سنان کے ذریعہ تو سالوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نمٹایا جاسکتا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ تیرہ سال کے طویل عرصہ میں صرف گنتی کے افراد ہی مسلمان ہوئے۔ اگر کہا جائے کہ مکہ مکرمہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت نہ تھی تو پوچھا جاسکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جبری کارروائی سے کیا چیز مانع تھی؟ یہاں تو اسلامی ریاست قائم ہو گئی، جاں نثاروں کی فوج بھی میسر آ گئی، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ آخر وقت تک مدینہ منورہ کی بھی پوری آبادی مسلمان نہ ہوئی، اس مرکز اسلام میں یہودی، مشرک، منافق سب ہی رہتے رہے۔

○ معترض بتائیں کہ جبر کس ذریعہ سے کیا گیا؟ مال و دولت، جاہ و اقتدار یا کسی دوسرے دنیوی مفاد کا چکما دیکر؟ تیرہ سال تک تو مسلمان خود حد درجہ مظلوم کس مپرسی کے عالم میں تھے، ان کے پاس ان چیزوں کا دور دور تک کہیں گزر نہ تھا، ہجرت کے بعد کا ابتدائی دور بھی دور ابتلا تھا، البتہ شہہ کے بعد فتوحات کا دور شروع ہوا، مگر وہ بھی اس شان سے کہ دور دراز سے قبائل عرب خود آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے، اس دور کے مسلمانوں میں نامور امراء عرب، حکام و سلاطین اور رؤسا و اغنیاء شامل ہیں، یہ لوگ کس کی تلوار سے مسلمان ہوئے؟ اسلام لانے کے بعد یہ حضرات اپنے علاقوں سے زکوٰۃ و صدقات جمع کر کے بارگاہ نبوت میں پیش کرتے، لینے کی بجائے دوسروں پر مال نچھاور کرتے، یہ کیسا جبر ہے؟

○ بہر قیمت دنیا کو داخل اسلام ہونے پر مجبور کیا جاتا تو جزیہ مقرر کر نیر کا کیا مقصد تھا؟ حالانکہ عین ان حالات میں جبکہ اسلام کی ترقی عروج پر تھی لاکھوں کروڑوں افراد اسلامی ملکوں میں قلیل سا سالانہ جزیہ دیکر امن و عیش کی زندگی گزار رہے تھے، اس پرستندہ عورتوں، بچوں، غلاموں، معذوروں اور تنگ دست لوگوں کے علاوہ گوشہ نشین راہبوں کو بھی جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا، ایسی مخلوق کو جبراً مسلمان بنانا کیا مشکل تھا؟

۵۔ اسلام لانے والے لوگوں کا بھی ایک سرسری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوۃ طیبہ میں اسلام لانے والے کچھ تو متوسط طبقہ کے لوگ تھے مگر اکثر صحابہ اونچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر مملوک و صعلوک اور ماتحت افراد تھے، پہلی قسم میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سر فہرست ہیں۔

اس طبقہ کے بہت سے حضرات تو خود جابر و قاسر اور زور آور تھے، مسلمان ہونے سے پہلے اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے، اگر فرض کیا جائے کہ ان حضرات نے داخل اسلام ہونے کے بعد لوگوں پر جبر کیا تو بتایا جائے کہ خود ان جابرین پر کس نے جبر کیا تھا؟ اور دوسرا طبقہ تو مسلمان ہونے کے بعد مسلسل تیرہ برس تک مشق ستم بنا رہا، ان میں حضرت بلال، صہیب، یاسر، عمار، سمیہ، زبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سر فہرست ہیں۔ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، بعض کو شہید تک کر دیا گیا، مگر بزبانِ حال سب کا ایک ہی نعرہ تھا:

”یہاں بڑھتا ہے ذوقِ جرم ہر سزا کے بعد“

آخر یہ اسلام سے منحرف کیوں نہ ہوئے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی فرد بشر پر کبھی جبر نہیں کیا گیا، البتہ اسلام سے ہٹانے کے لئے جبر کیا گیا اور ہر ممکن حربہ آزمایا گیا۔

۵۔ اسلام کے نظریہ مساوات اور نظامِ عدل و مواسات کو دیکھ کر ہر ذی شعور فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس مقدس مذہب میں جبر و جور یا اس قسم کے کسی اونچے حربہ کی دور دور تک کوئی گنجائش نہیں، بلکہ داخل اسلام ہونے سے پہلے کسی غیر مسلم کو بار بار سوچنا پڑتا ہے کہ میں اسلام میں قدم رکھ کر کیا کھوؤں گا کیا پاؤں گا؟ دنیا جانتی ہے کہ اسلامی قوانین غنی و فقیر، شریف و وضع بلکہ شاہ و گدا کے لئے یکساں نافذ العمل ہیں، اس میں کسی سے کوئی رُورِ عایت نہیں، اس کی درخشاں مثالیں تاریخِ اسلام میں ثبت ہیں۔

جبلۃ بن ایہم کا واقعہ تو تاریخِ اسلام کا مبتدی بھی جانتا ہے، اس نو مسلم بادشاہ نے ایک فقیر بے نوا کو طیش میں آ کر تھپڑ رسید کر دیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا فیصلہ صادر فرمایا، یہ ایک رات کی مہلت لے کر اسی رات فرار ہو کر مرتد

ہو گیا اور اسلام کا بدترین دشمن بن کر اہل اسلام کو زندگی بھر ستاتا رہا، ہر میدان میں ان سے مقابلہ کرتا رہا، اگر اس سے ذرا سی رعایت برتی جاتی تو یہ حادثہ پیش نہ آتا، مگر اسلام کے لازوال قوانین میں ایسی کوئی لچک نہیں۔

اسی طرح عرب کے بعض وجیہ اور بااثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پیشکش کی کہ ہم اس شرط پر مسلمان ہوتے ہیں کہ ہمیں اسلامی حکومت میں حصہ دار بنایا جائے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

بعض نو مسلم قبائل نے کچھ رعایت چاہی کہ ہمیں نماز یا زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی درخواست بھی کمال استغناء سے رد فرمادی۔

اس قسم کے واقعات بڑی تعداد میں ملتے ہیں، کوئی ہوش و حواس رکھنے والا انسان بتائے کہ ایسے مذہب میں کسی کو مجبور کر کے لانے سے کیا فائدہ؟

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوۃ طیبہ میں اسلام پورے جزیرہ عرب میں پھیل گیا، خلفاء راشدین کے عہدوں میں تو اسلام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا، کروڑوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، کیا یہ مستشرقین مل کر اس پورے دور میں کسی ایک متعین فرد کی نشاندہی کر سکتے ہیں کہ اسے بجز واکراہ مسلمان بنایا گیا؟ دیدہ باید۔

اس کے برعکس ہنود، یہود اور نصاریٰ جن ذرائع سے دنیا کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ زن، زر، زمین غرض دنیا کا ہر لالچ دیکر لوگوں کو شکار کیا جا رہا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے، یہ اسلام کا اٹل فیصلہ ہے، اس میں کسی کو شبہ نہ ہو تو باب المرتد والبغاة میں رسالہ ”القتل المشتد لقتل المرتد“ کا مطالعہ کرے۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۱۷ شعبان ۱۴۱۳ھ



ولو كان رَضًا حَبْلًا مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدْ الثَّقَلَانِ أَنِي رَافِضِي



ذُبُّ الْجَهْلِ عَنْ

سَبْطِ الرَّسُولِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ



حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روافض
وخواجج افراط و تفریط کے شکار اور غلو میں مبتلا ہیں،
اس رسالہ میں صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال کی وضاحت
کی گئی ہے جو مذہبِ اہلِ السنۃ والجماعۃ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بغاوت کیوں کی؟

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے یزید کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اور جس طرح حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت ہوئی ایسے ہی یزید کی بھی، لہذا امام حسین باغی ہوئے اور باغی کا حکم قرآن میں مذکور ہے۔ فان بغت احداہما علی الآخری فقاتلوا للہ التی تبغی۔ لہذا بغاوت کی وجہ سے امام حسین واجب القتل ہوئے۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس کی پوری حقیقت واضح فرما کر خلجان رفع فسرمائیں،

بیتوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس شخص کا یہ خیال باطل اسلام میں انتخاب خلیفہ کے اصول سے جہالت اور اسلامی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے، اسلام میں انتخاب خلیفہ کے لئے ولی العہدی کی جابھلانہ رسم کی کوئی گنجائش نہیں کہ خلیفہ وقت جسے چاہے اپنا ولی العہد نامزد کر دے، اسلام میں انعقاد خلافت کی چار صورتیں ہیں۔ بیعت، استخلاف، شوری، استیلاء۔ ان چاروں کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے۔

① بیعت، اہل حل و عقد بالاتفاق کسی کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا۔

② استخلاف، خلیفہ وقت چند باصلاح لوگوں سے مشورہ کر کے بارے میں وصیت کر دے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان بن عفان بن عفان، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجر بن انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے دوسرے اہل حل و عقد سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا (اسد الغابہ ص ۱۶۸ ج ۴)

بذریعہ استخلاف انعقادِ خلافت کے لئے تین شرائط ہیں :

- ① خلیفہ اول میں خلافت کی سب شرائط موجود ہوں۔
- ② خلیفہ ثانی بھی سب شرائط خلافت کا مستجمع ہو۔
- ③ خلیفہ اول نے خلیفہ ثانی کے انتخاب میں اہل حل و عقد سے مشورہ کیا ہو۔
- ④ شوری، خلیفہ وقت چند اہل حل و عقد لوگوں کی شوری متعین کر کے یہ وصیت کر دے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ رکنی شوری متعین فرمائی اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا (صحیح بخاری)
- ⑤ استیلاء و تغلب، کوئی شخص خلیفہ وقت کی موت کے بعد جبراً و قہراً مسلط ہو جائے۔

وجہ جوازِ خروج :

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بذریعہ استخلاف انعقادِ خلافت کے لئے خلیفہ ثانی میں سب شرائط خلافت کا وجود شرط ہے، اور کسی میں شرائط خلافت کے وجود و عدم سے متعلق دو شخصوں کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے، چنانچہ یزید میں وجود شرائط خلافت کے بارے میں حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے مختلف تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یزید میں سب شرائط موجود تھیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کل یا بعض مفقود، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق یزید کو خلیفہ بنانا جائز تھا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق فقدانِ شروط کی وجہ سے اس استخلاف سے یزید کی خلافت منعقد نہیں ہوئی تھی۔

بذریعہ بیعت انعقادِ خلافت کے لئے سب اہل حل و عقد کا اتفاق ضروری ہے یزید کے بارے میں اہل حل و عقد کا اتفاق نہیں ہوا، اس لئے بذریعہ بیعت بھی خلافت منعقد نہ ہو سکی،

بالآخر بذریعہ استیلاء و تغلب یزید کی خلافت منعقد ہو گئی تھی مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت یزید کے مقابلہ میں نکلے تھے اس وقت تک یزید کا پورے طور پر استیلاء و تغلب نہیں ہوا تھا،

جملہ مؤرخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہل کوفہ کی دعوت پر نکلے تھے اس وقت تک یزید کی حکومت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی۔ صرف شام کے لوگوں نے یزید کی خلافت کو تسلیم کیا تھا، مگر مکہ، مدینہ، کوفہ وغیرہ مرکزی اسلامی شہروں کی استصواب رائے کے سوا صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ خلافت اسلامیہ کا مسئلہ گھر بیٹھے طے کر لیں۔ اس وقت تک عام مسلمان تو درکنار خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ امراء آئندہ خلیفہ کے بارہ میں مذذب تھے۔ اہل کوفہ نے حضرت حسین کی طرف بہت وضاحت سے لکھا تھا کہ اس وقت ہم پر کوئی امیر نہیں۔ آپ تشریف لائیں۔ شاید آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر جمع کر دیں۔ قصر امارت میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے مگر ہم نہ ہی اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ عیدین۔ اگر ہمیں آپ کی تشریف آوری کا یقین ہو جائے تو ہم اسے کوفہ سے نکال دیں (الامامۃ والسیاستہ لابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۳)

خود کوفہ کے امیر نعمان بن بشیر کو جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہنچی تو اس نے صاف صاف کہہ دیا: (ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الینا من ابن بجدل، اسی لئے یزید نے نعمان بن بشیر کو معطل کر کے اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر تیس ہزار سے بھی زیادہ لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ حجاز کی مرکزی آبادیوں کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔ اس وقت تک یزید کی حکومت کا منعقد ہونا تو کیا ہر جگہ پر مخفی اور ظاہر ہر طرح سے اس کی مخالفت عام تھی۔ اس حالت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شرعاً فرض تھا کہ ان کی نظریں جو شخص خلافت کا اہل نہیں اسے برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کے لئے جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں آپ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں کی جا رہی تھیں۔

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کی مخالفت میں نہ تھا جسے بغاوت سے تعبیر کیا جاسکے، بلکہ آپ کے علم و فضل اور دینی مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہو رہی تھی کہ آپ کی نظر میں جو لوگ نااہل ہیں انہیں برسرِ اقتدار

آنے سے روکیں۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے قبل ہی حالات میں اس قدر تیز رفتاری سے تغیر واقع ہو گیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت بالکل بدل گئی، یعنی اہل کوفہ مسلم بن عقیل سے غداری کر کے عبید اللہ بن زیاد سے متفق ہو گئے اور مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا اور حجاز میں بھی یزید کے لئے نہایت تیزی سے حالات ہموار ہو گئے اور لوگوں سے طوعاً کرہاً یزید کے لئے بیعت لے لی گئی۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یزید کی حکومت منعقد ہو چکی ہے تو آپ نے خلافت سے دست بردار ہو کر واپس مدینہ منورہ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا، مگر آپ کی جماعت کا دشمن کی فوج نے گھیرا ڈال لیا اور واپس مدینہ منورہ نہ جانے دیا، عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین تجویزیں پیش فرمائیں :

① مجھے مدینہ واپس جانے دو۔

② مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تاکہ باقی زندگی جہاد میں گزار دوں۔

③ مجھے یزید سے ملنے دو۔ میں خود اس سے فیصلہ کر لوں گا۔ بلکہ بعض روایات

میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا قصد مذکور ہے: امانت اضع یدی فی ید یزید (طبری ص ۳۱۳ ج ۲، البدایہ والنہایہ ص ۷۰ ج ۸) خود شیعہ کے ممتاز عالم شریف المقتضی نے بھی اپنی کتاب الشافی مطبوع ایران ص ۴۷ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، البدایہ والنہایہ میں ایک راوی کا قول ہے کہ اُس نے یہ الفاظ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں سُنے، مگر اثبات کی روایات زیادہ ہیں، علاوہ انہیں اصولاً بھی اثبات کو نفی پر ترجیح ہے۔ یہ روایت اس پر نص ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے، بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست کرنا ہی خلافتِ یزید کو تسلیم کرنے پر واضح دلیل ہے۔

عمرو بن سعد نے یہ تجویزیں ابن زیاد کی طرف لکھ بھیجیں اور ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ ان میں سے کوئی تجویز قبول کر کے انھیں چھوڑ دیا جائے۔ مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تجویزوں کو رد کر دیا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل وعیال سمیت قید کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ اس وقت آپ کے لئے صرف دو ہی راستے تھے۔

ذبت الجہول ————— ۵

① خود کو اہل و عیال سمیت گرفتار کرنا و اگر ذلت قبول کریں۔

② مردانہ طریقہ سے مقابلہ کر کے شہید ہو جائیں۔

شریعت کسی شخص کو مجبور نہیں کرتی کہ اپنا نفس اور اہل و عیال ظالموں کے قبضہ میں دے اور ذلت قبول کرے۔ لہذا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال عزیمت کا راستہ اختیار کر کے شہادت قبول کی،

تفصیل مذکور ابن جریر، کامل، یعقوبی، شرح نہج البلاغۃ، الامامۃ والسیاستہ، امام سید مرتضیٰ، مقتل ابن احنف، تاریخ کبیر للذہبی وغیرہ کتب تاریخ میں موجود ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خروج کے وقت کوئی حکومت موجود نہ تھی اور کوئی خلافت قائم شدہ نہ تھی۔ جب یزید کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ارادہ سے رجوع فرمایا تھا،

یہ کہنا کہ ”حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت“ بالکل غلط ہے اور اس امر پر دلیل ہے کہ قائل کو نہ تو انتخاب خلیفہ کے اسلامی قانون سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی اسلامی تاریخ سے کچھ مہارت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۳۳ھ

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ پر تبصرہ :

الحمد للہ وکفی وسلاماً علی عبادہ الذین صطفیٰ۔ آمّا بعد، چند سال پیشتر جب کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کا سلسلہ بعنوان ”الحسین پر تبصرہ“ بعض ماہانہ جرائد میں شروع ہوا تو احباب نے اس کی طرف توجہ منعطف کر دئی اور جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا اس پر اظہار خیال و تبصرہ کے لئے اصرار شدت اختیار کرتا گیا، مگر راقم الحروف اس پر قلم اٹھانے سے بوجہ ذیل ہمیشہ پہلو تھی و اعراض کرتا رہا۔

① یہ مسئلہ اور اس قسم کے سیکڑوں مسائل میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اس لئے ان کی طرف توجہ کرنا قیمتی وقت کی تضييع ہے۔ یہ مسئلہ نہ تو دین کے اصول سے ہے اور نہ ہی فروع سے۔ آخرت میں کوئی حساب و کتاب و باز پرس اس سے متعلق نہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ دین کے اہم مسائل جن پر اخروی نجات موقوف ہے،

ذیل الجہول

آج کے مسلمانوں کو ان سے قطعی طور پر بے خبر ہونے کے باوجود ان کا علم حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، وضو اور نماز تک کے مسائل معلوم نہیں۔ حالانکہ احکام دین میں نماز اور اس کے احکام اشہر و اہل ہیں، جب پنجگانہ نماز سے متعلق علم کی یہ کیفیت ہے تو دیگر عبادات و معاملات، بیوع و اجارات، آداب و اخلاق سے متعلق ان کے علوم کی سطح کیا ہوگی؟

غرضیکہ جن امور کے مکلف ہیں اور آخرت میں ان سے مسئول ہوں گے اور وہ مدارِ نجات ہیں ان سے تو اس قدر غفلت کہ گویا اپنی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار ہی نہیں، نہ جنت کی خواہش نہ جہنم کا خوف، نہ رضائے الہی مطلوب، نہ اس کے غضب و انتقام سے بچنے کی فکر، اپنے نفس کے ساتھ تو اس قدر تھاؤں و بے اعتنائی جو ہلاک کے مترادف اور دوسروں کے تزکیہ و تعدیل کی فکر اور شب و روز یہی مشغلہ و دھن و ع

تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نہیڑ تو

مُحَلَّةٌ اُمُورٌ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ جیسی نصوص صریحہ سے قطع نظر ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی سرتاپا عیوب کے مجسمہ کا حکم و منصف بن کر اغیار خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر اُمت کی حسنات و سیئات کا جائزہ لینا اور ان کے عیوب کی تنقید و تنقیح کے لیے رہنا کتنی بڑی حماقت ہے ۵

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب ہنر

پڑی اپنے گناہوں پہ جبکہ نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

(۲) موضوع سخن تفسیق و تعدیل ہے جو ایک مسلم کے لئے بہت ہی کٹھن گھاٹی ہے، ایک طرف قولہ تعالیٰ: فَلَا تَزْكُوا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ مِنْ اَنْتُمْ۔ و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزْكُوا عَلٰی اللّٰهِ اَحْلًا،۔ و قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عَصَا فِیْرِ الْجَنَّةِ۔ و قول ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْكَ اَبَا السَّائِبِ فَشَہَادَتِہٖ عَلَیْكَ لَقَدْ اَكْرَمَکَ اللّٰہُ، پر انکار فرمانا، اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول واللہ انی لا راہ مؤمنًا کے جواب میں او مسلمًا ارشاد فرمانا، اور دوسری جانب قولہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا — وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ، — لَا يَرْفَعُ رَجُلٌ رَّجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنَّ لِمَن يَكُنْ صَاحِبَهُ كَذَلِكَ — هَلَا شَقَقْتُ قَلْبَهُ — ظَنُّوا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا — إِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ — اذْكُرُوا مَوْتَكُمْ مَّحْجِينَ، — لَا تَسْبُوا الْأَمْوَالَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا، جِيسَ ارشادات اس مسئلہ میں لب کشائی کی مجال ختم کر دیتے ہیں۔

(۳) قلم فرسائی و طبع آزمائی کے لئے بدقسمتی سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقدس جماعت کو ہدف منتخب کیا جاتا ہے جن کے مدائح و مناقب سے قرآن و حدیث کے ذخائر و دفاتر معمور ہیں جن کی عبادت پر فرشتوں کو شریک تھا، جن کی زندگی اُمت کے لئے اُسوہ ہے اور جن کے اقوال و افعال قیامت تک آنے والی اُمت کے ایمان کا مدار و معیار۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا — لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ — اللَّهُ اللَّهُ فِي صَحَابِي لَا تَتَّخِذْهُمْ مِنْ بَعْدِي غُرُضًا مِنْ أَحِبَّتِهِمْ فَبِحَبَّتِي أَحِبَّتِهِمْ وَمِنْ الْغَضَمِ فَبِغَضِي ابْغِضْهُمْ — خَيْرَ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلَوْهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلَوْهُمْ — النِّجْمُ أَمْنَةٌ لِلسَّمَاءِ وَاصْحَابِي أَمْنَةٌ لِّلْأُمَّةِ — إِنَّ مِنَ الْإِيمَانِ حُبَّ الْأَنْصَارِ وَإِنَّ مِنَ النِّفَاقِ بَغْضَ الْأَنْصَارِ، (فَحُبُّ الْمُهَاجِرِينَ وَبِغْضِهِمْ بِالْأُولَى) جیسی نصوص سے اس مقدس گروہ کی محبت کو نوکد بلکہ عین ایمان اور ان سے بغض کو معصیت بلکہ عین کفر قرار دیا گیا۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف پر لب کشائی کرنے کی واضح مثال یہ ہو سکتی ہے کہ دو شہزادوں کا اختلاف دیکھ کر کوئی چیرا سی حکم بن کر ان کا فیصلہ کرنے لگے اور انھیں سب و شتم سے نوازے، غور کیجئے کہ ایسے حکم پر بادشاہ کا غیظ و غضب کس درجہ ہوگا؟ (۴) زیر بحث عنوان کی حقیقت تک پہنچنا متعسر بلکہ متعذر ہے۔ اس مسئلہ کی تاریخ اس قدر غبار آلود ہے کہ اصل واقعہ کا تنقیہ و تنقیح ناممکن ہے۔ سبائی گروہ کی ریشہ دو اینوں سے جب حدیث بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ حالانکہ اس میں تنقید رجال کا پورا اہتمام ہوتا ہے تو تاریخ کا ملوث نہ ہونا کیونکر ممکن ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخ پر کامل طور پر سبائی گروہ متصرف اور حاوی رہا ہے، اور افتراء، بہتان تراشی، وضع روایات، کذب اور دجل و تبلیس اس گروہ

کا طرہ امتیاز بلکہ عین ایمان ہے۔

جب ایک وزیر اعظم جو قوم کا محبوب ترین لیڈر بھی تھا اس کے علی الاعلان قتل کے سانحہ کی تحقیق سے آج تک حکومت عاجز ہے، حالانکہ تحقیق و سراغ رسانی کے جدید ذرائع ایسے ایجاد ہو چکے ہیں کہ ان پر فخر کیا جاتا ہے اور پھر تحقیق کرنے والی خود حکومت، تو صدیوں قبل کے واقعہ کی تحقیق کا تصور کیسے صحیح ہو سکتا ہے، خصوصاً جبکہ تیرہ صد سالہ تاریخ اعداء کے ہاتھوں میں رہی اور وہ حسب منشا تاریخ کا رخ پلٹتے رہے۔ قال الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ومن زعم ان یزید امر یقتل الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضی بہ فینبغی ان ینعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر والوزراء والسلاطین فی عصرہ لو اراد ان ینعلم حقیقۃ من الذی امر یقتله ومن الذی رضی بہ ومن الذی کوہہ لم یقدر علی ذلک وان کان الذی قد قتل فی جوارہ وزمانہ وهو یشاہد فکیف لو کان فی بلد بعید وزمن قدیم قد انقضی فکیف ینعلم ذلک فیما انقضی علیہ قریب من اربع مائۃ سنۃ فی مکان بعید وقد تطرق التعصب فی الواقعۃ فکثرت فیہا الاحادیث من الجوانب فہذا الامر لا ینعلم حقیقۃ، (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۸)

⑤ سبائیوں کی طرف سے شب و روز خرافات اور اسلاف پر الزامات اور ان کی شان میں گستاخیوں کا سلسلہ ہی ہمیں اسلاف سے دفاع کے لئے اس بحث میں پڑنے پر مجبور کرتا ہے، ان حالات میں سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا صحیح اور معقول علاج تو یہ ہے کہ اسلاف کی تفسیق و تعدیل اور ان کے ایمان و کفر کی تحقیق کی بجائے خود سبائیوں کے ایمان کی تحقیق کا مسئلہ پیش کیا جائے اور ان سے ان کے ایمان کے اثبات کا مطالبہ کیا جائے جبکہ ان کے ہاں قرآنیم کی تحریف کا مسئلہ متواترات میں سے ہے اور اس قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) دراصل سبائی گروہ اپنے ایمان کی حقیقت کو چھپانے کی غرض سے پینترا بدل کر اسلاف کے ایمان و کفر کا موضوع چھیڑتے ہیں۔ اندریں صورت بغرض دفاع ہمارا اس بحث میں کود پڑنا ہی ان کی کامیابی ہے۔ نیز موضوع بحث ہمیشہ ایسا امر ہونا چاہیے کہ اس میں کامیابی مفید ہو اور کبھی عوارض کی وجہ سے سطحی و عارضی ناکامی میں ضرر کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ یعنی فائدہ منطون اور عدم ضرر متیقن ہو۔ اس لئے ہر لحاظ سے اسلاف کے کردار کی بجائے سبائیہ کے ایمان اور کردار ہی کو موضوع بحث بنانا موزون و معقول ہے۔ پس کردار سلف کے

موضوع پر بحث کے لئے ہمارا طیارہ ہو جانا کم نظری اور کوتاہ بینی ہے۔
وجوہ مذکورۃ الصدر کی بنا پر میرے نزدیک اس مسئلہ پر بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی
اسی لئے اس بابے میں ہر استفسار کو طائرہ ہا حتیٰ کہ ”الحسین پر تبصرہ“ کتابی شکل میں خلافت
معاویہ و یزید کے نام سے شائع ہو گیا۔ اس پر استفسارات میں مزید اضافہ ہونے لگا حتیٰ
کہ خود مؤلف کتاب کی طرف سے بھی تبصرہ کی دعوت دی گئی، ان حالات میں کچھ تذبذب
تھا کہ ایک ایسے کرم فرما استاد کا حکم صادر ہوا جس کی تعمیل سے کوئی مفر نہ تھا، چنانچہ مجبوراً
بادلِ نحواستہ لرزتے ہوئے ہاتھ سے چند سطور حوالہ قرطاس کر رہا ہوں، واللہ العاصم من
الوقوع فی عرضہ اولیائہ۔

کتاب مذکور میں یہ امور قابل ستائش ہیں اور ان کے اثبات میں مصنف کی محنت قابل
تحسین ہے :

① بنو اُمیہ و بنو ہاشم میں نہ زمانہ جاہلیت میں کوئی اختلاف تھا اور نہ ہی زمانہ اسلام میں
کوئی رقابت، واقعہ کربلا کے بعد بھی دونوں قبیلوں میں رابطہ قویہ تھا، آپس میں رشتے نا طے
تھے، ایک دوسرے سے حسن سلوک، ہمدردی، محبت و ایثار کا جذبہ تھا اور کیوں نہ ہو، جبکہ
وہ اسے حق قرابت کے علاوہ شرعی فرض بھی سمجھتے تھے، اشدّاء علی الکفار رحماء بینہم۔
انما المؤمنون اخوة جیسی نصوص کی شب و روز تلاوت کرتے تھے، اور المؤمنون للمؤمنین
کالبنیان یشد بعضہ بعضاً۔ ولن تؤمنوا حتیٰ تمحبوا جیسے ارشادات کی روایت، یہ
حضرات آپس میں بلاشبہ شیر و شکر تھے، ان میں تعادلی اور تباغض و تنافر کا تصور سبائی
تخم ریزی کا ثمرہ ہے۔ ان میں اگر اختلافات ہوئے تو وہ دین کی حفاظت کی خاطر نہ کہ نفسانیت
کی بنا پر، التحاب فی اللہ والتباغض فی اللہ ان کا ایمان تھا۔

② یزید کے مناقب کا بیان اور اس کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈہ کا ابطال، اس امر
کے محمود و مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

③ مظالم کربلا سے متعلق سبائیوں کی من گھڑت داستانوں کا استیصال۔

مگر ان سب خوبیوں کے ساتھ یہ دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بعض امور میں مصنف کا
قلم حدودِ شرع سے بہت متجاوز ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ یزید کے مغفور نہ ہونے کا قطعی
حکم دے دیا، حالانکہ ایک نابالغ بچے کی وفات پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

قول عصفور من عصافیر الجنۃ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر طریقِ ادب کی تعلیم فرمائی، باوجودیکہ بچے کے معذب ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی وفات پر حضرت اُم العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول: شہادت علیک لقد اکرمک اللہ، پر نکیر فرمائی، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ فرمایا: وما ادری واللہ وانا رسول اللہ ما یفعل بہ، حالانکہ بعد میں حضرت اُم العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کی تعبیر میں فرمایا: ذلک عملہ، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول تو اللہ اتی لاراه مؤمنًا کے جواب میں او مسلمًا فرمایا، حالانکہ بعد میں خود ہی شخص معمود کے مخلص مؤمن اور صالح ہونے کی تصدیق فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی شخص معین و مشخص طور پر بشر یا الجنۃ ہو تو بھی قطعی حکم لگانا نظر شرع میں محمود نہیں، خلافتِ ادب ہے یزید سے متعلق مشخص طور پر کوئی بشارت نہیں، بلکہ بشارت کے کلیہ کے تحت دخول میں بھی کلام ہوا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مہلب کا قول: فی ہذا الحدیث منقبة معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لانتہا اول من غزا البحر ومنقبة لولہ لانتہا اول من غزا مدینۃ قیصر نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: وتعقبہ ابن التین وابن المنیر بما حاصلہ اند لا یلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم فی ان قولہ علیہ السلام مغفور لہم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد من غزاہا بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقاً فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منهم (حاشیۃ صحیح البخاری جلد ۱ ص ۴۱۰) اس کے پیش کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ یقیناً یزید اس بشارت سے خارج ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ یزید کے فسق و فجور و شرب الخمر سے متعلق اس شدت سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسے ان معاصی کا مرتکب خیال کرنے لگے اور بعد میں بھی اکابر اُمت میں سے کئی جلیل القدر ہستیوں کا یہی نظریہ تھا۔ یزید کے مناقب اور اس پر وارہ ذکرہ الزامات پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر اُمت کے چند نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

① ابن التین وابن المنیر کا نظریہ اوپر بحوالہ قسطلانی تحریر کیا جا چکا ہے۔

② فتح الباری و قسطلانی میں طبری سے منقول ہے: ان یزید بن معاویۃ کان

امر علی المدائنی ابن عمہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان فاوفدا الی یزید من اهل المدينة منهم عبد اللہ بن غسیل الملائکة وعبد اللہ بن ابی عمرو المخزومی فی آخرین فاکرمهم واجازهم فرجعوا فاظہروا عیبہ ونسبوا الی شرب الخمر غیر ذلک (حاشیہ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۵۰۳) خلع اہل مدینہ کا سبب ہی یہی تھا جسے خود مؤلف نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۳) فتح الباری میں ہے: کقولہ (ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اعوذ باللہ من رأس الستین وامارة الصبیان یشیر الی خلافة یزید بن معاویۃ فانھا کانت سنۃ ستین واستجاب اللہ دعاء ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمات قبلہا السنۃ (حاشیہ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۵۰۳) مگر اس قسم کی کئی روایات ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویۃ کلہا موضوعۃ لا یصح شیء منہا واجود ما ورد ما ذکرناہ علی ضعف اسانیدہ وانقطاع بعضہ واللہ اعلم (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۳۱)

(۴) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مطاعن یزید سے متعلق چند روایات کو رد کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الاوقات واما تنهها في غالب الاوقات (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۳۰)

(۵) قال یحییٰ بن عبد الملك بن ابی غنیۃ احد الثقات ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقة قال كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر تقول امیر المؤمنین یزید فامر به فضرب عشرين سوطاً، (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

(۶) وستیفی (علی بن محمد بن علی بن عماد الدین ابوالحسن الطبری و یعرف بالکلیا الہراسی احد الفقہاء الکبار من رؤس الشافعیۃ ولد سنۃ خمس واربعمائة واشتغل علی امام الحرمین وكان هو والغزالی اکبر التلامذۃ وقد ولی کل منہما تدريس النظامیۃ ببغداد) فی یزید بن معاویۃ فذكر عنه تلاعباً وفسقاً وجور شتمہ (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۱۴۳)

(۷) وقد رد علیہ (علی الشیخ عبد المغیث بن زہیر مصنف کتاب فضل یزید) ابوالفرج ابن الجوزی (وہو من شیوخ الحنابلۃ) فاجاد واصلب (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸)

(۸) انه (یزید) كان فيه من الظلم ما كان ثماناً اقتل هو وهم وفعل

باہل الحرۃ امور منکرۃ (منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ج ۱ ص ۲۷)

⑨ تفسیر مظہری میں ابن الجوزی سے یہ روایت منقول ہے: روى القاضی ابو یعلیٰ فی کتابہ معتدل الاصول بسندہ عن صالح بن احمد بن حنبل انہ قال قلت لابی یابن ابی یزعم بعض الناس اننا نحی یزید بن معاویۃ فقال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ یا بنی ہل یسوغ لمن یؤمن باللہ ان یحب یزید ولم لا یلعن رجل لعنہ اللہ فی کتابہ قلت یا ابی ابن لعن اللہ یزید فی کتابہ قال حیث قال فهل عسیتم ان تولیتما ان تقسدا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعصی ابصارہم۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں دیگر کاذب کے رد و ابطال کے ساتھ اس روایت کا جواب بھی دیا ہے۔ ونصہ واما ما نقلہ عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فالمنصوص الثابت عنہ من روایۃ صالح انہ قال ومتی رأیت اباک یلعن احداً ما قیل لہ الا تلعن یزید وثبت عنہ ان الرجل اذا ذکر الحجاج ونحوہ من الظالمۃ وادان یلعن یقول الا لعنہ اللہ علی الظالمین وکرہ ان یلعن المعین باسمہ وما روى عنہ فی لعنہ یزید فہی روایۃ منقطعة لیست ثابتة عنہ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵)

والضافیہ تنازع الناس فی لعن الفاسق فقیل انہ جائز کما قال ذلک طائفۃ من اصحاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم کابی فرج بن الجوزی وغیرہ وقیل انہ لا یجوز کما قال ذلک طائفۃ اخرى من اصحاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم کابی بکر عبد العزیز وغیرہ والمعروف عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کراہیۃ لعن المعین کالحجاج بن یوسف وامثاله وان یقول کما قال اللہ الا لعنہ اللہ علی الظالمین، اس کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لعن معین کے عدم جواز پر بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شاربِ خمر کو لایا گیا کسی نے اس پر لعنت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور علت نہی انہ یحبب اللہ ورسولہ بیان فرمائی۔ یہ علت ہر مومن میں موجود ہے اور مطلقاً شاربِ خمر پر لعنت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: ونحن نعلم ان اکثر المسلمین لا بد لہم من ظلم فان فتح هذا الباب ساء ان یلعن اکثر موقی المسلمین واللہ تعالیٰ امر بالصلوۃ علی موقی المسلمین ولم یأمر بلعنہم ثم الکلام فی لعنۃ الاموات

اعظم من لعنة الحی فانہ ثبت فی صحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا لی ما قد مواحتی انہ قال لا تسبوا امواتنا فتؤذوا احيائنا لما کان قوم یسبون ابا جہل ونحوہ من الکفار الذین اسلموا قاربہم فاذا سبوا ذلک اذواقربہ (منہج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

غرضیکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف روایت مذکورہ کی نسبت صحیح نہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العسری "العواصم من القواصم" ص ۲۳۲ میں فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کا ذکر کتاب الزہد میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اور تابعین جہم اللہ تعالیٰ سے پہلے زیاد اُمت کے زمرہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں، وھذا یدال علی عظیم منزلة (یزید) عندہ (احمد) حتی یدخلہ فی جملة الزھاد من الصحابة والتابعین یقتدی بقولہم ویروی عنہم وعظمہم ونعم وما ادخلہ الا فی جملة الصحابة قبل ان یشجر الی ذکر التابعین فاین ہذا من ذکر المؤرخین فی الخمرة انواع الفجور الا یتحیون۔

(۱۰) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ثم خرج اھل المدينة علی یزید وخلعوا فی سنة ثلاث وستین فارسل الیہم مسلم بن عقیة المری و امران یستیبح المدينة ثلاثا یتام وان یبایعہم علی انہم خول وعبيد لیزید فاذا فرغ منها نهض الی مكة لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ففعل بہما مسلم الافاعیل لقبیحة وقتل بہما خلقا من الصحابة وابنائہم وخیار التابعین وافحش القضية الی الغایة ثم توجه الی مكة فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونصبوا علی لکبة المنجنيق فاوی ذلک الی وھی ارکائھا وھی بناھا ثم احرقته وانشاء افعالہم القبیحة فجھم الخیر بھلاک یزید بن معاویة فرجعوا وکفی اللہ المؤمنین القتال وكان ہلاکہ فی نصف ربيع الاول سنة اربع وستین ولم یكمل الاربعین واخبارہ مستوفاة فی تاریخ دمشق لابن عساکر لیست لہ روایۃ تعد (الی قولہ) ذکرۃ للتمیز بینہ وبين النخعی ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد وقد نبھت علیہا فی الاستدراك علی الاطراف (تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۳۶۱) اس روایت سے متعلق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، لکن لم یقتل من اھل المدينة جمیع الاطراف ولا بلغ عدد القتلى عشرة الاف ولا وصلت الدماء الی قبر

النبي صلى الله عليه وسلم ولا الى الروضة ولا كان القتل في المسجد - اور ہدم کعبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اس کا قصد نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے، اس پر واقعہ اصحاب فیل اور آیہ کریمہ ومن یرد فیہ بالحاد یظلم نذقه من عذاب الیم سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں : ومعلوم ان اعظم الناس کفرا القدامطة الباطنية الذين قتلوا الحجاج والقوهم فی بئر زمزم واخذوا الحجر الاسود وبقی عندہم مدۃ ثم اعادوه وجوی فیہ عبرۃ حتی اعيد ومع هذا فلم یسلطوا علی الکعبة باہانۃ بل کانت معظمۃ مشرفۃ وھم کانوا با کفر خلق اللہ تعالیٰ۔

وقال ایضا کان مقصودہم حصار ابن الزبیر والضرب بالمنجنیق کان لہ لا للکعبۃ ویزید لم یھدم الکعبۃ ولم یقصد احراقہا لہو ولا نوابہ باتفاق المسلمین آگے فرماتے ہیں کہ جب کفار کعبہ کی اہانت نہیں کرتے تھے تو مسلمان کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کے بعد ان لوگوں نے کعبہ کا طواف کیا ہے۔ اگر اہانت کرنا ہی مقصود تھا تو طواف کے کیا معنی ؟

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بناء بیت سے متعلق فرماتے ہیں : روی مسلم فی صحیحہ عن عطاء بن ابی رباح قال لما احترق البیت زمن یزید بن معاویۃ حین غزاه اهل الشام فكان من امرہ ما کان ترکہ ابن الزبیر حتی قدم الناس الموسم یرید ان یجروہم علی اهل الشام فلما صدر الناس قال یایہا الناس اشیروا علی فی الکعبۃ انقضہا ثم اثنی بنائہا ام اصلح ما وہی منها قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اری ان تصلح منها ما وہی وتدع بناء اسلم الناس علیہ واجاروا اسلم الناس علیہا وبعث علیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لو کان احدکم احترق بیتہ ما رضی حتی یجدہ فیکف ببیتکم انی مستخیر ربی ثلاثا ثم عازم علی امری فلما مضت الثلاث جمع امرہ ان ینقضہا فتحماہ الناس ان ینزل باول الناس یصعد فیہ امر من السماء حتی صعدہ رجل فالقی منہ حجارة فلما لم یرہ الناس صابہ شئ تتابعوا فنقضوه حتی بلغوا الارض آگے فرماتے ہیں کہ ادخال حطیم کے بعد طول کعبہ میں کمی محسوس ہونے لگی تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے طول میں عشرہ ذراع کا اضافہ فرمایا، عبد الملک نے جب بناء ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو منہدم کر دیا تو اضافہ طول کو باقی رکھا

اس کے بعد فرماتے ہیں: عن عبد الله بن عبيد قال وفد الحارث بن عبد الله على عبد الملك بن مروان في خلافة فقال عبد الملك ما اظن ابا خبيب يعني ابن الزبير رضي الله تعالى عنهما سمع من عائشة رضي الله تعالى عنهما ما كان زعم انه سمعه منها قال الحارث بلى انا سمعته منها (الى قوله) قال عبد الملك للحارث انت سمعتها تقول هذا قال نعم فنكت سلة بعصاة ثم قال وددت اني تركته وما تحمل (وبعد سطرین) قلت وابن عباس طائفة اخرى رأوا اقرارها على الصفة التي كانت عليهما زمن النبي صلى الله عليه وسلم فان النبي صلى الله عليه وسلم اقرها كذلك ثم انه لما قتل ابن الزبير رأى عبد الملك ان تعاد كما كانت لا اعتقاده ان ما فعله ابن الزبير رضي الله تعالى عنهما لا مستند له ولما بلغه الحد يث دانه وتركه فلما كانت خلافة الرشيد رحمه الله تعالى شاو ومالك بن انس رحمه الله تعالى في ان يفعل كما فعل ابن الزبير رضي الله تعالى عنهما فاشار عليه ان لا تفعل ذلك و قيل عن الشافعي انه رجع فعل ابن الزبير وكل من الامراء والعلماء الذين رأوا هذا وهذا معظمون للكعبة مشرفون لها انما يقصدون ما يرونه احب الى الله ورسوله وافضل عند الله ورسوله ليس فيهم من يقصد اهانته الكعبة الخ (منهاج السنة ص ۲۵۱ تا ۲۵۶) حافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بنابر کعبہ کا مسئلہ مجتہد فیہا ہے عبد الملك کا نظریہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق تھا، حدیث کی تصدیق کے بعد اس سے رجوع کر لیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بنابر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پسند فرماتے تھے اور یہ دونوں خیال احترام کعبہ پر مبنی ہیں نہ کہ اہانت کعبہ پر۔

غرضیکہ مذکورہ مطاعن میں سے اگرچہ اکثر کا جواب بھی دیا گیا ہے مگر معہذا اس اختلاف اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر اُمت کے خیالات سے یزید کا وزن ضرور گھٹ جاتا ہے، اگرچہ یہ خیالات غلط پروپیگنڈہ سے تاثر کی وجہ سے کیوں نہ ہوں، پھر اس پروپیگنڈہ کو یقینی طور پر غلط بھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ ایک تابعی کی جلالتِ شان اور اس کے مناقب کے پیش نظر حُسنِ ظن کے درجہ میں اس پروپیگنڈہ کا بطلان ثابت ہوتا ہے جس امر کے بطلان کو فہم فراست کے پتلے تدین و تقویٰ کے مجسمے قریب سے حالات کو دیکھنے والے کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ سمجھ سکے، ہمارے لئے اس کے بطلان کا یقینی حکم لگانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یزید کی طرف سے دفاع کرنے والی جماعت بھی محض حُسنِ ظن کے درجہ

میں سب کچھ کہہ رہی ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اما الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فانت خالف في ذلك ومنع من شتمه ولعنه لان مسلم ولم يثبت باننا رضى بقتل الحسين رضى الله تعالى عنه ولو ثبت لم يكن ذلك مسوغا للعنة لان القاتل لا يلعن لاسيما وباب التوبة مفتوح والذي يقبل التوبة عن عبادة غفور رحيم (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۱۷۳) حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں تقریباً یہی الفاظ تحریر فرمائے ہیں: لا يلعن من هو ظلم منه كالمختار الشقي والحجاج، اور فرمایا: غايته ان يكون فاسقا ولعن الفاسق المعين ليس بجائر۔ پھر فرمایا کہ لعنت کی کلیات کا ارتفاع توبہ اور حسنات ماحیہ اور مصائب مکفرہ سے ہو سکتا ہے۔ نیز کلیات لعن کے معارض کلیات مغفرت بھی ہیں، اول امتی الخ وغیرہ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

یزید سے دفاع میں شاید ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی نے حصہ نہ لیا ہو، اس کے باوجود ایک موقع پر فرماتے ہیں: مع انه كان فيه من الظلم ما كان ثمره اقتل هو وهم وفعل باهل الحرة امورا منكرو (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۷)

وايضا قال في فتاواه ومنهم من يجعله من ائمة الهدى والعدل حتى جعله بعضهم نبيا وبعضهم صحابيا وهذا كله من ابي الجاهل والضلال بل الحق فيه انه كان ملكا من ملوك المسلمين له حسنات وله سيئات والقول فيه كالقول في امثاله من الملوك، لانجبه ولا نسب وهو اول من غزا قسطنطينية وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اول جيش يغزوها يغفر لهم وفعل في اهل المدينة ما فعل وقد تواعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل فيها قتلا ولعنه (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۰)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مطاعن یزید سے متعلق روایات کی تضعیف کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الاوقات وامانتها في غالب الاوقات (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۳۰)

حاصل یہ کہ یزید سے متعلق حسن ظن کے درجہ میں مطاعن سے کف لسان اور توقف ہی اسلم و احسن ہے۔ مگر مصنف نے جیسے یزید کے حق میں افراط سے کام لیا ہے اسی طرح دوسری جانب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی، نفس پرست، حُب جاہ کا شکار اور اقتدار کا بھوکا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور

جلیل القدر صحابی پر ایسی جرأت اور دیدہ دلیری ہے کہ جس کے تصور ہی سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جسے نقل کرتے ہوئے قلم ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے۔
 ان کان، فضاً حبّ آل محمد، فلیشهد الثقلان انی رافضی
 مصنف نے کئی جگہ اپنی اس خطرناک ضلالت کا مظاہرہ کیا ہے، بلکہ اگر حسن ظن سے کام نہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری کتاب کی تالیف سے مقصد ہی یہی ہے، چند عبارات ملاحظہ ہوں :

(۱) ص ۷۶ پر مورخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے :

”حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطا ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حبّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دوا ہو ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔“

یہ عبارت اگرچہ دوزی کی ہے مگر اسے کتاب میں بلا نکیر لانے سے دلالت اور آئینہ عبارات سے صراحت ثابت ہوتا ہے کہ مصنف خود بھی اس نظریہ کا حامل ہے۔

(۲) ظاہر ہے کہ حضرت حسین کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا (ص ۸۰)

(۳) حضرت حسن ہمیشہ حجتہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے لئے کوشاں، برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی (ص ۹۰)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ بچپن ہی سے طبعاً شریعہ واقع ہوئے تھے،
 (۴) ص ۱۶۹ پر مورخ دوزی سے نقل کیا ہے :

”حسین نے حبّ جاہ کی مملکت ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لا تعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔“

(۵) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انھیں بنایا جائے (ص ۱۸۰)

کیا یہ نظریات محض افتراء اور بہتان نہیں؟ کیا جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

متعلق مناقب و فضائل منصوصہ کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خصوصیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی روایات صحیحہ سے ثابت نہیں؟ اگر یزید کے متعلق حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کی تغلیط ضروری تھ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حسن ظن سے کام لے کر ان کے اقدام کا کوئی صحیح محمل قرار دینا کیوں ضروری نہیں؟

یہ تو ایک بدیہی امر ہے کہ یزید کے فسق و فجور و شرب الخمر کی تشہیر اس درجہ کی گئی تھی کہ کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یزید سے متعلق یہ خیال رکھتے تھے، اہل مدینہ جن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اطاعت امیر کی تاکید اور اہمیت جانتے ہوئے بغاوت پر اتر آتے ہیں، اس سے اس وقت یزید سے متعلق عام رجحان اور پروپیگنڈہ سے تاثر کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام کے جواز کی معقول اور قرین قیاس یہ وجہ ہے کہ عام پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر دوسرے بہت سے حضرات کی طرح آپ کے نزدیک بھی یزید کا فسق و فجور متیقن ہو چکا تھا، اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یزید کے استخلاف پر اہل حل و عقد کا اتفاق ہوا اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد متصل یزید کی خلافت کا مسئلہ بالاتفاق طے ہوا۔

غرضیکہ جب خلافت پورے طور پر قائم نہیں ہوئی اور جو شخص خلافت پر قابض ہونا چاہتا ہے اس کے فسق و فجور کا یقین ہے تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کی حتی المقدرة سعی کرنا فرض نہیں؟ بلکہ فسق و فجور کا یقین یا گمان بھی ایسے اقدام کے لئے ضروری نہیں، جوازِ اقدام بلکہ بعض اوقات وجوبِ اقدام کے لئے مدعی خلافت میں عدمِ اہلیت یا ملت کے نقصان کا اندیشہ کافی ہوتا ہے، اگرچہ مدعی خلافت صالح و متدین ہی کیوں نہ ہو۔

یزید کی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف نہ تو فسق و فجور کا کوئی پروپیگنڈہ تھا اور نہ ہی آپ کی خلافت میں اتنا اختلاف تھا جتنا کہ یزید کی خلافت میں، اس کے باوجود محض مسئلہ قصاص میں تھا و تساہل کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حضرت معاویہ اور

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی ہستیوں کی تلواریں اگر نیا م سے نکل سکتی ہیں تو یزید کے خلاف پروپیگنڈہ کی شدت اور خلافت کے کامل طور پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے میدان میں آنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

جب جم غفیر تقریباً جمیع اہل مدینہ مع متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو سکتے ہیں تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس پر اعتماد کر لینا کیا بعید ہے؟ عالمگیر پروپیگنڈہ کی وجہ سے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ چنانچہ اہل تشیع کے پروپیگنڈہ سے دھوکہ کھا کر صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ حیے محقق نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جوازِ متعہ کا قول منسوب کر دیا، حالانکہ حرمتِ متعہ کی روایات جس کثرت سے موطا مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں مروی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ ہوں، فقہ مالکیہ میں بھی حرمتِ متعہ کی تصریح ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجوبہ یہ کہ ساری اُمت کو اس مغالطہ میں ڈالنے میں اعداءِ دین کامیاب ہو گئے کہ مدنی زندگی کی ابتداء میں متعہ کی اجازت تھی، حالانکہ الاعلیٰ ازواجہم او فاملاکت ایہانہم جیسی نصوص قرآنیہ جو حرمتِ متعہ پر بین الدلالتہ ہیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں، جس کے بعد حلتِ متعہ کا کوئی قیام نہیں ہو سکتا، پھر مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ اگر ان آیات کے خلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر متعہ کی اجازت دیدی تھی تو یہ آیات منسوخ ٹھہریں، مگر اس کے برعکس ان ہی آیات کو حلتِ متعہ کے لئے ناسخ بیان کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ متعہ مروجہ تاریخِ اسلامی میں ایک منط کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مگر ساری اُمت کو ابتداء ہجرت میں حلتِ متعہ کا یقین دلادیا گیا ہے جو صرف پروپیگنڈہ ہی کا کرشمہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس اقدام پر یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انھیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا، حالانکہ خلافت قائم ہو جانے کے بعد بھی ہر فرد پر بیعتِ خلیفہ فرض نہیں، صرف اتنا فرض ہے کہ بغاوت نہ کرے، ممکن ہے کہ نفس الامر میں قتل اور جبر وغیرہ کی کوئی صورت حکومت کی جانب سے صادر نہ ہوتی، مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا یقین ضرور تھا، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال نقل فرمایا ہے جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جواب میں بایں الفاظ ظاہر فرمایا تھا: لان اقتل بمکان کذا وکذا احب الی

من ان اقتل بکة وتستحل بی (البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۶۵) اور غالب بن الفرزدق کے قول ما اعجلک عن المحکم؟ کے جواب میں فرماتے ہیں: لولم اعجل لاخذت (البداية والنهاية ص ۱۶۵) خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے وقت میں کہ خلافت کا حق قائم نہ ہوئی تھی ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کی سعی کی جو ان کے خیال میں فسق و فجور یا بعض دیگر وجوہ کے باعث مستحقِ خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فرض تھا، خصوصاً جبکہ شرعی فرض کے ساتھ ساتھ اقدام نہ کرنے میں جبری بیعت کا اندیشہ اور خوفِ قتل بھی تھا تو یہ اقدام اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق تھا۔ چنانچہ ابن اثیر فرماتے ہیں: فقال له ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اما لوکان لی بها مثل شیعتک لما عدلت عنھا ثم خشی ان یتھمہ فقال له اما انک لو اقامت بالحجاز ثم اردت هذا الامر ههنا لما خالفنا عليك وساعدناك وبایعناك ونصحناك الخ (کامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خیال میں اہل کوفہ ظالم اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تاثرات کا اندازہ فرمائیے: عن ابن ابی نعیم قال کنت شاهلاً لابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسأله رجل عن دم البعوض فقال ممن انت قال من العراق قال انظروا الى هذا یسئلني عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ہمار میحانتای من الدنیا (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۶)

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اقدام کو شرعی فرض سمجھ کر نکلے تھے مگر بعد میں راستہ ہی میں جب خلافتِ یزید کا کامل طور پر قیام و استحکام معلوم ہو گیا تو فوراً اپنے موقف سے ہٹ گئے، کیونکہ قیامِ خلافت کے بعد جوازِ خروج کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

پس جس طرح یزید کے بارے میں توقفِ سلم ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مؤکد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کفِ لسان ہے اور ان کا اعزاز و احترام اور ان سے محبت و عقیدت اور حسنِ ظن ضروری، کہ یہی صراطِ مستقیم بین الافراط والتفریط ہے، اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ اور مذہب و شعار ہے۔ آج تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی فرد نے بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی اور آپ کی طرف

سو نہایت کی نسبت کو روا نہیں رکھا، بلکہ آپ کی محبت کو عین ایمان سمجھتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان کان روضاً حبیب آل محمد فلیشهد الثقلان انی رافضی
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق بدظنی کا نظریہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک معتدل میں ہرگز نہیں سما سکتا، بلکہ یہ روافض کے افراط کے مقابلہ میں خوارج کی تفریط ہے
اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ ،

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عموماً اور مولف "خلافت معاویہ ویزید" کو خصوصاً روافض و خوارج کی افراط و تفریط اور یلعن آخر هذه الامة اولها کی وعید سے محفوظ رکھیں اور اسلاف خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت و محبت اور ان کے اتباع کا جذبہ عنایت فرمائیں۔ اسلاف کی عیب جوئی و تجسس کی بجائے اپنے باطن کی اصلاح اور فکر آخرت کی نعمت سے نوازیں۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو : کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرانے غم سے کیا مطلب
ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً
لذین آمنوا ربنا انک رؤوف رحیم۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

۱۹ محرم سنہ ۱۴۰۹ھ

تقریر

بندہ نے تحقیق مذکور میں مصنف کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی تبلیغ سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس مسئلہ سے متعلق اظہار خیال پر اکتفا مناسب سمجھا، جس کی بعض احباب کو سخت شکایت تھی، اس اشار میں ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ذیل کا مضمون نظر سے گزرا جس میں کتاب مذکور کی تبلیغ پر بقدر ضرورت و کفایت سنجیدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، لہذا اس مضمون کو تحقیق بالا کا تتمہ بنادینا مناسب معلوم ہوا تاکہ کتاب مذکور کی صحیح حقیقت اور اس سے متعلق علماء حق کے نظریات بھی نفس مسئلہ کی تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آجائیں۔

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ پر ایک طائرانہ نظر

مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے قاسمی ناظم شعبہ دستار بندی دارالعلوم دیوبند

ناظرین !

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے حوالجات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافتی دیانت کو مجروح فرمایا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خسر و مرجع کیا اور یزید نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ پھر اس نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اُسے لے لیا، اور اسی عبارت میں جو جملے یزید یا عمر بن سعد کے نقائص میں تھے اُن کو حذف کر دیا۔ حالانکہ ایک تحقیقی مضمون میں جو برہا برس کی ریسرچ کا نتیجہ ہو، یہی ہونا چاہیے کہ مناقب و معایب دونوں چیزوں کو اُجاگر کر کے پیش کیا جائے، نہ یہ کہ مناقب اُچھالے جائیں یا بغیر نقل کے ان کی غلط توجیہ کی جائے اور معایب پر پردے ڈالے جائیں، ذیل کے مضمون میں جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالجات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہو جائے گا۔

① منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی تھے، جن کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں ”کان من صلحاء الحنابلة وکان یزار“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے، انھوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی، ”ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ : اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں۔

واوین کے درمیان جو عبارت ہے وہ کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے صفحہ ۵۵، ۵۶ کی ہر اب اصل کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو، الشیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی کان من

صلحاء الخنابلة وكان يزار وله مصنف في فضل يزيد بن معاوية اتى فيه بالغرائب
والعجائب وقد ردد عليه ابو الفرج ابن الجوزي فاجاد واصلا (البدایة والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸)
ترجمہ: شیخ عبد المغیث بن زبیر الحرمی صلحاء حنابلہ میں سے تھے لوگ ان کی زیارت
کو آتے تھے، اور ان (شیخ عبد المغیث) کی یزید بن معاویہ کی خوبیوں کے بارے میں ایک
تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجیب و غریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس تصنیف کا
رد علامہ ابو الفرج ابن الجوزی نے کیا ہے۔ پس انھوں نے اچھا اور صحیح رد کیا۔

ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کا نام ہے۔ ”الرد علیٰ من تعصب العیلاما نفع عن خم یزید“
اولاً تو جناب محمود احمد عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ اتی فیہ بالغرائب والعجائب کا
ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے کہ ”بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں“ جس سے
ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سن کر تعجب ہوتا ہے
حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر ”غرائب عجائب“ کا استعمال اچھے معنی میں نہیں
ہوتا ہے، بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ
علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد المغیث نے جو کتاب یزید بن معاویہ کی فضیلت
میں لکھی ہے اُس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں۔ اب غور کیجئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس
کتاب کی مدح کر رہے ہیں یا اس کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

دوسرے فاضل مصنف نے اتی فیہ بالغرائب والعجائب کے فوراً بعد جو عبارت تھی
اسے دانستہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ عبارت اسی کتاب کے بارے میں تھی جو شیخ عبد المغیث
نے یزید کی فضیلت کے بارے میں لکھی تھی اور اس عبارت میں شیخ عبد المغیث کی کتاب
کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو عبارت مکمل درج کی
گئی ہے اس میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ابو الفرج ابن الجوزی نے شیخ عبد المغیث
کی اس کتاب کا رد لکھا ہے جو یزید کی فضیلت میں تھی۔“ اس کے بعد علامہ ابن کثیر
ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ انھوں نے بہت
عمدہ اور بہت صحیح رد کیا ہے، اب غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اس سے
یزید کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص؟

جناب محمود احمد عباسی نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا

بہتان باندھا ہے۔ حافظ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں: وقد اجاز العلماء الورعون لعنه (حاشیہ نبراس ص ۵۵۳)

ترجمہ: اور پرہیزگار علماء نے اس (یزید) پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے، شیخ عبد المغیث اور علامہ ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔

(۳) ایک دوسری عبارت ”خلافت معاویہ ویزید“ کی ملاحظہ ہو، خلیفہ ناصہ نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا، علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

فسأله الخليفة ايلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه لاني لو فتحت هذا الباب لافضى الناس الى لعن خليفتنا فقال الخليفة ولم؟ قال لانه يفعل اشياء منكسة كثيرة منها كذا وكذا ثم شرع يعدد على الخليفة افعاله القبيحة مما يقع منه الملتكر، (البدایة والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: خلیفہ نے (شیخ عبد المغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں، اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گناہ شروع کئے جو جو منکرات سرزد ہوئے تھے (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۶) مذکورہ بالا ترجمہ جناب محمود احمد عباسی نے کیا ہے۔ اب علامہ ابن کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ دیکھئے۔ ”خلیفہ نے (شیخ عبد المغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس (یزید) پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اگر میں (اجازت دے دوں اور) یہ (لعنت کا) دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا اس لئے کہ وہ (خلیفہ) بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے مثلاً یہ اور یہ امور۔ پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گناہ شروع کر دیا جو خلیفہ سے سرزد ہوئے تھے۔“

جناب محمود احمد صاحب عباسی کے ترجمے کا اور اس ترجمہ کا مقابلہ کیجئے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی۔

لا اسوغ لعنه کا ترجمہ محمود احمد عباسی نے یہ کیا ہے کہ ”لعن کرنا ہرگز جائز نہیں“ حالانکہ ایک معمولی درجہ کا عربی داں بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ ”میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا“ اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ ”اگر میں یزید پر لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگیں گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا۔“ پھر خلیفہ نے سوال کیا کہ وہ کیوں؟ تو شیخ نے فرمایا ”اس لئے کہ خلیفہ فلاں فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے۔“ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لئے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کرنے کی اجازت دیدوں تو لوگ خلیفہ ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے اس کی تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص؟ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہئے، مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہ کرتا تھا یا مستحق لعنت نہیں تھا اور بہت پاکباز تھا، بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ منکرات پر یقیناً عمل کرتا تھا، اس لئے جن امور کی وجہ سے خلیفہ ناصر یزید کو اپنے ذہن میں مستحق لعنت سمجھتے تھے (جیسا کہ ان کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے) وہ خود خلیفہ ناصر میں موجود تھے اسی بنا پر شیخ عبدالمغیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

(۳) جناب محمود احمد عباسی نے کتاب ”خلافت معاویہ یزید“ میں یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ نقل فرمایا ہے۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عقبہ الکوفی المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیل ابوداؤد میں ان کی مرویات ہیں (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۵)

تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ نقل کر کے محمود احمد عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکہ دیا ہے۔ ذیل میں تہذیب التہذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے۔

(یزید) بن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس ابو خالد ولد فی خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمل لہ ابوہ بالخلافتہ فیویم سنۃ ستین والی البیعتہ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و لاذبکۃ والحسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونھض الی الکوفۃ وارسل ابن عمہ مسام بن عقیل بن ابی طالب لیبايع له بها فقتله عبید اللہ بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقتل کما تقدم فی ترجمۃ سنۃ احدى وستین ثم خرج اهل المدينة علی یزید وخلعوه فی سنۃ ثلاث وستین فارسل الیہم مسلم بن عقبۃ المری وامرہ ان یستیح المدينة ثلاثۃ ایام وان یبايعهم علی انہم خول وعبید لیزید، فاذا فرغ منها نھض الی مکۃ لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ففعل بها مسلم الافاعیل القبیحۃ وقتل بها خلقا من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وابنائہم وخیل التابعین رحمہم اللہ تعالیٰ واوحشہ لقضیۃ الی الغایۃ، ثم توجه الی مکۃ فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونصبوا علی الکعبۃ المنجنيق فادی ذلک الی وہی اركانها ووهی بنائھا ثم احرقت وفي اثناء افعالہم القبیحۃ فجأہم الخبر بھلاك یزید بن معاویۃ فرجعوا وكفی اللہ المؤمنین القتال، وكان ہلاكہ فی نصف ربیع الاول سنۃ اربع وستین ولم یكمل الاربعین واخبارہ مستوفاة فی تاریخ دمشق لابن عساکر ویست له رواية تعمد وقال یحییٰ بن عبد الملك بن ابی غنیۃ احد الثقات حدثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال كنت عند عمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ تعالیٰ فلذاكر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ تقول امیر المؤمنین یزید وامر بہ فضرب عشرين سوطا - ذكوة للتمیز بینہ وبين النخعی - ثم وجدتہ رواية فی مراسیل ابی داود وقد نہت علیہا فی الاستدراك علی الاطراف (تھذیب التھذیب للحافظ ابن حجر عسقلانی ۶۹۹ صفحہ ۳۶۰ و ۳۶۱ ج ۱۱) یہ پوری عبارت یزید کے بیان میں ہے کوئی لفظ کم و بیش نہیں ہے۔

ترجمہ : یزید بن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس

یزید کی کنیت ابو خالد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں خلافت کا ولیعہد بنایا، سنہ ۶۰ھ میں یزید کی بیعت کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فہ کے لئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ کوفہ میں لوگوں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت لیں، ان کو عبید اللہ بن زیاد نے قتل کر دیا، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے پھر ۳۰ھ میں اہل مدینہ نے یزید پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ المرئی کی سرکردگی میں اہل مدینہ پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ کو لشکری لوگ (ہر طرح) مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہل مدینہ سے یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے لئے بیعت لے، اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو، چنانچہ حسب الحکم مسلم بن عقبہ المرئی نے مدینہ میں افعال قبیحہ کئے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد اور خیار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی جماعت کو تہ تیغ کر ڈالا اور اس واقعہ کو انتہائی بُرائی تک پہنچایا (چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ قتل و غارت گری اور عصمت درمی وغیرہ سب کچھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی۔ تنہا سعید بن مسیب مسجد نبویؐ دیوانہ بن کر پڑے رہے۔ ان ایام میں مزار مبارک سے اذان و تکبیر کی آواز آتی تھی، اُسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے ورنہ مسجد نبوی میں نہ کوئی اذان دینے والا تھا اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا) پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو گیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنا گیا، اس لشکر نے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ پر (پتھر برسائے کے لئے) منجنیق (بڑے قسم کے گوپے جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کر دی اور خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہو گئی، پھر

(خانہ کعبہ) جلاد یا گیا۔ انہی کرتوتوں کے دوران میں اچانک یزید بن معاویہ کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع پہنچی (خبر سنتے ہی) شکر واپس ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مومنین کو قتال سے بچالیا اور یزید کی ہلاکت سنہ ۶۴ ہجری میں ماہ ربیع الاول کے نصف میں ہوئی، وہ عمر کے چالیس سال بھی پورے نہ کر سکا۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں اس کے پورے واقعات مذکور ہیں، یزید کی کوئی روایت حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔ یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیمہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ ”امیر المومنین یزید نے یہ کہا“ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟“ اور اس شخص کے لئے بسیل کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بسیل کوڑے مارے گئے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس (یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہاں کیا ہے (ورنہ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کئے جانے کے قابل نہیں ہے) مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ملی ہے اور میں نے اطراف پر استدراک میں اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجئے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے پیش فرمائی ہے وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے مگر دیکھئے کس طرح قطع و برید کر کے یزید کو ثقہ راویوں میں شمار کرنے کی کوشش فرمائی ہے، دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل غلطیاں منظر عام پر آ جاتی ہیں۔

(الف) تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے

جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے جو صحاح ستہ کے راوی ہیں، لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے، وہاں اشتباہ دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صحاح کے راویوں میں سے نہ بھی ہو۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا جو ذکر ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ یزید صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہے بلکہ

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنئے کہ یزید کا ذکر انھوں نے تہذیب التہذیب میں کیوں کیا؟ وہ فرماتے ہیں، ذکرۃ للتمییز بینہ وبين النخعی، یعنی میں نے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ جناب محمود احمد عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا اور تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آجانے کی وجہ سے اسے رواقہ حدیث میں شمار کر کے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دیا۔ یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا۔

(ب) جناب محمود احمد عباسی نے اسی حوالے میں محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔

یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی کا نام سب سے تہذیب التہذیب میں ہے ہی نہیں۔ البتہ یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابو زکریا الکوفی کا ذکر بے شک تہذیب التہذیب میں ہے۔ غدر کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

(ج) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواقہ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی متوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احدا الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے۔

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں پر خالص افتراء ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے۔ بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ بن عبد الملک کو احدا الثقات (ثقہ راویوں میں سے ایک) کہا ہے اور ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہ نہ رہے اور ان کی

سند سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تھا تو انھوں نے اس کے بسین کوڑے لگوائے، حالانکہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی خاندان بنی امیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے، عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص ابن امیہ بن عبدالشمس القرظی لاموی، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب امیہ پر جا کر مل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احاد الثقات یحییٰ کی صفت بیان کی تھی مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے ساتھ چسپاں کر دیا ہے جسے اہل علم عبارت دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں۔

(۵) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ”مرا سیل ابوداؤد میں ان (یزید) کی

مرویات ہیں“

مرویات جمع کا صیغہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روایتیں ہیں، یہ بھی دھوکہ مرا سیل ابوداؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے، جسے امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں صاف ذکر ہے کہ ”مرا سیل ابوداؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی۔“ یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غور فرمائیے کہ کس طرح جناب عباسی صاحب نے دھوکہ دینے کی سعی کی ہے ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ عباسی صاحب نے جس ”تہذیب التہذیب“ سے ابن حجر اور یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے اسی ”تہذیب التہذیب“ میں امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کے پورے بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کئے جس سے اس کی منقصت ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کی موت کے لئے لفظ ”ہلاک“ استعمال کرنا، ساتھ ہی یہ ذکر کرنا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو مدینہ منورہ کی غارتگری کا حکم دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فوج کشی کرائی۔ مدینہ منورہ کو تین دن تک ہر طرح مباح کر دیا جس کے دوران میں قتل و غارتگری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، مکہ معظمہ پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کی بنیادیں

کمزور ہو گئیں اور پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا۔ ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا ”تہذیب“ کی عبارت کو اہل علم پھر غور سے پڑھیں، نیز حافظ ذہبی نے یزید کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، (بنید بن معاویہ ابن ابی سفیان الاموی راوی عن ابیہ وعنه ابنہ خالد وعبد الملک بن مروان۔ مقدوم فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنه وقال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ لا ینبغی ان یروی عنه) (میزان الاعتدال ۲۴۳ ص ۳۱۸ ج ۳)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبد الملک بن مروان نے روایت کی ہے، اور اس کا عادل ہونا مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ”البدایۃ والنہایۃ“ کی عبارت۔
نسب ذیل پیش فرماتے ہیں:

وکان (ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فی حبش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وهو الذی صلی علیہ (البدایۃ والنہایۃ ص ۵۸، ج ۸)

ترجمہ: ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن معاویہ کے شکر میں شامل تھے انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۷)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں ”ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے شکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ کی نماز میں باامت امیر یزید شرکت کی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۷)

”البدایۃ والنہایۃ“ کی مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے، جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

قال احمد حدثنا اسحق بن عیسیٰ قال حدثنی محمد بن قیس قاضی عمر بن

عبد العزیز عن ابی حمزۃ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال حین

حضرتہ الوفاۃ قد کنت کتمت عنکم شیئاً سمعتم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتمہ

ذبت الجہول ۳۲

يقول لولا انكم تذا نبون لخلق الله قومًا يذنبون فيغفر لهم، وعندى ان هذا الحديث والذي قبله حمل يزيد بن معاوية على طرفه من الارحاء وركب بسببه افعالا كثيرة انكمت عليه كما سند كره في ترجمته والله اعلم (البدایة والنهاية ص ۵۹ ج ۸)

ترجمہ : حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں (ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ والی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشتا اور (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث (من مات لا یشرك بالله شیئا جعلہ اللہ فی الجنة، بسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہ کو جبری کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے اس (یزید) نے بہت سے افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔

آپ بتائیے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قبیح افعال کا ارتکاب کیا، یزید نے جو جنازہ کی نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیر لشکر ہونے کے پڑھائی جو قانونِ اسلامی ہے، اس صورت میں فاضل و مفضل کا سوال پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے نظائر تاریخِ اسلامی میں موجود ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ موجود تھے

(۵) عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے ”البدایة والنهاية“ کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی ہے : وقد كان يزيد فيه خصال حمودة من الكرامة والجلد والفصاحة والشعر الشجاعة وحسن الرأي في الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة، (البدایة والنهاية ص ۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات، حلم و کرم و فصاحت و شعر گوئی و شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۹)

مگر اس عبارت کے فوراً بعد ہی حسب ذیل عبارت تھی جسے عباسی صاحب نے لیسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا: وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشہوات و ترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات و اما تہا فی غالب الاوقات (البدایہ والنہایہ ص ۲۳ ج ۸)

ترجمہ: اور نیز اس (یزید) میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

غور کیجئے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکہ دیا ہے البدایہ والنہایہ کی اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف جنہیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی، شجاعت و بہادری وغیرہ سے یزید کے متقی و پرہیزگار و ثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑ سکتی ہے؟ جس کے لئے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور دھند اور یہ پٹیا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں اس ریسرچ نے چاک کر دیا۔

(۶) جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے ادب ثابت ہو چکا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے، (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۱۴)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی سكن الکوفۃ روی عن ابیہ و ابی سعید الخدری و عن ابنہ ابی اہیم و ابن ابنہ ابوبکر بن حفص و ابی اسحق السبیعی و العیزار بن حریش و یزید بن ابی مریم و قتادۃ و الزہری و یزید بن ابی حبیب و غیرہم و قال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث و روی عنہ الناس و ہوتا بھی ثقہ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۷)

ترجمہ: عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی کوفہ میں رہے، انھوں نے اپنے والد سے اور ابو سعید خدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابی اہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص اور ابی اسحق السبیعی اور عیزار بن حریش و یزید بن ابی مریم و قتادہ و زہری و یزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے، اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے

اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور خود ثقہ تابعی تھے (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۱۴، ص ۲۱۵)

تہذیب ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد یہ عبارت ہے جسے جناب عباسی نے نہایت دیدہ دلیری سے نظر انداز کر دیا، وهو الذی قتل الحسین، یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کو قتل کیا، ظاہر عبارت سے صاف ثابت ہے کہ یہ قول وهو الذی قتل الحسین، محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ ہے وہ زبردست ریسرچ،

اس کے آگے کی عبارت ہے، و ذکر ابن ابی خيثمة بسند له ان ابن زياد بعث عمر ابن سعد على جيش لقتال الحسين وبعث شمر بن ذي الجوشن وقال له اذهب معه فان قتله والا فاقته وانت على الناس وقال ابن ابی خيثمة عن ابن معين كيف يكون من قتل الحسین ثقة قال عمرو بن علي سمعت يحيى بن سعيد يقول ثنا اسمعيل ثنا العيزار عن عمر بن سعد فقال له موسى رجل من بني ضبيعة يا ابا سعيد هذا قاتل الحسين فسكت فقال له عن قاتل الحسين تحدا ثنا فسكت وروى ابن خراش عن عمرو بن علي نحو ذلك، فقال له رجل اما تخاف الله تروى عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود، (تہذیب القہذیب ص ۴۲۵ ج ۷)

ترجمہ: ابن ابی خيثمة نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زياد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذي الجوشن سے کہا تم بھی ان کے ساتھ جاؤ، اگر یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کریں تو (فہما)، ورنہ تم ان کو قتل کر دینا اور تم لوگوں پر امیر ہو گے، اور ابن ابی خيثمة نے ابن معين سے روایت کی ہے کہ ابن معين نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہو سکتا ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ عمرو بن علي نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعيد کو کہتے سنا کہ ہم سے اسمعيل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی (اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ) ان سے بنی ضبيعة قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا کہ اے ابو سعید یہ تو قاتل حسین ہیں، پس وہ خاموش ہو گئے، پھر ان سے کہا کہ تم ہم سے قاتل حسین کی روایت کرتے ہو پھر بھی وہ خاموش ہی رہے، اور ابن خراش نے بھی عمرو بن علي سے اس

جیسی روایت کی ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ اس شخص نے کہا کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ عمر ابن سعد سے روایت کرتے ہوئے اس پر وہ رو پڑے، اور فرمایا کہ میں اب دوبارہ ان (عمر ابن سعد) سے روایت نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین اور سعید بن القطان ابن ابی خثیمہ اور قبیلہ بنی ضبیعہ کے موسیٰ وغیرہ جو ائمہ رجال حدیث ہیں عمر بن سعد کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں تنہا عجلی کے قول کو نقل کر دینا ریسرچ کے پردہ کو اک کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن معین جیسے امام الجرح والتعدیل کے مقابلہ میں محدث عجلی کا قول کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ عیزار بن حرث وہی شخص ہے جن کو ”تہذیب“ میں عمر بن سعد کے شاگردوں میں ذکر کیا ہے، جس کی تصریح خود عباسی صاحب نے کی ہے، ان ہی عیزار سے ”تہذیب“ کے اسی صفحہ میں محدث موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ قاتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمارے سامنے روایت بیان کرتے ہو جس پر عیزار بن حرث نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہی روایت بواسطہ شعبہ عن ابی اسحق عن العیزار کی سند سے میزان الاعتدال ص ۲۵۸ جلد ۲ میں موجود ہے۔ فقط (ماہنامہ ارا العلوم دیوبند، جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

ماہنامہ ارا العلوم کے (اسی شمارہ میں)

جناب ابوالمنظور شیخ احمد استاذ احیاء العلوم بانسوارہ دکن کا مضمون بھی ہے، اس سے چند ضروری اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

میں نے کتاب ”خلافت معاویہ یزید“ اول سے آخر تک دیکھی ہے اور اس پر بطور تبصرہ ایک کتاب لکھی ہے جو زیر طبع ہے، اس میں میں نے پوری صراحت و وضاحت سے بتایا ہے کہ کتاب کس تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہے، کس غرض اور مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، کس ذہنیت اور کس نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس کا اصل موضوع کیا ہے۔ دراصل اس کا موضوع مذہبی عقائد ہیں نہ کہ تاریخی واقعات، اس میں تاریخی واقعات پر جس انداز سے بحث کی گئی ہے اس کی براہ راست زرد مذہبی عقائد پر پڑتی ہے اور وہ نہ صرف الٹ پلٹ کر رہ جاتے ہیں بلکہ اُمت سے وہ سارا سرمایہ علوم ہی چھن جاتا ہے جس پر اس کے مذہب کا دار و مدار ہے، مؤلف نے پچھلے ہزار بارہ سو سال کے تمام مورخین، محدثین، مفسرین اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کو مجروح و ناقابل اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے اُمت کا

رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ مؤلف نے ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی اور جلال الدین سیوطی وغیرہم تک کو جن جن الفاظ میں یاد کیا ہے وہ کتاب میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر مؤلف نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ تو پوری طرح اسکی ذہنیت اور اس کے نقطہ نظر کا آئینہ دار ہے۔ یہاں تعصب اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک موقف کو پوری سنگدلی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے آپ پر سخت سے سخت الزامات لگائے گئے ہیں، آپ کو بد سے بدتر الفاظ میں مطعون کیا گیا ہے، آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ ”ماتۃ مینۃ الجاہلیۃ“ اور ”فمن اراد ان یفرق مرہذۃ الامة“ جیسے فاضلہ جہاد بالسیف وغیرہ احادیث کو نقل کر کے انھیں امام عالی مقام پر چسپاں کیا گیا ہے، اب ان احادیث کا کیا حشر ہو گا جن سے امام کے مسلک اور موقف پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، اور وہ حدیثیں کہاں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حضرت حسین کا نام لے کر آپ کو ”سیدنا شہید اہل الجنتہ“ فرمایا ہے، کیا جاہلی اور حرام موت مرنے والے بھی جنت میں جاسکتے ہیں؟ چہ جائیکہ وہ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں، پھر وہ ساری احادیث کہاں چلی گئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا محبوب بھی بتایا ہے، اللہ تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لئے دعا بھی کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”حسین اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین میں محبوب ہیں“ کیا خدا و رسول اور ساری خلق کے محبوب کی وہی سیرت ہے جسے یہاں پیش کیا گیا ہے؟ یہاں تو تعصب نے یزید کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پر فوقیت دیدی ہے اور ان کے مقابلہ میں یزید کو پہلا متفق علیہ خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر تعصب کے اندھے پن کا حال یہ ہے کہ شاہان بنی امیہ کو حدیث نبوی ”لا یرالہ لاسلام عزیزا الی اثنی عشرۃ خلیفۃ“ کا مصداق بناتے ہوئے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سرے سے اڑا دیا گیا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا خلیفہ قرار دیا گیا ہے، اسکے بعد مروان بن محمد کو تو اس لئے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس پر بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی، لیکن جب اس کے باوجود یہ دقت پیش آئی کہ بارہ کے تیرہ بادشاہ رہے جاتے ہیں تو درمیان سے اُمّت محمدیہ کے مجدد اول عمر ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے خلیفہ راشد کو پوری بے دردی سے ہٹا دیا گیا ہے اور مابقی شاہان بنی امیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہی وہ

بارہ خلفاء اسلام ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے زمانے میں اسلام زبردست اور طاقتور رہے گا۔ احادیث نبویہ کے ساتھ یہ سلوک دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ صحیحین کی ایک حدیث کو محل نظر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رو سے ابن سعد عہد نبوی کا مولود نہیں اور مؤلف کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ عہد نبوی کا مولود تھا۔ ایک اور مقام پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث ”الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذلک“ کو وضعی ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ وہ مؤلف کے نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے،

اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اسی لئے ان کی شان میں کسی گستاخی و بے ادبی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، تب تو خیر۔ لیکن جو لوگ انھیں اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ کتاب کے حسب ذیل مقامات دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ان تحریروں کو کم سے کم کن الفاظ میں یاد کیا جاسکتا ہے۔

صفحات ۷۶، ۸۴ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸ تا ۱۰۶، ۱۳۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰

ان دونوں مضامین میں جن تبلیغات کی نشاندہی کی گئی ہے بندہ نے کتاب خلافت معاویہؓ یزید میں ان سے متعلقہ مقامات کی طرف مراجعت نہیں کی، کتاب کے اسلوب تحریر کے پیش نظر اس میں مذکورہ تبلیغات کا وجود بعید نہیں بلکہ ان کے ارتکاب کا ظن غالب ہے بندہ نے اہل تنقید کی سہولت کے لئے یہ مضامین نقل کر دیئے ہیں، فقط واللہ العالیٰ منسائر الفتن

رشید احمد

۱۰ رجب سنہ ۱۴۹ھ



خازن



مسلم پیرہ

دور

توکل

تحریر

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب
نائب رئیس دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

حفاظتی تدابیر کی اہمیت
حفاظتی تدابیر اور مسلح پیرہ توکل کے خلاف نہیں
حفاظتی تدابیر اور مسلح پیرے پر وارد کردہ اعتراضات
کے مفصل مدلل جوابات



نصوص قرآنیہ

- احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- تصریحات حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ
- فطرت مستقیم و عقل سلیم
- بشمول حتمیہ پوری دنیا کا اجماع و تعامل

نمائندہ بھارتی استاد

جب.....

حضرت اقدس امت برکاتہم فی اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ
بے مثال بصیرت سے ٹھیکے وقت پر حالات کا ادراک فرما کر مسلح پھرے
کی اجازت مرحمت فرمائی تو چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع
ہو گئی، حتیٰ کہ عقل و شرع دونوں لحاظ سے یہ بالکل بدیہی مسئلہ سمجھانے
کے لئے رسالہ لکھنا پڑا، فہم سلیم رکھنے والے کچھ حضرات نے حضرت اقدس
کے علم و بصیرت کو داد دی لیکن صد افسوس کہ پھر بھی اکثریت ایسے
لوگوں کی رہی جن کو قرآن و حدیث کے واضح ارشادات، حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف کے تعامل کے سامنے آجانے
کے بعد بھی عقل نہ آئی۔

مگر جب جگہ جگہ مساجد اور دینی اداروں پر اندرونی و بیرونی دہشت گردوں
نے حملے شروع کئے تو بے شمار مساجد کی بے حرمتی، سیکڑوں مسلمانوں کو شہید اور ہزاروں
کو زخمی کروانے کے بعد عام مساجد اور دینی اداروں میں مسلح پھرے کے انتظامات کا
سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

کاش! اللہ تعالیٰ کے حکم خذ و اذکر کی اہمیت سمجھتے اور وقت پر اس
کو اختیار کر لیتے تو اس قدر نقصان نہ ہوتا۔

جن لوگوں کے دماغوں میں اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بدلتی عقل کا واضح فیصلہ
سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے مٹوا پٹوا کر انکے دماغ درست
کر دیئے اور گردش زمانہ سے عبرت کے سبق پڑھوا دیئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو حکم شرع سے انحراف بلکہ اس پر اعتراض کے سنگین جرم سے
توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

ظالم ابھی ہے قرعت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

فہرست مضامین

صفحہ

نمبر

۷	تقدیم	۱
۱۲	کیا مسلح پہرہ خلاف توکل ہے؟	۲
۱۲	دفاعی انتظامات کو خلاف توکل سمجھنا الحاد ہے	۳
۱۲	دفاع کی اہمیت اور ترک دفاع کے بھیانک نتائج	۴
۲۰	دشمنان اسلام کے لئے بہتر سے بہتر ہتھیار رکھا کرو	۵
۲۱	حفاظت کے لئے اسلحہ و دیگر تدابیر کا حکم	۶
۱۲	اسلحہ سے غفلت تباہی و بربادی ہے	۷
۱۲	پہرے کا حکم	۸
۲۲	رائفل و دیگر فائرنگ کے آلات رکھنے کا حکم	۹
۱۲	فائرنگ سیکھنے کا حکم	۱۰
۲۳	فائرنگ سیکھ کر بھلا دینا یا چھوڑ دینا فرامانی ہے	۱۱
۱۲	پہرے کے فضائل	۱۲
۱۲	شب قدر سے افضل رات	۱۳
۲۴	خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مسلح محافظ	۱۴
۱۲	ایسا منظر جس کی نظیر آسمان و زمین پیش کرنے سے عاجز	۱۵
۲۵	کیا پہرہ خلاف سنت ہے؟	۱۶
۱۲	مسلح پہرہ کو خلاف سنت سمجھنا جہالت ہے	۱۷
۱۲	آج ہماری پہریداری کون کرے گا؟	۱۸
۲۷	آج رات ہمارا محافظ کون ہوگا؟	۱۹
۲۸	صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبوت کے مسلح محافظ، نرالی شان	۲۰
۲۹	عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبوت کے مسلح محافظ	۲۱
۱۲	فتح مکہ میں نبوت کے محافظ	۲۲
۳۰	مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ	۲۳
۳۱	مدینہ میں قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہریداری کا معمول	۲۴
۳۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار	۲۵

۳۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے لٹھ بردار	۲۶
۳۳	منبر رسول پر بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہریداری کا دلکش نظارہ	۲۷
"	ریاض الجنۃ میں اسطوانہ حارس	۲۸
۳۴	مدینہ طیبہ میں باری باری صحابہ کرام کا پہرہ دینا	۲۹
"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت صحابہ کا ارد گرد پہرہ دینا	۳۰
۳۵	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محافظین میں	۳۱
۳۶	خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے محافظ	۳۲
"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ آخر عمر تک رہا	۳۳
۳۸	اسلحہ اور دہشت گردی	۳۴
"	اسلحہ سے نفرت درحقیقت قرآن و حدیث و سنت نبویہ سے نفرت ہے	۳۵
۳۹	دفاع و جہاد کے آلات اور ہتھیار رکھنے کے فضائل	۳۶
۴۰	جہاد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میزان قیامت میں نمازوں کے ساتھ	۳۷
"	اسلام سے دفاع کے لئے ہتھیار عبادت اور ریاء و نمود کے لئے وبال	۳۸
۴۱	اسلحہ سے محبت	۳۹
"	صحابہ کرام ہر وقت اسلحہ سے لیس	۴۰
۴۲	نبوت اور اسلحہ لازم و ملزوم	۴۱
"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہری زرہ (بلٹ پروف جیکٹ) استعمال کرنا	۴۲
"	خود (بلٹ پروف جنگی ٹوپ) کا استعمال	۴۳
۴۳	نگاہ نبوت میں مصارف مال میں سب سے مقدم و اہم مصرف	۴۴
"	خاتم الانبیاء کی مدینہ طیبہ شریف آوری پر اہل مدینہ کا اسلحہ سے استقبال	۴۵
۴۴	اسلحہ مسلمانوں کی عزت ہے جسے وہ اپنے تن سے جدا نہیں کر سکتے	۴۶
"	جو زیور ہمیں اللہ کے رسول پہنا گئے ہیں اسے نہیں اتارا جاسکتا	۴۷
"	ہم نے تلواروں سے سرکش اور اہل شرک کا علاج کیا	۴۸
۴۵	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (میراث)	۴۹
"	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انٹیلی جنس	۵۰
۴۶	میراث نبوی کی حیرت انگیز تفصیلات	۵۱
۴۸	کیا مسجد میں اسلحہ لانا مسجد کی بے ادبی ہے؟	۵۲

۴۹	اسلحہ مسجد و دیگر شعائر اسلام کی زینت و عزت ہے	۵۳
"	مسجد میں اسلحہ	۵۴
"	مسجد نبوی میں اسلحہ سے جہاد کی مشق	۵۵
۵۲	خطبہ جمعہ و عید اسلحہ کے ساتھ ۵۱ خطیب ہاتھ میں ہتھیار رکھے	۵۶
۵۳	کیا مساجد میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے حفاظتی انتظامات کئے؟	۵۷
۵۴	مساجد میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی حفاظتی تدابیر	۵۸
"	خیبر القرون میں مسجد کے اندر حفاظتی کمرے	۵۹
"	امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد نبوی میں حفاظتی مقصود	۶۰
۵۵	امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مسجد میں مسلح پہرہ اور حفاظتی کمرہ	۶۱
۵۷	مساجد میں حفاظتی کمرے تمام اسلامی قلمرو میں بنائے گئے	۶۲
"	حفاظتی کمروں میں خلفاء راشدین، صحابہ کرام، اجلہ تابعین و فقہاء نے نمازیں پڑھیں	۶۳
۵۸	حفاظتی کمرے تعمیر ہونے کے بعد فقہاء کا صف اول کی تعیین میں اختلاف	۶۴
"	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محافظ کیوں نہیں رکھے؟	۶۵
۵۹	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مدبر شخص حفاظتی تدابیر سے کیسے غافل ہو سکتا ہے؟	۶۶
۶۰	سرکاری فرمان کی وجہ	۶۷
۶۳	حکیم الامتہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظتی تدبیر کیوں نہیں کی؟	۶۸
"	خصوصیت دینیہ ہو اور خصم کافر تو دفاع واجب ہے بیان القرآن میں اسکی تصریح	۶۹
۶۶	نمازیوں کی تلاشی کیا اللہ کے گھر سے روکنے کے مترادف ہے؟	۷۰
"	محراب میں مسلح محافظ باعث تشویش کیوں؟	۷۱
۶۷	تلاشی کے باوجود محراب میں مسلح محافظ کیوں؟	۷۲
"	کیا اتنے حفاظتی انتظامات بلا ضرورت و اسراف نہیں؟	۷۳
"	دار الافتاء والارشاد میں حفاظتی انتظامات کے مختلف مراحل کی مفصل کہانی	۷۴
۶۹	اہل بصیرت کے لئے درس احتیاط	۷۵
"	اعتراضات کوئی اچنبہ کی چیز نہیں	۷۶
۷۰	مسئلہ تلاشی کا	۷۷
"	اگر پورٹ پر تلاشی	۷۸
"	حرمین شریفین میں تلاشی	۷۹

۷۳	خطرہ ہے تو کھڑے میں نماز ادا کیوں نہیں کرتے؟	۸۰
۷۴	خطرہ کی وجہ سے بند ہو بیٹھنا خلاف معقول بھی ہے اور منقول بھی	۸۱
۷۵	مسجد عالم کے لئے پارلیمنٹ ہے	۸۲
۷۶	محاسبہ کیجئے	۸۳
۷۷	لمحہ فکریہ	۸۴
۷۸	توکل کی رٹ لگانے والو ایک نظر اپنی طرف بھی	۸۵
۷۹	درس عبرت	۸۶
۸۰	مشہور کہاوت بھی شرما گئی	۸۷
۸۱	کیا اسلحہ نمازیوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے ہے؟	۸۸
۸۲	اسلحہ نمازیوں پر نہیں اللہ کے دشمنوں پر دہشت ڈالنے کے لئے ہے	۸۹
۸۳	صحابہ کرام کو اسلحہ سے ڈر کیوں نہیں لگتا تھا؟	۹۰
۸۴	اسلحہ سے خوف کا علاج	۹۱
۸۵	دھوتی کی دھلائی	۹۲
۸۶	جہاد ہی بزدلی کا علاج ہے	۹۳
۸۷	کیا محافظین و دربان استفادہ میں رکاوٹ ہیں؟	۹۴
۸۸	یہ خیال سراسر باطل ہے	۹۵
۸۹	اس اعتراض کے اصل سبب کی صحیح نشاندہی	۹۶
۹۰	حضرت نانوتوی قدس سرہ کا عجیب واقعہ	۹۷
۹۱	علماء حق کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے کا شرعی حکم	۹۸
۹۲	علماء کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی دوسری وجہ	۹۹
۹۳	اوقات میں نظم و ضبط اور قرآن و سنت	۱۰۰
۹۴	حضرت والا سے استفادہ کی پندرہ صورتیں	۱۰۱
۹۵	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت طرورت، دربان متعین فرمانا	۱۰۲
۱۰۱	دارالافتاء والارشاد میں مسلح پہرہ قابل ستائش یا ہدف تنقید؟	

(از قلم مولانا محمد مسعود اظہر صاحبانہ نظم عمومی حرکت الانصار و مبدیہ علی صدائے مجاہد)



تقدیم

جیسا کہ اپنے اور پرائے سب بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق عالیہ و صفات فاضلہ سے ہم کنار و سرفراز فرمایا ہے ان میں شجاعت و حق گوئی اور محبت الہی بہت ممتاز ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت میں حضرت اقدس اس قدر سرشار رہتے ہیں کہ غیر اللہ کے خوف و محبت کا قلب کے قریب سے گزر بھی نہیں ہوتا، آپ کا فتویٰ ہو یا آپ کا بیان آپ کی جرأت و شجاعت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے، وقت کے جابر حکمرانوں اور دین کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کے خلاف آپ کی لکار ہمیشہ مصاحت اور بزدلی کے شائبہ سے بھی پاک رہی ہے، آپ بفضلہ تعالیٰ ملاحدہ، زنادقہ، دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اعداء اسلام کے خلاف ننگی تلوار ”انا الذاب العربیان“ کا مصداق اور ”لا یخافون فی اللہ لومة لائمہ“ کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

ایسے میں دشمنان اسلام اور موافق و مخالف، تنگی و فراخی، صحت و بیماری ہر حال میں گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے اپنی عمریں صرف کرنے والے علماء ربانین کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تمنا رکھنے والے یہودی ایجنٹوں کی جانب سے قتل کی سازشیں اور منصوبے کوئی اچنبہ کی بات نہیں، احیاء اسلام اور امت مسلمہ کو مغرب کی تقلید، عقائد میں ترزل، چال ڈھال، وضع قطع، رہن سہن، معاشرت و معاملات غرض ہر چیز میں انگریز کی غلامی کی ذلت سے نکال کر اس کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لئے جو بھی ذرا جرأت و شجاعت کے ساتھ میدان میں آئے گا وہ ان یہودی ایجنٹوں اور دہشت گرد فتنوں کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کے دل میں کانٹے کی طرح چبھے گا، اس کو اور اس کی تحریک کو سراٹھانے سے پہلے ہی کچل دینے کے لئے ان کی خفیہ ایجنسیاں حرکت میں آجائیں گی۔ ایسے حالات میں اپنا دفاع کرنا شرعاً و عقلاً نہ صرف جائز یا مستحب ہے بلکہ واجب و فرض ہے، ورنہ اعداء اسلام کی جرأت روز بروز بڑھتی جائے گی اور وہ ایک ایک کر کے ہمارے علماء کو بلا خوف و خطر شہید کرتے جائیں گے۔ ایسے

مسلم پیرہ

خطرے کی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور سانحہ کے بعد افسوس میں ہاتھ ملنا اور اخبار میں بیان دے دینے پر اکتفا کرنا کوئی دانشمندی نہیں۔

چنانچہ جب حضرت اقدس دامت برکاتہم اور دارالافتار والا رشاد پر دشمنان اسلام اور ملکی و غیر ملکی دشمنان صحابہ کے ایجنٹوں کی یلغار شروع ہوئی اور حفاظتی انتظامات کئے گئے تو ساتھ ہی مفسرین، محدثین اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب دفاع کے ثابت ہونے کے باوجود مختلف قسم کے اعتراضات و سوالات کی یلغار بھی شروع ہو گئی مثلاً :

- ① مسلح پہرہ توکل کے خلاف ہے۔
- ② نمازیوں کی تلاشی لینا نمازیوں کی توہین ہے۔
- ③ مسجد میں اسلحہ لانا احترام مسجد کے خلاف ہے۔
- ④ تلاشی کے بعد پھر منبر پر باڈی گارڈ کھڑا کرنا نمازیوں کو مرعوب کر نیچے مترادف ہے۔
- ⑤ یہ اسراف ہے۔
- ⑥ یہ ریاکاری ہے۔
- ⑦ اگر مفتی صاحب کو خطرہ ہے تو وہ نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے نماز گھر ہی کیوں نہیں ادار فرما لیتے ؟
- ⑧ حضرت مفتی صاحب نے خود کو محافظوں اور دربانوں میں ایسا جکڑا رکھا ہے کہ عام مسلمان تو ملاقات و زیارت کا تصور بھی نہیں کر سکتا، پابندی وقت کی زحمت اور تلاشی جیسے خلاف انسانیت عمل سے دو چار ہونے کے باوجود بھی مفتی صاحب کے کمرے اور مجلس تک پہنچنا بدون واسطہ ممکن نہیں ہوتا۔
- ⑨ یہ روم و فارس کے بادشاہوں سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی حالت ہے۔
- ⑩ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے دربان متعین کر کے عوام الناس کے لئے یوں دروازے بند نہیں کئے تھے، بلکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

”مَنْ تَوَلَّى شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمَسْأَلِينَ فَاجْتَبَ عَنْ حَاجَتِهِمْ وَفَقَرَهُمْ اجْتَبَ اللَّهُ دُونَ

حاجتہ۔“ (ترمذی)

⑪ اسلحہ، پہریدار، تلاشی کبر کی علامت ہے۔

⑫ یہ بزدلی ہے۔

_____ مسلح پہرہ ۸

اس قسم کے بیسیوں سوالات و اعتراضات کانوں میں پڑتے اور نظروں سے گزرتے رہے، جن کے جواب تحریری، تقریری اور باقاعدہ فتویٰ کی صورت میں مختصراً دیے جاتے رہے۔

چونکہ یہاں حفاظتی تدابیر کی بنا کوئی گروہی، جماعتی، سیاسی یا دنیوی جھگڑا نہیں بلکہ خالص دینی خصوصیت تھی اور یہ انتظام و اہتمام نقلی و عقلی ہر اعتبار سے نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا، نیز زیادہ تر سوالات دیندار طبقہ کی طرف سے اٹھائے جاتے رہے اس لئے مختصر جواب پر اکتفا کیا جاتا رہا لیکن قرآن و شواہد سے برابر احساس ہوتا رہا کہ یہ جوابات فی نفسہ مسکت بھی ہیں اور شافی بھی مگر بعض خارجی عوامل مثلاً جہاد سے دوری، قتال فی سبیل اللہ سے اجنبیت، جبن اور بزدلی، اسلحہ سے نفرت و خوف، سیرت نبویہ کے ایک اہم باب و جزر لاینفک کے عدم استحضار نے امت مسلمہ کے دل و دماغ کو سن اور اعضاء و اعصاب کو شل کر کے رکھ دیا ہے، جس کی وجہ سے اختصار فی نفسہ کافی ہونے کے باوجود ناکافی ہو رہا ہے۔

اسی دوران فیصل آباد سے لکھا ہوا حفاظتی تدابیر سے متعلق ایک استفتاء جواب کے لئے سامنے آیا (جس کی ”تمہید“ اس ”تقدیم“ کے آخر میں نقل کر دی ہے) تو خیال ہوا کہ ایک بار اس کا حکم شرعی قدرے تفصیل سے لکھ دیا جائے اور اس میں ان سوالات کا بھی اضافہ کر دیا جائے جواب تک بصورت اعتراض یا استفسار آتے رہے تاکہ مضمون میں ممکن حد تک جامعیت پیدا ہو جائے۔

بتوفیقہ تعالیٰ اس استفتاء میں کئے گئے سوالات مع اضافات اور ان کے مفصل جوابات آپ کے سامنے ہیں، امید ہے طالب حق و منصف کے لئے یہ تحریر بیش از بیش کافی اور شافی ہوگی، رہا متعنت تو اس کے لئے دفاتر کے دفاتر بھی بے سود بلکہ مضر ہیں، اس لئے وہ اس تحریر کا مخاطب ہی نہیں۔

ایسے ناعاقبت اندیشوں کے اعتراضات کتنے بڑے جلیل القدر علامہ، کیسے عالی مقام ولی اللہ، کیسے لطل جلیل مجاہد پر ہیں؟

جن کے مندرجہ ذیل کمالات کا دنیا بھر میں شہرہ ہے اور موافق و مخالف سمجھی میں مسلمات بلکہ بدیہیات اور عام زبان زد -

- ① علوم کے تعمق و وسعت میں سمندر، بحر ناپید اکنار۔
- ② عمل میں ایسی مضبوطی اور تصلب کہ جبل استقامت۔
- ③ ولایت عظمیٰ، تعلق مع اللہ، تقویٰ و توکل میں شہرہ آفاق اور عوام و خواص میں ضرب المثل
- ④ آپ کی شجاعت، بیباکی، حق گوئی، دین کے خلاف ہر بڑے سے بڑے فتنہ کی سرکوبی اور دنیا بھر میں کفار سے ہر سرپرکار مجاہدین کی سرپرستی نے بفضل اللہ تعالیٰ دنیا بھر میں کفر، شرک، الحاد، زندقہ اور فسق و فجور کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے اور انہی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں
- ⑤ دور حاضر کے اکثر علماء اور مفتیان کرام آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں یا شاگردوں جیسے۔

پھر اعتراضات بھی کیسے؟ جو نقلاً قرآن و حدیث کے ذخائر و اجماع امت کے خلاف اور عقلاً بدیہیات، پوری دنیا کے مسلمات اور خود اپنے روزمرہ کے عام حالات، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں شب و روز کے معمولات کے خلاف۔

ان حالات کی روشنی میں وجہ اعتراضات کی تشخیص کچھ مشکل نہیں، درحقیقت وجہ وہی ہے جو حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کی مخالفت شدیدہ کی تھی، ان ائمہ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین ان کے کمالات عالیہ اور دنیا میں مقبولیت پر حسد کی آگ سے جل رہے تھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

محسودون وشر الناس کلہم

من عاش فی الناس یوما غیر محسود

”ان پر حسد کیا جا رہا ہے، اور سب لوگوں سے بدترین وہ شخص ہے جس پر کبھی

کوئی ایک دن بھی ایسا گزرا ہو جس میں اس پر حسد نہ کیا گیا ہو۔“

اگر ص ۷ پر مندرج ”درس عبرت“ پڑھ کر بھی آنکھوں پر پردہ تعنت کا یہی حال

رہا تو مزید عذاب عظیم کا انتظار کیجئے۔ فتر بصوا انما حکما مت بصونہ

ستبدی لك الايام ما کنت جاہلا ویاأتیک بالاخبار من لم تزود

ویأتیک بالاخبار من لم تبع له بتاتا ولم تضرب له وقت موعدا

عبدالرحیم

۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ ہجری

مسلح پرہ

اِسْتِثْنَاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :
یہاں پنجاب سے کچھ دوست کراچی گئے اور انھوں نے جمعہ کی نماز حضرت مولانا
مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی مسجد میں ادا کی، وہاں انھوں نے چند نئی چیزیں
دیکھیں، انھوں نے مجھ سے اس بارہ میں سوالات کئے جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا
ہوں، آپ براہ کرم شریعت کی روشنی میں ان سوالات کا تفصیل سے جواب دیجئے۔

(..... فیصل آباد)





تقریم میں مذکورہ وجوہ اور سائل کی خواہش کی بنا پر جواب قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

کیا مسلح پارہٴ خلافت توکل ہے؟

اعتراف مندرجہ:

مفتی صاحب ایک متقی اور اللہ والے انسان ہیں اللہ والوں کی اللہ خود حفاظت کرتا ہے اور اللہ والوں کو اللہ کی ذات پر خوب توکل بھی ہوتا ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب نے اپنی حفاظت کے لئے اتنے مسلح باڈی گارڈ رکھے ہوئے ہیں، کیا ان کو اپنے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں؟

دفاعی انتظامات کو خلافت توکل سمجھنا الحاد ہے

جواب:

دشمنانِ اسلام، زنادقہ و ملاحدہ سے بچاؤ کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کو خلافت توکل سمجھنا بے دینی اور الحاد ہے کوئی صحیح العقل والدماغ مسلمان اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جہاد و قتال فی سبیل اللہ فرائض قطعاً بدیہیہ متواترہ میں سے ہے جو بدوں اختیار اسباب و حفاظتی تدابیر واسلحہ کے نہیں ہو سکتا، اس لئے حفاظتی تدابیر کو خلافت توکل سمجھنا درحقیقت جہاد کی فرضیت بلکہ اس کے وجود ہی سے انکار ہے، جہاد و قتال میں اقدام سے زیادہ دفاع کو اہمیت ہے، جو دفاع نہ کرے وہ جہاد کر ہی نہیں سکتا۔

دنیا بھر کے مسلمات میں سے ہے کہ ہر ملک ہر جگہ ہر شعبہ میں اجتماعی و انفرادی تمام محکموں میں حفاظتی تدابیر کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اہمیت کے لحاظ سے سب سے مقدم ایمان ہے پھر جان پھر عزت پھر مال، سب سے مؤخر اور گھٹیا چیز مال کی حفاظت کے لئے کتنے جتن اور کیا کچھ اسباب اختیار کئے جاتے ہیں۔

مگر دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اسے نہ تو خلافت توکل سمجھتا ہے نہ خلافت مروت، شرعاً بھی مال کی حفاظت مأمور بہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلح پہرہ

من قتل دون ماله فهو شهيد (رواہ احمد فی المسند ص ۲۲۱ ج ۲)

”جو اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے“

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

قاتل دون ماله حتى تحوز مالك او تقتل فتكون من شهداء الآخرة۔

(حدیث صحیح رواہ احمد اتحاف العباد ص ۱۲۴)

”اپنے مال کے دفاع میں (قتال کرنا پڑے تو) قتال (بھی) کرو یہاں تک کہ اپنے مال کی حفاظت

کر لویا پھر قتل کر دیے جاؤ تو تمہیں آخرت میں شہداء کی فہرست میں شمار کر لیا جائے گا“

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ارأيت ان جاء

رجل يريد اخذ مالي قال فلا تعطه مالك قال ارأيت ان قاتلني قال قاتله قال ارأيت ان

قتلني قال قاتلته قال ارأيت ان قتلته قال هو في النار (صحیح مسلم ص ۸۱ ج ۱)

”ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا :

”اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھیننے کی کوشش کرے تو کیا کروں؟“

آپ نے فرمایا :

”اے مت دو“

اس نے عرض کیا :

”اگر وہ مجھ سے قتال شروع کر دے تو؟“

فرمایا :

”تم بھی اس سے قتال کرو“

عرض کیا :

”اگر وہ مجھے قتل کر دے؟“

فرمایا :

”پھر تم شہید ہو گے“

عرض کیا :

”اگر میں اسے قتل کر ڈالوں؟“

فرمایا:

”وہ جہنم میں گیا“

جس اسلام نے سب سے کمتر چیز یعنی مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے اس اسلام میں عزت، جان اور ایمان کی حفاظت اور اس کے لئے اختیار اسباب کیسے خلاف توکل ہو سکتے ہیں؟
ایں خیال است و محال است و جنوں

وقال علی (ہمید) در ذکر دفاع کے بھیاں کہ نتائج

فقہاء حنفیہ کے سرخیل امام چصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۰ھ فرماتے ہیں:
والذی يدل على ان هذا الحكم (ترك الدفع) غير ثابت في شريعة النبي صلى الله عليه وسلم وان الواجب على من قصد انسان بالقتل ان عليه قتله اذا امكنه وان لا يسعه ترك قتله مع الامكان قوله تعالى: (وان طائفتان من المؤمنين اقاتلوا فاصدحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله) فامر الله بقتال الفئة الباغية ولا بغى اشد من قصد انسان بالقتل بغير استحقاق فاقضت الآية قتل من قصد قتل غيره بغير حق.

وقال تعالى: (ولكم في القصاص حيوة) فاخباران في ايجابه القصاص حياة لنا لان القاصد لغيره بالقتل متى علم انه يقتص منه كف عن قتله وهذا المعنى موجود في حال قصده لقتله غيره لان في قتله احياء لمن لا يستحق القتل.
وقال تعالى: (وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة) فامر بالقتال لنفي الفتنة ومن الفتنة قصده قتل الناس بغير حق (الى ان قال)

وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم في اخبار مستفيضة ”من قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد“ (الى) فاخبار صلى الله عليه وسلم ان الدافع عن نفسه واهله وماله شهيد ولا يكون مقتولا دون ماله الا وقد قاتل دونه ويدل عليه قول النبي صلى الله عليه وسلم في حديث ابى سعيد الخدري رضى الله عنه: ”من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فليسانه فان لم يستطع فليقلبه وذلك اضعف اليمان“ فامر بتغيير

المنکر بالید واذا لم یکن تغیرہ الا بقتله فعليه ان یقتله بمقتضى ظاهر قول
النبي صلى الله عليه وسلم ولا نعلم خلافا ان رجلا لو شهر سيفه على رجل لیقتله
بغير حق ان على المسامین قتله فکذلک جائز لا مقصود بالقتل قتله وقد قتل على
ابن ابی طالب رضی الله عنه الخوارج حين قصدوا قتل الناس واصحابه النبي
صلى الله عليه وسلم معه موافقون له عليه وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم
اشار فی وجوب قتالهم (الى) وقد تلقتها السلف بالقبول واستعملتها فی وجوب
قتلهم وقاتلهم وروی ابوبکر بن عیاش قال: حدثنا ابو الاحوص عن سمالک عن
قابوس بن ابی المخارق عن ابیه قال: "قال رجل یارسول الله! الرجل یأتینی یرید
مالی قال ذکره الله تعالى قال فان لم یذکر قال استعن علیه من حولک من المسامین قال
فان لم یکن حولی منهم قال فاستعن علیه السلطان قال فان نای عنی السلطان قال
قاتل دون مالک حتی تمنع مالک وتكون شهيدا فی الآخرة۔

وذهب قوم من الحشویة الى ان على من قصده انسان بالقتل ان لا یقاتله
ولا یدفعه عن نفسه حتی یقتله (الى) ولو کان الامر فی ذلک على ما ذهبت الیه
هذه الطائفة من حظر قتل من قصد قتل غیره ظلما والامساك عنه حتی یقتل من
یرید قتله لوجب مثله فی سائر المحظورات اذا اراد الفاجر ارتکابها من الزنا
واخذ المال ان نمسک عنه حتی یفعلها فیکون فی ذلک ترک الامر بالمعروف و
النهی عن المنکر واستیلاء الفجار وغلبة الفساق والظلمة ومحو آثار الشریعة وما
اعلم مقالة اعظم ضررا على الاسلام والمسلمین من هذه المقالة ولعمری انها اذت
الى غلبة الفساق على امور المسلمین واستیلائهم على بلادهم حتی تحکموا فحکموا
فیها بغير حکم الله وقد جرّ ذلك ذهاب غلبة العدو وحين رکن الناس
الى هذه المقالة فی ترک قتال الفئة الباغية والامر بالمعروف والنهی عن المنکر
والانکار على الولاة والجوار والله المستعان (الى) قال ابوبکر: ذکر ابن رستم
عن محمد بن ابی حنیفة رحمهما الله تعالى انه قال فی اللص ینقب البیت ویسرق
قتله لقوله صلى الله عليه وسلم: "من قتل دون ماله فهو شهيد" ولا یكون
شهيدا الا هو مأثور بالقتال ان امکنه فقد تضمن ذلك ایجاب قتله اذا قدر

علیہ وقال ایضاً فی رجل یرید قلع سنک قال : فلك ان تقتله اذا كنت فی موضع لا یعینک الناس علیہ (احکام القرآن للجصاص الرازی ص ۱۰۱ تا ۱۰۳ ج ۲)
وقال الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ : وازالتہ (ای المنکر) بالید تكون علی وجوہ
منہا ان لا یمکنہ ازالۃ الا بالسیف وان یأتی علی نفس فاعل المنکر فعلیہ ان
یفعل ذلك کمن رأى رجلاً قصده او قصد غیرہ بقتله او باخذ ماله او قصد الزنی
بامرأة او نحو ذلك وعلم انہ لا ینتہی ان انکرہ بالقول او قاتلہ بما دون السلاح
فعلیہ ان یقتله لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم : ” من رأى منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ “
فاذا لم یمکنہ تغیرہ بیدہ الا بقتل المقیم علی هذا المنکر فعلیہ ان یقتله فرضاً علیہ
(احکام القرآن للجصاص ص ۳۱۳)

وقال الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً : ولیرید فع احداً من علماء الامة
وفقہائہا سلفہم وخلفہم وجوب ذلك (ای الدفاع) الا قوم من الحشو
وجہال اصحاب الحدیث فانہم انکروا قتال الفئۃ الباغیۃ والامر بالمعروف
والنہی عن المنکر بالسلاح وسموا الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فتنۃ اذا
احتیج فیہ الی حمل السلاح وقاتل الفئۃ الباغیۃ مع ما قد سمعوا فیہ من
قول اللہ تعالیٰ : (فقاتلوا الّتی تبغی حتی تفتیء الی امر اللہ) وما یقتضیہ اللفظ
من وجوب قتالہا بالسیف وغیرہ (الی) وانما ینکر علی غیر السلطان بالقول او بالید
بغیر سلاح فصاروا شرّاً علی الامة من اعداءہا المخالفین لہا لانہم اقعدوا الناس عن
قتال الفئۃ الباغیۃ وعن الانکار علی السلطان الظالم والجور حتی ادى ذلك الی تغلب
الفجار بل المجوس واعداء الاسلام حتی ذهبت الثغور وشاع الظلم وخربت البلاد و
ذهب الدین والدنیا وظهرت الزندقۃ والغلو ومذاہب الثنویۃ والخرمیۃ والمزدکیۃ
والذی جلب ذلك کلہ علیہم ترک الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والانکار علی السلطان
الجمائر واللہ المستعان (احکام القرآن ص ۳۴ ج ۲)

عبارات بالا میں بیان کئے گئے امور اختصار کیساتھ نمبر وار

① دین، جان، عزت و مال پر حملہ کے وقت دفاع فرض ہے۔ اور اس کی
فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اعتراض : اگر دفاع فرض ہے تو حضرت ہابیل نے قابیل سے یہ کیوں کہا تھا :

لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بیاسطیدی الیک (لا قتلاک) (۵ - ۲۸)

جواب :

ہابیل کے اس قول کا مطلب سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بیان فرمایا ہے :

معناه لئن بدأتنی بقتلک لم ابدأک بہ ولم یردانی لا ادفعک عن نفسی اذا قصدت قتلی -

فروی انه قتله غيلة بان القى عليه صخرة وهونا ثم فشدخه بها وروی عن الحسن وجاهل انه كتب عليهم اذا اراد رجل قتله ان يتركه ولا يدفعه عن نفسه، قال ابو بكر: وجائز في العقل ورود العبادة بمثله فان كان التأويل هو الاول فلا دلالة فيه على جواز ترك الدفع عن نفسه بقتل من اراد قتله وانما فيه انه لا يبدأ بقتل غيره وان كان التأويل هو الثاني فهو منسوخ لا محالة وجائز ان يكون نسخه بشریعة بعض الانبياء المتقدمه وجائز ان يكون نسخه بشریعة نبينا صلى الله عليه وسلم - (احكام القرآن للجصاص ص ۴۰۱ ج ۲)

اس تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو جواب دیے ہیں :

- ① حضرت ہابیل کا یہ کلام اقدام سے متعلق ہے نہ کہ دفاع سے، یعنی اگر تمہارے دل میں اقدام کا ارادہ ہو تو ہو، میں تو اقدام نہیں کروں گا، یہ مطلب نہیں تھا کہ دفاع بھی نہیں کروں گا، چنانچہ روایات میں ہے کہ ہابیل کو سوتے میں اچانک قتل کیا گیا۔
- ② اور اگر ہابیل کا مقصد ترک دفاع ہی لیا جائے تو یہ ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا ہے۔

② وجوب دفاع کے دلائل :

① قوله تعالى : فقاتلوا التي تبغی (۲۹ - ۹)

اور اس سے بڑی کیا بغاوت اور سرکشی ہو سکتی ہے کہ کسی انسان کو ناحق قتل کیا جائے۔

② قوله تعالى : ولكم فی القصاص حیوة (۲ - ۱۷۹)

قصاص بھی تو دفاع ہے، جب قاتل کو معلوم ہو جائے کہ مجھے بھی قصاصاً قتل کیا

جائے گا تو وہ اقدام قتل سے باز رہے گا، بالکل یہی صورت حال بوقت قصد قتل بھی ہے کہ دفاع اور مزاحمت کے وجہ سے اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔

③ قولہ تعالیٰ: قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (۲-۱۹۳)

لوگوں کا ناحق قتل کرنا بہت بڑا فتنہ ہے اور دفاع فتنے کا علاج ہے۔

④ حدیث: مَنْ قَتَلَ دُونَ نَفْسِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، الخ

یعنی جو نفس، اہل اور مال کی وجہ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مارا جانا دفاع ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

⑤ حدیث: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مَنَكْرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ

”جب تم کوئی منکر دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلو“

دین، جان، عزت اور مال پر حملہ کرنا بہت بڑا منکر ہے، لہذا اگر یہ تغیر بدون قتل نہ ہو سکتی ہو تو قتل کرنا ہی متعین اور فرض ہے، بلکہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ہتھیار سے حملہ آور ہو تو دوسرے مسلمانوں پر حملہ آور کا قتل فرض ہے۔

⑥ حدیث: ایک شخص نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! کوئی میرے مال کو چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اُسے نصیحت کرو۔“

صحابی نے عرض کیا:

”اگر وہ نصیحت حاصل نہ کرے تو؟“

آپ نے فرمایا:

”اُس کے خلاف اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے مدد لو“

صحابی نے عرض کیا:

”اگر وہاں مسلمان نہ ہوں تو؟“

آپ نے فرمایا:

”بادشاہ وقت سے مدد لو“

صحابی نے عرض کیا :
 ”یہ بھی نہ ہو سکے تو ؟“
 آپ نے فرمایا :

”اپنے مال کے دفاع کے لئے قتال کرو، یہاں تک کہ اپنے مال کو بچا لو یا پھر شہید ہو جاؤ۔“

④ خوارج نے جب لوگوں کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قتل کرایا اور اس عمل سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متفق تھے۔

③ پوری امت کے علماء و فقہاء سلف و خلف سب کے سب وجوب دفاع کے قائل ہیں ہاں حشویہ کا ایک گروہ اور ظاہریہ میں سے (بہت ہی) جاہل قسم کے لوگ وجوب دفاع کے قائل نہیں، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالسلح کے منکر ہیں اور اسے فتنہ گردانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خوب واضح ہیں کہ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اسلحہ کا استعمال ناگزیر ہے اس میں غفلت دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث

④ جو لوگ وجوب دفاع بالسلح کے قائل نہیں وہ پوری امت کے مجرم ہیں اور اسلام کے دشمن، ان کے اس ایک جملے نے کہ ”دفاع واجب نہیں“ امت مسلمہ کو بڑی بڑی تباہیوں اور بربادیوں سے دوچار کر دیا ہے۔

⑤ صلحاء پر فساق و فجار کا تسلط مجوسیوں اور دیگر اعداء اسلام کا تغلب، سرحدوں کا سکڑ جانا، ظلم کا عام ہو جانا، مملکت اسلامیہ کا ویران ہو جانا دین و دنیا کا رخصت ہو جانا، زندقہ والحاد اور مختلف قسم کی گمراہیوں کا ظہور سب دفاع بالسلح کے چھوڑنے کی وجہ سے ہوا۔

⑥ میرے (امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے) نزدیک اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے جو کچھ کیا گیا اس میں سب سے زیادہ نقصان دہ یہ کلمہ ہے۔ یعنی ترک دفاع بالسلح

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مسلم پرہ ۱۹

فَالْعَدَاوَةُ وَالضَّالَّةُ الَّذِي يَفْسُدُ الدِّينَ وَالْدُنْيَا لَا شَيْءَ أَوْجِبُ بَعْدَ الْإِيمَانِ مِنْ دَفْعِهِ -
(اتحاف العباد ص ۱۸)

”وہ دشمن جو دین اور دنیا (یعنی دین کی وجہ سے جان) پر حملہ آور ہو تو ایمان کے بعد (فرائض اسلام میں سے) پہلا فرض اس کا دفاع ہے۔“
دشمنان اسلام سے دین و اہل دین، بالخصوص علماء حق کی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا فرض اور بلاشبہ نہایت اہم فرض ہے، اس کی فرضیت اور اختیار اسباب کا خلاف توکل نہ ہونا عقل و نقل، قرآن و حدیث، اجماع، تعامل امت و تعامل خلفاء راشدین سے اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ اس پر دلائل قائم کرنا دوپہر کے وقت چمکتے سورج پر دلائل پیش کرنا ہے مگر ”تقدیم“ میں مذکورہ وجوہ کے پیش نظر ذیل میں قرآن، حدیث، آثار صحابہ و تابعین، اقوال فقہاء و مجتہدین و تعامل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نصوص پیش کی جاتی ہیں۔

ویسے تو قرآن میں دو سو سے زائد آیات جہاد و قتال ہیں اور جہاد و قتال بدوں اختیار اسباب نہیں ہو سکتا تاہم یہاں ان میں سے چند آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں صراحتاً اختیار اسباب کا حکم ہے۔

دُشْمَنُکَ (سَلَامٌ) لِّکَیْ لَا یُہْزِمَکَ وَ یُہْزِمَ نَبِیَّکَ وَ کُفَّارُکَ

① وَاَعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ

اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْمَلُوْنَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (۸-۶۰)

”اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار اور پہلے ہوئے گھوڑے اور دوسرا سامان درست رکھو (کیونکہ) اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو گے ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔“

”آخرین من دونہم“ کی ایک تفسیر جنات و شیاطین سے کی گئی ہے، اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ جس گھر میں دین سے دفاع کے لئے اسلحہ ہو اس میں شیطان نہیں آسکتا۔

مسلم پہرہ

حفاظتی تدابیر کا حکم :

(۲) یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ الْفِرَاجِ جَمِيعًا (۷۱-۴)

”اے ایمان والو! (پہلے) اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو پھر (ان سے مقابلہ کے لئے) متفرق طور پر نکلو یا مجتمع ہو کر“
حفاظت کے لئے اسلحہ و دیگر تدابیر کا حکم :

(۳) وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (۱۰۲-۴)

”اور وہ (مسلمان میدان جہاد میں بوقت صلاة الخوف) اپنا دفاع اور اسلحہ مضبوط رکھیں“

اسلحہ سے غفلت تباہی و بربادی ہے :

(۴) وَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً (حوالہ بالا)

”یہ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ و اسباب سے غفلت اختیار کر لو پھر یکبارگی تم پر سخت حملہ کر دیں“
پہرے کا حکم :

(۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرٰبِطُوْا (۲۰۰: ۳)

”اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں ڈٹے رہو اور (اسلام و اہل اسلام کے دفاع کے لئے) پہرہ دو“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سب سے ممتاز باب جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا ہے، اگر سیرت سے جہاد کو نکال دیا جائے تو سیرت کے چند اوراق پچ جاتے ہیں، اٹھ سالہ قلیل عرصہ میں آپ نے ستائیس جنگوں کی بنفس نفیس کمان کی اور ستر سے زائد جنگوں کے منصوبے بنا کر مجاہدین کے لشکر بھیجے، اس سے اندازہ لگائیں کہ اسلام میں دفاع کس قدر اہم ہے۔

ذیل میں چند احادیث و نصوص فقہ لکھی جا رہی ہیں جن میں کفر کو دبانے کے لئے اختیار اسباب کا حکم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

۲۱ ————— مسلح پہرہ

رائفل اور دیگر فائرنگ کے آلات رکھنے کا حکم :

⑥ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو علی المنبر یقول : واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ الات القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)
 ” حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا :

اور ان کفار کے لئے اپنی استطاعت کے موافق قوت تیار کر کے رکھو، خبردار! تیر اندازی ہی (اصل) قوت ہے، خبردار! تیر اندازی ہی قوت ہے، خبردار! تیر اندازی ہی قوت ہے“
 فائرنگ سیکھنے کا حکم :

④ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی نفر من اسلم ینتضلون فقال ارموا بنی اسمعیل فاتّ اباکم کان رامیا وانام مع اسلم بنی فلان الخ (صحیح بخاری ص ۴۰۶ ج ۲)

” حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر صحابہ کرام کی ایک جماعت پر ہوا جو تیر اندازی کی مشق کر رہی تھی، آپ نے فرمایا: اے بنی اسمعیل! تیر اندازی کیا کرو، تمہارے ابا (حضرت اسمعیل علیہ السلام بھی) بڑے (ماہر) تیر انداز تھے“
 تیر اندازی (فائرنگ) کا بہتر بڑے نفع کی چیز ہے :

① عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ قال علیکم بالرمی فانہ خیرا ومن خیر لہوکم - رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط وسندہما جید قوی -

(الترغیب للمندرجی ص ۲۷۸ ج ۲)

” حضرت سعد (بن تیر اندازی کے سرخیل) رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :

اپنے اوپر تیر اندازی کو لازم کر لو کیونکہ تیر اندازی بڑے نفع کی چیز ہے“

فائرنگ سیکھ کر جھلا دینا یا چھوڑ دینا فرمائی ہے :

(۹) عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

من علم الترمی ثم ترکہ فلیس منّا او قد عصى (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)

» حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، یا آپ نے

یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی «

فائدہ :

تیر اندازی کے فضائل بے شمار ہیں، حضرت والا کے ”سفر نامہ جہاد افغانستان“

میں اس پر مستقل باب رکھا گیا ہے جس میں بیسیوں احادیث مع ترجمہ منقول ہیں، یہ

سفر نامہ (مفصل) کتابت کے آخری مراحل میں ہے۔

پہرے کے فضائل :

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یقول : عینان لا تمسہما النار عین بکت من خشية اللہ وعین بآلت

تحرس فی سبیل اللہ - (رواہ الترمذی وقال : حدیث حسن غریب ص ۲۵۴)

» حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا :

دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی ایک وہ آنکھ جو

اللہ کے خوف سے روئی، دوسری وہ آنکھ جو رات بھر جہاد میں پہرہ

دیتی اور جاگتی رہی «

شب پرستے (افضل رات)

(۱۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : الا

انبئکم لیلة افضل من لیلة القدر حارس حرس فی ارض خوف لعلہ ان لا یرجع الی اہلہ -

(رواہ الحاکم وقال : صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذہبی)

» حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلح پہرہ ۲۳

نے ارشاد فرمایا :

کیا میں تم کو ایسی رات نہ بتاؤں جو (ثواب کے اعتبار سے) لیلۃ القدر سے (بھی) افضل ہے (یعنی وہ رات جس میں) پہریدار ایسے خوفناک علاقہ میں پہرہ دے جہاں اس کی زندگی خطرہ میں ہو۔“

فائدہ :

جہاد میں پہرے کے بڑے فضائل ہیں، حضرت اقدس کے ”سفرنامہ جہاد افغانستان“ میں اس پر مستقل رسالہ ہے جو بیس سے زائد صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ بحیثیت مسلح محافظ

ایسا منظر جس کی نظیر آسمان و زمین پیش کرنے سے عاجز :

(۱۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس قال وقد فرغ اهل المدينة ليلة سمعوا صوتا قال فتلقاہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی فرس لابی طلحة عری وهو متقلد سیفہ فقال لم تراعوا لمرأعوا ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجدۃ بجرۃ یعنی الفرس۔

(صحیح بخاری ص ۲۶۷ ج ۱)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے حسینوں سے زیادہ حسین اور دنیا بھر کے سخیوں سے زیادہ سخی اور دنیا بھر کے بہادروں سے زیادہ بہادر تھے (اس کا مشاہدہ جنگوں کے علاوہ بے شمار مواقع میں ہوتا رہا من جملہ ان کے یہ ہے کہ) ایک رات اہل مدینہ کسی خوفناک آواز پر گھبرا اٹھے، مقابلہ کے لئے خطرہ کی طرف نکلے تو (کیا دیکھتے ہیں کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہیں گلے میں اپنی تلوار پہنے خطرہ کا جائز لے کر واپس تشریف لاد رہے ہیں اور فرماتے جارہے ہیں مت گھبراؤ، مت گھبراؤ (یعنی میں دیکھ آیا ہوں ڈرنے کی بات نہیں) پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس گھوڑے کو چلنے میں سمندر (کی طرح) پایا۔“

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر زین

مسلح پہرہ ————— ۲۴

کے بغیر تھے، محدثین کہتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ماہر گھڑ سوار تھے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر شکر بذات خود بھی حالات کا جائزہ لے۔

کیا مسلح پہرہ خلاف سنت ہے؟

اعتراض نمبر ۲:

مسلح پہرہ خلاف سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلح پہرہ داروں کا رکھنا کہیں پڑھانہ سنا، فرمان الہی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

”اللہ کے رسول تمہارے لئے (تمام حالات میں) بہترین نمونہ ہیں۔“

اور ارشاد نبوی ہے: علیکم بسنتی

”میری سنت کو لازم پکڑو“

کیا علماء کے لئے یہ حکم نہیں؟

مسلح پہرہ کو خلاف سنت سمجھنا الجھال ہے

جواب:

یہ سمجھنا کہ مسلح پہرہ خلاف سنت ہے اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مسلح پہرہ نہیں احادیث کا انکار، حقائق کی تکذیب یا پھر پرے درجے کی جہالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سیرت کی کتابیں اور جہاد کی احادیث مسلح پہرہ سے پُر ہیں، اب ان میں سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، قارئین احادیث ”حراست“ پڑھ کر ایک مرتبہ سوال کی عبارت پھر پڑھیں تاکہ صورت سوال کی سنگینی کا اچھی طرح احساس ہو سکے ع

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

آج ہماری پہریداری کون کریگا:

(۱۳) عنہ ابی یحیٰ بنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فی غزوۃ فاتینا ذات یوم علی شرف فبتنا علیہ فاصابنا برد شدید

مسلح پہرہ ————— ۲۵

حتی رأیت من یحفر فی الارض حفرة یدخل فیها ویلقی علیہ الحجفة یعنی
الترس فلما رأى ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من الناس قال من یحرسنا
الليلة وادعوله بدعاء یكون فیہ فضل فقال رجل من الانصار انا یا رسول الله
قال ادنه فدنا فقال من انت فتسمى له الانصاری ففتح رسول الله صلى الله
عليه وسلم بالدعاء فاکثر منه قال ابو ریحانة فلما سمعت ما دعاه رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقلت انا رجل اخر قال ادنه فدنوت فقال من انت فقلت
ابو ریحانة فدعانی بدعاء وهو دون ما دعانا للانصاری ثم قال حرمت النار علی عین
دمعت او بکت من خشية الله وحرمت النار علی عین سهرت فی سبیل الله عز وجل الخ
رواه احمد واللفظ له ورواه ثقات للنسائی ببعضه والطبرانی فی "الكبير" والوسط
والحاكم، وقال: صحيح الاسناد (الترغیب للمندری ص ۲۵۱ ج ۲)

”حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک جنگ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات بسر کرنے ایک اونچی جگہ پر ٹھہرے، بہت
سخت سردی تھی اتنی کہ سردی سے بچاؤ کے لئے مجاہدین گڑھے کھود کر سر
پر ڈھال رکھے زمین میں گھسنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں
کا یہ حال دیکھا تو فرمایا:

”آج ہماری پہریداری کون کرے گا؟ میں اس کے لئے بڑی فضیلت
کی دعا کروں گا“

ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں پہرہ دوں گا، فرمایا قریب
ہو جاؤ، وہ قریب ہو گئے، فرمایا تم کون ہو؟ انصاری نے تعارف کروایا
پھر آپ نے انصاری کے لئے دعا شروع کی اور بہت زیادہ دعائیں دیں،
ابو ریحانہ کہتے ہیں دعائیں سن کر (میرے منہ میں بھی پانی بھر آیا) میں نے
عرض کیا کہ میں بھی پہرہ دوں گا، آپ نے قریب بلا کر دریافت فرمایا تم کون
ہو؟ میں نے عرض کیا ابو ریحانہ، پھر آپ نے میرے لئے بھی دعائیں فرمائیں
مگر انصاری کی بنسبت کم، پھر فرمایا جہنم کی آگ اس آنکھ پر حرام کر دی گئی
جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر بھی جو جہاد میں جاگی (یعنی پہرہ دیا)

مسلم پہرہ ————— ۲۶

آج رات ہمارا محافظ کون ہوگا؟ :

(۱۴) عن سهل بن الحنظلية رضي الله تعالى عنه انهم ساروا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين (الى) ثم قال: من يحرسنا الليلة؟ قال انس بن ابي مرشد الغنوي انا يا رسول الله (الى) فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: استقبل هذا الشعب حتى تكون في اعلاه ولا تغرب من قبلك الليلة. (الى) فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نزلت الليلة قال لا الا مصليا او قاضيا حاجة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد اوجبت فلا عليك ان لا تعمل بعدها. رواه ابوداؤد والنسائي، الترغيب للمندري ص ۲۵۲ ج ۲، واخرجه البيهقي وابونعيم كما في المنتخب (حياة الصحابة ص ۸۸ ج ۲)

”حضرت سهل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”غزوہ حنین“ میں ایک شب فرمایا :
”آج کی رات ہمارا محافظ کون ہوگا؟“

انس بن مرثد غنوی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پہرہ دوں گا، آپ نے فرمایا فلاں جگہ کے بالائی حصہ پر پہرہ دو اور دیکھنا تمہاری جانب سے ہم کہیں دشمن سے دھوکہ نہ کھا جائیں (بوقت صبح) آپ نے پہریدار سے پوچھا: تم رات میں گھوڑے سے نیچے بھی اترے؟ عرض کیا نہیں۔ مگر نماز اور قضا حاجت کے لئے، آپ نے فرمایا ”تم نے جنت واجب (الاث) کرائی، آج کے بعد تم کوئی نیک کام نہ بھی کر سکتے تو پروا نہیں۔“

آج رات ہمارا پہریدار کون ہوگا؟ :

(۱۵) عن جابر رضي الله تعالى عنه (وفيه) فقال: من يكلؤنا ليلنا؟ فانتدب رجل من المهاجرين ورجل من الانصار قال فكونا بفم الشعب قال فلما خرج الرجلان الى فم الشعب اضطجع المهاجري وقام الانصاري يصلي واتى الرجل فلما رأى شخصه عرف انه ريبة للقوم فرماه بسهم فوضعه فيه فمزقه حتى رماه بثلاثة اسهم ثم ركع وسجد ثمانيه سجدة فلما عرف انهم قد نذروا به هرب فلما رأى المهاجري ما بالانصاري من الدم قال سبحان الله الا انبهتني اول ما رمى قال كنت

فی سورة اقرؤھا فلما احب ان اقطعھا (سنن ابی داؤد ص ۲ ج ۱)
 واخرج ابن اسحق وغیره : وھما عمار بن یاسر وعباد بن بشر رضی اللہ
 تعالیٰ عنھما (حیاء الصحابة ص ۹ ج ۲)

”ایک غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”آج کی رات کون ہماری پہریداری کریگا ؟“

آپ کی اس آواز پر ایک مہاجر اور ایک انصاری نے لبیک کہی آپ نے فرمایا :

”دونوں اس گھاٹی کے منہ پر پہرہ دو“

جب دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچ گئے تو مہاجر لیٹ گئے اور انصاری نماز میں
 مشغول ہو گئے، دشمن نے انکے تیر مارا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا، انھوں
 نے اس کو کھینچ کر نکال دیا، حتیٰ کہ ان کو تین تیر لگے، اس کے باوجود انھوں نے
 نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا تو دشمن بھاگ گیا، مہاجر نے انصاری
 پر خون دیکھا تو کہا : ”سبحان اللہ ! آپ نے مجھے پہلا ہی تیر لگنے پر کیوں نہیں
 جگایا ؟“ انھوں نے کہا : ”میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو درمیان
 میں چھوڑنا پسند نہ کیا“

یہ دو خوش نصیب حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے۔“

صدیق اکبر نبوت کے محافظ، زلیٰ سدن

(۱۶) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال : ایھا الناس اخبرونی من اشجع
 الناس ؟ قالوا انت یا امیر المؤمنین قال اما انی ما بادرزت احدا الا انتصفت منه
 ولكن اخبرونی باشجع الناس قالوا لا نعلم فمن ؟ قال ابوبکر، انه لما کان
 یوم بدر جعلنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریشا فقلنا من یشکون مع رسول اللہ
 لئلا یموی الیہ احد من المشرکین فواللہ ما دنا منه احد الا ابوبکر شاھرا بالسیف علی
 رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یموی الیہ احد الا اھوی الیہ فھذا اشجع
 الناس - اخرجہ البزار، المجمع ص ۶ ج ۹ (حیاء الصحابة ص ۱۲ ج ۲)

”ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو ! بتاؤ سب

سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا امیر المؤمنین آپ ہی ہیں، فرمایا نہیں،
بتاؤ سب سے بہادر کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں آپ
ہی ارشاد فرمائیں، فرمایا:

ابو بکر

(اس کی دلیل یہ ہے کہ) غزوہ بدر کے دن ہم نے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے چھپر بنادیا تھا پھر ہم نے اعلان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ بطور محافظ کون ہوگا؟ اللہ کی قسم کسی نے بھی اس
خطرناک کام کے لئے حامی نہیں بھری سوائے ابو بکر کے، ابو بکر تلوار
سوہنتے آپ کے سر پر چاق چوبند کھڑے پہرہ دیتے رہے، جب بھی
کوئی مشرک آپ کی طرف آنا چاہتا حضرت ابو بکر اس پر (عقاب کی طرح)
جھپٹ پڑتے اور اسے مار بھگاتے۔“

عمر فاروق نبوت کے مسلح محافظ

①۷ قال الامام المحدث الحافظ الثقة الثبت عمر بن شبة النخعي البصري ۳۴۵
حدثنا حرث بن عمار (قال ابن معين صدوق كما في الخلاصة للخزرجي ۲۵)
عن محمد بن ابراهيم الهاشمي -

عن ادریس الاودی عن ابيه قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
اذا صلى في الحج قام عمر بن الخطاب على رأسه بالسيف (تاريخ المدينة لابن شبة ۲)
”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم میں نماز ادا فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ
تلوار سوہنتے آپ کے سر پر کھڑے پہرہ دیا کرتے۔“
فتح مکہ میں نبوت کے محافظ :

①۸ عن هشام عن ابيه : لما سار رسول الله صلى الله عليه وسلم عام
الفتح فبلغ ذلك قريشا خرج ابوسفيان بن حرب وحكيم بن حزام وبديل
ابن ورقاء يلتمسون الخبر (الى) فرأهم ناس من حرس رسول الله صلى الله عليه وسلم
فادركوهم فاخذوهم فأتوا بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلم ابوسفيان الخ

(صحیح بخاری ص ۶۱۳ ج ۲)

” حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں ابھی مکہ نہیں پہنچے تھے کہ اہل مکہ کو آپ کے حملہ اور شکرکشی کا علم ہو گیا، قریش کے سردار ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقار تینوں لشکر اسلام کا جائزہ لینے نکلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں نے ان کو دیکھ لیا، محافظین ان کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، ابوسفیان فوراً مشرف باسلام ہوئے، الخ

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں :

”بعض روایات میں ہے کہ ان محافظوں میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔“

مَدِينَةُ طَيْبَةٍ مِّنْ رَّسُولِ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَسُولِهِ

(۱۹) بَوَّبَ الْإِمَامُ الْبُخَارِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى بَبَابِ الْحِرَاسَةِ فِي الْغَزْوِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْرًا فَلَمَّا قَدَّمَ الْمَدِينَةَ قَالَ لَيْتَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِنَا صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ أَذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ مِنْ هَذَا فَقَالَ أَنَا سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ جِئْتُ لِأَحْرُسَكَ فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَفِي رِوَايَةٍ) حَتَّى سَمِعْنَا غَطِيظَهُ (صَحِيحُ الْبُخَارِيِّ بَابُ الْحِرَاسَةِ ص ۴۰ ج ۱ وَبَابُ التَّمَنَّى ص ۱۰۷ ج ۲، وَزَادَ ابْنُ شَبَّةٍ: سَهْرًا فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْخ، تَارِيخُ الْمَدِينَةِ ص ۳۰ ج ۱، صَحِيحُ مُسْلِمٍ ص ۲۸۰ ج ۲)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى: وفي الحديث الاخذ بالاحذر والاحتراس من العدو وان على الناس ان يحرسوا سلطانهم خشية القتل وفيه الشناء على من تبرع بالخير وتدميت صالحا وانما عافى النبي صلى الله عليه وسلم ذلك مع قوة توكله للاستئذان به في ذلك وقد ظاهر بين درعين مع انهم كانوا اذا اشتد البأس كان امام الكل وايضا فالتوكل لا ينافي تعاظم الاسباب لان التوكل عمل القلب وهي عمل البدن وقد قال عليه الصلاة والسلام اعقلها وتوكل الخ (فتح الباري ص ۶۱ ج ۶)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فکر مند کیوں ہیں؟ فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی رجل صالح مجھ پر پہرہ دیتا، اتنے میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہیں؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص ہوں (ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطرہ محسوس کیا، پہرہ کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اطمینان سے سوئے کہ ہم نے آپ کے خراٹے سنے“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے :

- ① حفاظتی تدابیر اختیار کرنا۔
- ② دشمن سے دفاع کے لئے پہرہ دینا۔
- ③ لوگوں پر اپنے بڑوں کی حفاظت کا لازم ہونا۔
- ④ پہرہ دینے والے کا لائق شمار ہونا۔
- ⑤ پہرہ دار کو سنان نبوت سے ”صالح“ کا لقب عطا ہونا۔
- ⑥ دوسروں کا اس سنت نبویہ پر عمل پیرا ہونا۔
- ⑦ اختیار اسباب کا توکل کے خلاف نہ ہونا۔

مدینہ میں قیس بن سعد کی پہرہ داری کا معمول :

⑧ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : ان قیس بن سعد کان یكون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ صاحب الشرطۃ من الامیر (صحیح البیہقی ص ۱۰۵۹ ج ۲، جامع الترمذی ص ۵۴۸ ج ۱، ورواہ ابن حبان فی ”صحیحہ“، فتح الباری ص ۱۱۹ ج ۱۳، نیل الاوطار ص ۲۸۱ ج ۸)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (یا آگے آگے) بطور محافظہ ہا کرتے تھے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا :

باب احتراز المصطفیٰ من المشرکین فی مجلسہ اذا دخلوا
یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین سے حفاظت کا بندوبست کرنا۔
(فتح الباری، نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ بالا)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار :

(۲۱) باب حمل العنزة والحربة بین یدی الامام يوم العید
”عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان“
عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یغدا والی المصلی والعنزة بین یدیہ تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیہ
فیصلی الیہا (صحیح بخاری ص ۱۳۳ ج ۱)

وعنه رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خرج
يوم العید امر بالحربة فتوضع بین یدیہ فیصلی الیہا والناس وراءہ وكان
یفعل ذلك فی السفر فمن ثمراتخذها الامواء (صحیح بخاری ص ۷۱ ج ۱)
”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
عید کے روز نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو ساتھ نیزہ اٹھانے کا حکم فرماتے
نیزہ بردار آپ کے آگے آگے ہوتا پھر اسی نیزہ سے سترہ کا کام (بھی) لیا
جاتا، حکام کا مروجہ طریقہ اسی سنت سے ماخوذ ہے“

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ : وفي الحديث الاحتياط للصلاة واخذ
الذی دفع الاعداء لا سيما فی السفر (فتح الباری ص ۷۳ ج ۱)

جبل حدیث حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں :
”اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ باہر جاتے ہوئے دشمنوں سے دفاع
کے لئے ہتھیار ساتھ ہونا چاہئے اور سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام
کرنا چاہئے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے لٹھ بردار :

(۲۲) قال ابن شبة حدثنا عبد الله بن رجاء قال : حدثنا المسعودی عن
القاسم قال : کان عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ یلبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعلین

ثم يأخذ العصا فيمشي امامه الخ (تاريخ المدينة ص ۳۰۳ ج ۱)
 ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو نعلین شریف پہناتے پھر آپ کا عصا مبارک لیکر آگے آگے چلتے الخ“
 منبر رسول پر بلال حبشی کی پہریداری کا دلکش نظارہ :

عن الحارث بن حسان قال : قدمت المدينة فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم
 قائماً على المنبر وبلال قائم بين يديه متقلد سيفه وإذا راية سوداء فقلت :
 من هذا فقال : هذا عمرو بن العاص قدم من غزاة (سان ابن ماجه ص ۲۰۲)
 (۲۳) قال ابن شبة عن الحارث بن حسان البكري قال : قدمت المدينة
 فاذا النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر وإذا بلال متقلد بالسيف وإذا رايات
 سود فقلت : ما هذه الرايات قالوا : هذا عمرو بن العاص قدم من غزوة ذات
 السلاسل (تاريخ المدينة ص ۳۰۱ ج ۱)

”حضرت حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو میں
 نے یہ منظر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور
 (ساتھ) بلال گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں، کچھ سیاہ جھنڈے ہیں میں
 نے لوگوں سے پوچھا یہ جھنڈے کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا : یہ حضرت
 عمرو بن العاص ہیں جو ”غزوہ ذات السلاسل“ سے واپس لوٹے ہیں،
 (یہ جھنڈے ان کے مجاہدین کے ہیں)“
 ریاض الجنۃ میں اسطوانہ حارس :

(۲۴) قال العلامة السهمودي رحمه الله تعالى : ومنها اسطوان المحرس
 ويسمى اسطوان امير المؤمنين علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه قال يحيى :
 قال جعفر بن عبد الله بن الحسين : ان هذه المحرس كان علي بن
 ابي طالب يجلس في صفحتها التي تلي القبر مسابلي باب رسول الله صلى الله
 عليه وسلم يحرس النبي صلى الله عليه وسلم (وفاء الوفاء ص ۷۸ ج ۱)
 ”مسجد نبوی میں ”ریاض الجنۃ“ کے ستونوں میں ایک ستون ”اسطوان المحرس“
 یا ”اسطوان امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ“ کے نام سے مشہور ہے اس لئے

کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان :

(۲۵) عن عائشہ: رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحرس حتی نزلت هذه الآية (واللہ یعصمک من الناس) رواہ الترمذی قال المحافظ : واسنادہ حسن (فتح الباری ص ۶۰ ج ۶)

» حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول آیت واللہ یعصمک من الناس کے نزول تک برقرار رہا۔
مدینہ طیبہ میں باری باری صحابہ کرام کا پہرہ دینا :

(۲۶) عن محمد بن کعب القرظی قال : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحارسہ اصحابہ فانزل اللہ تعالیٰ (یا ایہا الرسول... الخ)

(۲۷) عن عبد اللہ بن شقیق : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتقبہ ناس من اصحابہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) خرج فقال یا ایہا الناس الحقوا بملاحقکم فان اللہ قد عصمہ۔

(تاریخ المدینہ ص ۳۰۴ ج ۱، تفسیر الطبری ص ۱۹۹ ج ۶)

» حضرت محمد بن کعب اور عبد اللہ بن شقیق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر باری باری پہرہ دیا کرتے تھے جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہو گئی تو آپ نے (حجرہ مبارکہ) سے نکل کر ارشاد فرمایا : لوگو! اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ بیشک اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت صحابہ کا ارد گرد پہرہ دینا

(۲۸) واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینام الا ونحن حوله من مخافة الغوائل حتی

نزلت آية العصمة (الدار المنثور ص ۳۹۸ ج ۲)

» حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطرہ

کے پیش نظر اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ہم آپ کے ارد گرد نہ آجاتے، یہ معمول آیت ”عصمت“ کے نزول تک رہا۔
آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محافظین میں:

(۲۹) واخرج الطبرانی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: کان العباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن یحرسہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) ترک الحرس۔ (تفسیر المظہری ص ۱۷۵ ج ۳)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی آپ کے محافظوں میں تھے آیت ”عصمت“ کے نزول پر پہرہ چھوڑ دیا گیا۔“

(۳۰) واخرج ایضا عن عصمة بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہ قال: کنا نحرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل حتی نزلت (واللہ یعصمک من الناس) فترک الحرس۔ (تفسیر المظہری ص ۱۷۵ ج ۳)

”حضرت عصمت بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ دیا کرتے تھے پھر جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو پہرہ ترک کر دیا گیا۔“

(۳۱) عن الادریع السلمي رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جئت لیلة احرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا رجل قراءۃ عالیة الخ (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۲)
حضرت ادریع سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دینے حاضر ہوا تو وہاں ایسا شخص پایا جس کی قرارت بلند تھی پھر اسکا انتقال ہو گیا، جنازہ اٹھایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ساتھ نرمی (واکرام) کا معاملہ کرو، اللہ نے بھی اسکے ساتھ نرمی کی ہے کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول سے (بڑی) محبت رکھتا تھا، پھر جب اسکے لئے قبر کھودنے لگے تو آپ نے فرمایا اس کی قبر (ذرا) وسیع کر دو اللہ نے اس پر وسعت کی ہے.... یہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ (بڑی) محبت رکھتا تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان:

(۳۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان

يَحْرُسُهُ اصْحَابُهُ فَقُمْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَلَمَّ أُرَاهُ فِي مَنَامِهِ فَأَخَذَنِي مَا قَدِمَ وَمَا حُدِّثَ
فَذَهَبْتُ أَنْظُرَ فَإِذَا أَنَا بِمَعَاذٍ قَدْ لَقِيَ الَّذِي لَقِيتُ..... الخ

(مسند احمد ص ۴۰۷ ج ۷ الفتح الرباني ص ۱۳۱ ج ۲۷)

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات پہرہ کی غرض سے
در دولت پر حاضر ہوا تو آپ کو اپنی خواب گاہ میں نہ پا کر پڑا پریشان
ہوا اور نئے پرانے خطرات کے خیالات نے مجھے گھیر لیا، میں آپ کو
ادھر ادھر ڈھونڈنے نکلا تو میری ملاقات حضرت معاذ بن جبل سے
ہوئی، معلوم ہوا وہ بھی پہرہ کے لئے آئے تھے اور آپ ڈھونڈنے میں
پریشان و سرگرداں ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے محافظ :

(۳۳) ان عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ غدایوم عرفة من منی فسمع التكبير
عاليا فبعث الحرس يصيحون في الناس ايها الناس انها التلبية۔

(موطأ مالك ص ۳۷۹)

”خلیفہ عادل و راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے
ذی الحجہ کی نویں کو منیٰ کی صبح کے وقت لوگوں کو بلند آواز سے تکبیر کہتے
سنا، آپ نے اپنے محافظین کو بھیج کر یہ اعلان فرمایا :
لوگو! یہ تلبیہ پڑھنے کا وقت ہے (خالی تکبیر کا نہیں)۔“

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَّمَ رَأْسَهُ (خَرَجَ مِنْكُمْ رَهًا)

قال بيهقي الوقت القاضى ثناء الله الفاني فتي رحمه الله تعالى : قيل :
نزلت هذه الآية بعد ما شجر رأسه، لان سورة المائدة من آخر القرآن نزولا۔
وقال المحدث الشهير والمفسر الكبير الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى :
والصحيح ان هذه الآية مدنية بل هي من آخر ما نزل الله بها والله اعلم
(تفسير ابن كثير ص ۷۹ ج ۲)

وقال العلامة القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : وهو (ای قولہ یحرس حتی نزلت) یقتضی انہ لم یحرس بعد ذلك بناء على سبق نزول الآية لكن وراى في عدة اخبار انه حرس في بدر واحد والخندق ورجوعه من خيبر وفي وادي القرى وعمرة القضية وفي حنين فكان الآية نزلت متراخية عن وقعة حنين الخ (ارشاد الساری ص ۸۶ ج ۵)

حافظ ابن کثیر اور قاضی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی تصریحات بالا سے ثابت ہوا کہ آیت واللہ یعصمک من الناس ان آیتوں میں سے ہے جن کا نزول بالکل آخر میں ہوا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول او آخر عمر تک رہا۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق بھی پہرہ غزوہ حنین تک ثابت ہے جو اس کی دلیل ہے کہ آیت ”غزوہ حنین“ کے بعد اتری ہے

اس تمام تر تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ نزول آیت پہرہ کے معمول کے لئے ناسخ ہے مگر مشہور مفسر و محدث علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس رائے سے متفق نہیں، وہ فرماتے ہیں :

”ليس في الآية ما ينافي الحراسة كما ان اعلام الله بنصر دينه واظهاره ما يمنع الامر بالقتال واعداد العدد وعلى هذا فالمراد العصمة من الفتنة والاضلال او اذهاق الروح“ (فتح الباری ص ۶۱ ج ۶، عمدة القاری ص ۱۷۰ ج ۱۴)

یعنی جس طرح اللہ کا یہ وعدہ کہ ہم دین اسلام کو غالب کر کے رہیں گے فی سبیل اللہ کے معارض نہیں، اسی طرح یہ آیت بھی ”حراست“ (پہرہ) کے منافی نہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتنہ وغیرہ سے بچائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہم فظین

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پہریداری کی سعادت عظمیٰ باری باری سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاصل کرتے تھے لیکن بعض حضرات کو یہ دولت خصوصی طور سے میسر آئی وہ خوش قسمت جاں نثار یہ ہیں :

- | | |
|------------------------------|--------------------------------|
| ① امیر المؤمنین حضرت ابو بکر | ② امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق |
| ③ امیر المؤمنین حضرت علی | ④ حضرت زبیر بن العوام |

- | | | | |
|---|---|------------------------|---|
| حضرت عباس | ⑤ | حضرت سعد بن ابی وقاص | ⑥ |
| حضرت ابو طلحہ | ④ | حضرت عبد اللہ بن مسعود | ⑧ |
| حضرت بلال | ⑨ | حضرت ابوذر غفاری | ⑩ |
| حضرت سعد بن معاذ | ⑪ | حضرت حذیفہ | ⑫ |
| حضرت عمار | ⑬ | حضرت ابو ایوب | ⑭ |
| حضرت محمد بن مسلمہ | ⑮ | حضرت قیس بن سعد | ⑯ |
| حضرت عباد بن بشر | ⑰ | حضرت انس بن مرثد | ⑱ |
| حضرت ابو ریحانہ | ⑲ | حضرت ذکوان بن عبد قیس | ⑳ |
| حضرت عصمتہ بن مالک خطمی | ㉑ | حضرت ادرع سلمی | ㉒ |
| حضرت فحجن بن ادرع رضی اللہ عنہما اجمعین وارضاهم | ㉓ | | |
- (ارشاد الساری، حاشیہ صحیح بخاری کتاب التمنی، فتح الباری، عمدۃ القاری، تفسیر مظہری، درمنثور، طبری، تاریخ مدینہ، حیاۃ الصحابہ)

اسلام (در دہشت گردی)

اعتراض نمبر ۳:

دار الافتاء والارشاد میں اسلام کی نمائش اور اس کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے علماء کے پاس اسلام ہونا دین کے لئے فتنہ اور دین کی رہی سہی عظمت کو خاک میں ملانے کے مترادف ہے۔ آج اسلام غنڈوں اور بد معاشوں کا شعار بن چکا ہے جس کی وجہ سے علماء کے پاس اسلام کا ہونا درحقیقت مسلمانوں کو دین سے مزید متنفر کرنا ہے۔

اسلام سے نفرت درحقیقت قرآن و حدیث و سنت نبویہ سے نفرت ہے

جواب:

مسلمانوں پر یہ زور بھی آنے والا تھا جب اسلام جیسی عزت، نعمت و محبوب چیز کو

① جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم قطعاً ہے۔

② جو اسلام کی عزت و عظمت بھی ہے اور قوت و طاقت بھی۔

③ جس سے نبی کو والہانہ عقیدت و محبت تھی۔

مسلم پیرہ ۳۸

- (۴) جو نبی کی میراث تھی۔
- (۵) جسے صحابہ کرام اپنے تن سے رات میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔
- (۶) جس کی مشق مسجد نبوی کے اندر ہوتی تھی۔
- (۷) جس کی خیرات مسجد نبوی کے اندر ہوا کرتی تھی۔
- (۸) جس کو مسجد میں لانے کے آداب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے۔
- قابل نفرت اور اسے دہشت گردی کی علامت سمجھنے لگیں گے عزت کو ذلت اور بلندی کو پستی تصور کرنے لگیں گے۔
- ایسے لوگ اگر مخلص ہیں تو ان کو ذرا سے غور سے خوب احساس ہو جائے گا کہ اسلحہ کو غنڈہ گردی اور دہشت گردی کی علامت سمجھنے اور کہنے میں بلاشبہ ایمان خطرہ میں ہے۔ پھر یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ غنڈے اور بد معاش تو اس عظیم چیز کو حاصل کر کے اسے دین کے خلاف استعمال کریں اور نبی السیف (تلوار والے نبی) کے اُمتی کہلانے والے اسے چھوڑ کر اسے نفرت و ذلت سمجھنے لگیں۔
- کیا اگر بد معاش لوگ نماز روزہ کر کے اس سے غلط مقاصد نکالنے لگیں تو یہ عقلمندی ہوگی کہ دوسرے مسلمان نماز روزہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور نماز روزہ کو بد معاشی اور غنڈہ گردی کہنے لگیں؟
- اسلحہ رکھنے کے بارے میں آیات تو کچھ گزر چکی ہیں اب چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

دفاع و جہاد کے آلات اور تہیہ رکھنے کے فضائل

گھوڑے پر خرچ کرنا صدقہ کرنے کے لئے ایسا ہاتھ پھیلانا ہے جو کبھی بند نہ ہو:

(۳۴) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

المنفق علی الخیل کالبأسطیدۃ بالصدقۃ لا یقبضہا (سنن ابی داؤد ص ۱۱۳ ج ۲)

» حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا: گھوڑے پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی نے صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ ایسا پھیلا دیا ہو کہ وہ اسے بند ہی نہیں کرتا۔

جہاد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میزان قیامت میں نماز روزہ کیساتھ
 (۳۵) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
 من احتبس فرسافی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فان شعبہ وریۃ وروثہ و
 بولہ فی میزانہ یوم القیمۃ یعنی الحسنات۔

(صحیح بخاری ص ۴۰ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۰۴ ج ۲)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا:

جس نے اللہ اور اس کے وعدوں پر ایمان و یقین کے ساتھ جہاد
 (اور اسلام سے دفاع) کے لئے گھوڑا پالا تو اس کا کھانا، پینا، لید
 اور پیشاب سب قیامت کے دن نیکیوں کے ساتھ تولا جائے گا۔“

اسلام سے دفاع کے لئے ہتھیار عبادت اور ریا و نمود کے لئے وبال

(۳۶) عن اسماء بنتہ یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 قال: الخیل فی نواصیہا الخیر معقود ابد الی یوم القیمۃ فمن ارتبطہا عداۃ
 فی سبیل اللہ وانفق علیہا احتسابا فی سبیل اللہ فان شعبہا وجوعہا وریثہا و
 ظمأہا وارواثہا وابوالہا فلاح فی موازینہ یوم القیمۃ ومن ارتبطہا ریا وسمۃ ومہرجا
 وفرہا فان شعبہا وجوعہا وریثہا وظمأہا وارواثہا وابوالہا خسران فی موازینہ یوم
 القیمۃ۔ رواہ احمد باسناد حسن (الترویج للمندری ص ۲۶۱ ج ۲)

”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گھوڑوں کی پیشانی میں ہمیشہ کے لئے خیر رکھ دی گئی ہے (ان سے
 تا قیامت اسلام و اہل اسلام سے دفاع اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہیگا)
 پس جس نے ان کو جہاد کے لئے تیار کر کے رکھا اور ثواب سمجھ کر ان پر
 خرچ کیا تو ان کا کھانا، اور پینا، بھوک اور پیاس بول اور براز قیامت
 کے دن (نیکیوں کے) ترازوؤں میں بڑی وزن دار (نیکیاں) ہونگی
 اور جس نے دکھاوے اور شہرت، اکڑ اور فخر کے لئے گھوڑا (ہتھیار) رکھا

سلحہ پہرہ ————— ۴۰

تو اس کا کھانا اور پینا، بھوک اور پیاس، بول اور ہزار (یہ سب چیزیں بدیوں کے) ترازوؤں میں وبال (ثابت) ہوں گی۔

اسلام سے محبت

(۳۷) عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : لم یکن شیء أحب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الخیل ثم قال اللہم غفر الابل النساء۔ رواہ احمد ص ۲ ج ۵ ورواہ ثقات الترغیب للمندی ص ۲۶۳ ج ۲۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی، پھر فرمایا بیویوں کے بعد۔“ (کیونکہ بیویاں بھی اسلام و اہل اسلام سے دفاع اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے اصل ذریعہ جہاد کے ذرائع ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سو نکاح کئے تھے تاکہ مجاہدین زیادہ تعداد میں ہوں)

فائدہ مہم

روایات بالا سے ثابت ہوا کہ حفاظت دین و اعلیٰ کلمۃ اللہ کی خاطر صرف اسلحہ رکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اسلحہ کے تمام مصارف، دیکھ بھال اور صفائی، مرمت سب اعلیٰ درجہ کی عبادت اور میزان قیامت میں بہت وزن دار اور بڑی بھاری حسنات ہیں۔ صحابہ کرام ہر وقت اسلحہ سے لیس :

(۳۸) عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ اوتہم الانصار و متہم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلح ولا یصباحون الا منہ (مسند الدارمی)

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے انکو ٹھکانہ دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے، ان

حالات میں صحابہ کرام رات دن اسلحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔“

نبوت (اور) سلمہ لازم ہیکلوم

(۳۹) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بعثت بین یدى الساعة بالسيف وجعل رزقى تحت ظل رمحى۔

(مسند احمد ص ۵۰ ج ۲، صحیح بخاری ص ۴۰۸ ج ۱)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :

”مجھے قیامت سے پہلے تلوار دیکر بھیجا گیا ہے اور میرا (ذریعہ) معاش میرے نیزے کے سایہ کے نیچے رکھا گیا ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہری زرہ (بلٹ پروف جیکٹ) استعمال کرنا

(۴۰) کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعان یوم احد (جامع ترمذی ص ۲۶۰ ج ۱،

سنن ابی داؤد ص ۲۵۶ ج ۱، سنن ابن ماجہ ص ۲۰۱ ج ۱، مسند احمد ص ۴۴۹ ج ۳)

(۴۱) کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعان یوم احد ذات الفضول

وفضة وكان علیہ یوم حنین درعان ذات الفضول والسعدیۃ۔

(شرح الزرقانی ص ۳۸۰ ج ۳)

”جنگ احد“ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مستود پر روزیہ

”ذات الفضول“ اور ”فضہ“ اور ”غزوہ حنین“ میں ”ذات الفضول“

اور ”سعدیہ“ تھیں۔“

خود بلٹ پروف جنگی ٹوپی کا استعمال :

(۴۲) باب لبس البیضة

”جنگی ٹوپی استعمال کرنے کا بیان“

عن سهل انه سئل عن جرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فقال

جرح وجه النبی صلی اللہ علیہ وسلم وكسرت ربا عیته وهشمت البیضة علی رأسه الخ

(صحیح بخاری ص ۴۰۸ ج ۱)

”غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہوا، دندان مبارک شہید ہوئے، جنگی ٹوپی ٹوٹ گئی۔“

نگاہ نبوت میں مصارف مال میں سب سے مقدم و اہم مصرف

(۴۳) قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثمر يأخذ ما بقي فيجعله مجعل مال الله (صحيح بخاری ص ۳۶ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

(۴۴) عن عمر رضي الله تعالى عنه قال: كانت اموال بني النضير مما افاء الله على رسول الله صلى الله عليه وسلم مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة، وكان ينفق على اهله نفقة سنته ثمر يجعل ما بقي في السلاح والكراع عدة في سبيل الله۔

(صحيح بخاری ص ۷۰ ج ۱)

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموال بنی نضیر سے امہات المؤمنین کے لئے سال کا نفقہ نکال کر بقیہ مال وہاں خرچ کرتے جہاں اللہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔“
دوسری روایت میں صراحت ہے کہ باقی ماندہ مال سے آپ ہتھیار، گھوڑے اور جنگی آلات خریدتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے مال کا اہم و اعظم مصرف (دفاعی بجٹ) جنگی آلات خریدنا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر اسلحہ سے استقبال
(۴۵) عن انس رضي الله تعالى عنه قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة لعبت الحبيشة لقدومه فرحاً بذلك لعبوا بحرايمهم۔

(سنن ابی داؤد ج ۱۹ ص ۲)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشہ کے لوگوں نے خوشی میں نیزہ بازی کے ہاتھ دکھائے۔“
فائدہ: افغانستان کے مجاہدین حضرات علماء و مشایخ اور کمانڈروں کا اسلحہ سے

استقبال کرتے ہیں مذکور بالا حدیث سے ان کے اس معمول کی اصل نکلتی ہے۔
 سلمیٰ مسلمانوں کی عزت سے جسے وہ اپنے تن سے جدا نہیں کر سکتے
 سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ”شاہ روم“ کے پاس اپنے کچھ قیدیوں
 کے سلسلہ میں مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے، جب بادشاہ کی جائے رہائش
 کے نزدیک پہنچے تو ”جبلہ“ سردار شکر کفار نے کہا:
 ”اے گھوڑہ عرب! تم اب بادشاہ کی رہائش گاہ تک پہنچ چکے ہو اس لئے
 اپنے گھوڑوں سے اتر جاؤ اور اپنی تلواریں یہیں رکھ دو“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
 ”گھوڑوں سے تو اتر جائیں گے لیکن تلواریں ہم کبھی نہیں رکھیں گے
 کیونکہ تلوار ہماری عزت ہے،
 کیا ہم اس عزت کو اتار دیں جس کے ساتھ ہمارے نبی کی بعثت ہوئی؟“
 (فتوح الشام صفحہ ۱۶۴ طبع کانپور)
 جو زیور اللہ کے رسول ہمیں پہنا گئے ہیں اسے نہیں اتارا جاسکتا
 فتح المینہ کے موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ مع اپنے کچھ مجاہدین کے بحیثیت سفیر
 بادشاہ سے بات کرنے کے لئے تشریف لے گئے، جب شاہی محل میں داخل ہوئے تو
 بادشاہ کے محافظوں نے حضرت خالد اور آپ کے ساتھیوں سے اسلحہ لینا چاہا، حضرت
 خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

”تم جانتے نہیں) ہم وہ لوگ ہیں جو اپنی تلواریں غیروں کو نہیں دیا کرتے
 اور (تم کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ) ہمارے نبی کی بعثت (ہی)
 تلوار کے ساتھ ہوئی اور یہ تلوار ہم کو ہمارے نبی ہی پہنا گئے ہیں پس جو
 شرف ہمیں ہمارے اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا اسے ہم اپنے
 سے ہرگز جدا نہیں کر سکتے“
 (فتوح الشام ص ۱۱۷ ج ۲ طبع مصر)

ہم نے یہ (دور) شہر کس (دور) میں کاہل و درج کیا

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تلوار سمیت شاہی محل میں داخل ہونے لگے تو

بادشاہ کے محافظوں نے آپ کے گلے سے تلوار لینے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا:
 ”میں بغیر تلوار کے داخل ہونے کا نہیں، واپس چلا جاؤں گا مگر تلوار تن سے
 جدا نہ کروں گا، تمہیں خبر نہیں ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسلام سے عزت
 بخشی، ایمان کے ذریعہ نصرت عطا فرمائی، اور تلوار کی برکت سے ہم کو مضبوط کیا
 اور یہی توفیق تلواریں ہیں جن کے ذریعہ ہم نے اہل شرک اور سرکش لوگوں کے دماغ
 درست کر ڈالے ہیں۔“ (فتوح مصر ص ۲۲ طبع کانپور)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (میراث)

(۴۶) عن عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الأسلحة وبغلة بيضاء وارضاً جعلها صدقة - (صحیح بخاری ص ۲۰۸ ج ۱)

وفی رواية : ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موته درهما ولادینارا ولا
 عبدا ولا امة (وفی رواية : ولا شاة ولا بعیرا) ولا شیئا الا بغلة البیضاء و اسلحة و
 ارضا جعلها صدقة (صحیح بخاری ص ۶۱۲ ج ۲، مسند احمد ص ۲۴۹ ج ۲، سنن نسائی ص ۱۵۱ ج ۲)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت درہم چھوڑے نہ دینار، غلام
 نہ باندی، بکری نہ اونٹ نہ کوئی اور چیز مگر اپنے جنگی ہتھیار، سفید خچر
 اور ایک زمین جسے آپ (پہلے ہی) وقف فرما چکے تھے۔“
 یہ خچر بھی جہاد میں آپ کے کام آتا تھا، غزوہ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔
 حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی حدیث پر یہ عنوان قائم
 فرمایا ہے :

باب ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا بیان“

(شمائل ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء جنس

(۴۷) یہ امر روایات کثیرہ صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم جنگوں سے قبل اور جنگوں کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کے حالات

سلحہ پہرہ ————— ۴۵

کا دور، قریب سے اور اندر گھس کر جائزہ لینے کا حکم فرماتے تھے، ویسے بھی فریضہ جہاد میں یہ شعبہ عقلاً و نقلاً ناگزیر ہے، امام بخاری و دیگر محدثین نے ایسی احادیث پر باب فضل الطلیعة ”جاسوسی کی فضیلت کا بیان“ جیسے عنوان باندھے ہیں۔

(صحیح بخاری صفحہ ۳۹۹ جلد ۱)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی جاسوسی کے لئے زیادہ تر عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔

آج دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی ہر شعبہ میں جاسوسی کے لئے سیکڑوں ادارے قائم کر رکھے ہیں مگر مسلمان اس سے یکسر غافل ہیں کاش سنن و مستحبات کے گرویدہ و دلدادہ و مدعیان تقویٰ ان فرائض پر بھی عمل کریں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

میراث نبوی کی حیرت (نیکز نفیلا)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ تلواریں تھیں جن میں سے بعض عرب کی مشہور تلواریں بھی تھیں۔

- ۱۔ مَا تَوْرُ - آپ کی تلواروں میں سے سب سے پہلی تلوار ہے جو آپ کو آپ کے والد صاحب کے ترکہ سے ملی۔
- ۲۔ الْعَصْبُ - جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلنے لگے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ہدیۃ پیش کی۔
- ۳۔ ذُو الْفَقَارِ - یہ تلوار آپ کی تمام تلواروں میں مشہور ہے۔ یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”احد“ کے روز خواب دیکھا تھا، یہ تلوار عاص بن منبہ کافر کی تھی جو آپ کو بدر کے غنائم میں ملی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تلوار سے بڑی محبت تھی، اس کے دستے اور کندھے پر جڑی چاندی آپ کی اس تلوار کے ساتھ والہانہ محبت کا اعلان تھا۔ یہ تلوار آپ کی ملک میں آنے کے بعد پھر کبھی آپ سے جدا نہ ہوئی۔
- ۴۔ الْقُلْعَى - یہ آپ کو قلع نامی جگہ سے ملی۔

سلحہ پہرہ

- ۵۔ اَلْبَتَّار (بہت خوب کاٹنے والی)
 ۶۔ اَلْحَتَف (موت)
 ۷۔ اَلْمِخْذَم (کاٹنے والی)
 ۸۔ اَلرَّسُوب (جسم میں گھس کر ڈوب جانے والی)
 ۹۔ اَلْقَضِيب (تیز دھار والی تلوار)
 ۱۰۔ اَلصَّمَامَة (کاٹنے والی ایسی مضبوط جو کبھی مڑ نہ سکے)
 ۱۱۔ اَللَّحِيف (ادھیڑنے والی)

(زرقانی صفحہ ۳۷۸ ، ۳۷۹ جلد ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زریہوں (بلٹ پروف جیکٹوں) کی تعداد اور ان کے نام

(۴۹)

۱۔ ذَاتُ الْفُضُول (لمبائی والی) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کو جاتے ہوئے تحفۂ پیش کی، آپ کے انتقال کے وقت یہی "زرہ" ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔

۲۔ ذَاتُ الْوَشَّاح

۳۔ ذَاتُ الْحَوَاشِي

۴۔ اَلسَّعْدِيَّة کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ ہے جسے پہن کر انھوں نے جالوت کو جہنم رسید کیا تھا۔

۵۔ فِضَّة ۶۔ اَلْبَتَّاء ۷۔ اَلْخَرْنَق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانوں کی تعداد اور ان کے نام

(۵۰)

۱۔ اَلزُّورَاء ۲۔ اَلرَّوْحَاء ۳۔ اَلصَّفَرَاء

۴۔ شَوْحَط ۵۔ اَلْكُتُوم ۶۔ اَلسَّدَاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکشوں (میگزینوں) کی تعداد اور ان کے نام

(۵۱)

۱۔ اَلْكَافُور اس میں چاندی کے تین حلقے (کڑے) تھے۔

سلحہ پہرہ ————— ۴۷

۲ - الْجَمْعُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھالوں کی تعداد اور ان کے نام

(۵۲)

۱ - الزُّنُوق (دور رکھنے والی)

۲ - الْفُتَق ۳ - الْمَوْجَز ۴ - الذَّقَن

(ذرقانی ص ۳۸۰ ج ۳ ، البدایۃ والنہایۃ ص ۶۹ ج ۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہلموں، برچھیوں اور نیزوں کے نام اور ان کی تعداد

(۵۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آٹھ عدد مختلف قسم کی برچھیاں اور نیزے

تھے جن میں سے پانچ کے نام مل سکے ہیں۔

۱ - الْمُثَوَّى ۲ - الْمُثَنَّى ۳ - الْبَيْضَاءُ نِسْبَةُ بَرَّاقِهَا

۴ - الْعَنْزَةُ یہ نیزہ عصا نما نسبت چھوٹا نیزہ تھا جو حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی اسے ساتھ رکھتے، اسی سے نماز کے دوران ”سترہ“ کا کام لیتے، عید کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار کے ہاتھ میں یہی نیزہ ہوتا اور اسی کو عید گاہ میں بطور سترہ گاڑ دیا جاتا۔

(ذرقانی ص ۳۸۱ ج ۳)

۵ - السَّخَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود دوں (لوہے کی جنگی ٹوپوں) کی تعداد اور نام

(۵۴)

۱ - ذَا السَّبُوع ۲ - الْمَوْشَح

(ذرقانی ص ۸۲ - ۳۸۱ ج ۳)

کیا مسجد میں (سیدنا انس رضی اللہ عنہ) کی قبر (دری کھ)

اعتراض نمبر ۴ :

مسجد اللہ کا گھر اور اسلام کے شعار میں سے ایک شعار ہے جس کی حرمت قرآن حدیث میں جا بجا مذکور ہے، ایسی مقدس جگہ میں اسلحہ لانا مسجد کے تقدس کے

مسلم پیرہ ————— ۴۸

خلاف اور اس کی حرمت کو پامال کرنا ہے اور اس اسلحہ کا علماء کے ہاتھ میں ہونا مسجد کے ساتھ علم و علماء کی بے وقعتی بھی ہے۔

اسلحہ مسجد دیگر شعائر (سلام کی زینہ و عزت کے جوہر) :

اسلام نے جیسے مسجد کو مقدس و محترم قرار دیا ہے اسی طرح اسلحہ کو بھی مکرم و معظم و لائق محبت فرمایا ہے۔

قرآن و حدیث و سیرت نبویہ و سیرت صحابہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ مسجد اور مسجد کے علاوہ دیگر تمام شعائر اسلام کا بھی محافظ اور مقدس ہے۔

اسلحہ کو مسجد اور علماء کی بے ادبی قرار دینا درحقیقت انگریزوں کے لگائے ہوئے جہاں دشمنی کے پودے کا برگ و بار ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان و مال پر ڈاکہ ڈالنے اور فتوحات صحابہ کرام کا انتقام لینے کے لئے لگایا تھا اور جس کی آبپاری کے لئے ”مرزا قادیانی دجال“ کو مبعوث کیا، افسوس آج بہت سے مسلمان اسی پودے کے برگ و بار بنے ہوئے ہیں اور جو اس نعمت (لغت) سے محروم رہے وہ اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں پر ”اٹو“ بنے بیٹھے مسلمان بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو لٹنے کا نظارہ کر رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزت و آبرو، دین و ایمان کی حفاظت کے لئے جو چیز دے گئے تھے آج مسلمان سب کچھ لٹوا کر بھی اسی ترکہ و میراث نبوی پر تھوک رہے ہیں العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

آئیے دیکھیں کہ کیا اسلحہ واقعی مسجد کے تقدس کے خلاف ہے؟

صحاح ستہ کی روایات ملاحظہ ہوں :

مسجد میں اسلحہ

مسجد نبوی میں اسلحہ سے جہاد کی مشق :

(۵۵) قال الامام البخاری : باب اصحاب الحراب فی المسجد شرفا :

حدثنا (الحی) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت : لقد رأیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یوما علی باب حجرتی والحبشة یلعبون فی المسجد۔ (فی روایۃ : یلعبون بحرا بھد (صحیح بخاری ص ۶۵ ج ۱)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حبشہ کے لوگ مسجد نبوی میں نیزہ بازی (کی مشق) کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ان کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔“

قال القسطلانی : بخلاف ما ترجم له فیما سبق من لعب الحبشة بالحرا ب والدارق
یوم العید للتدریب والادمان لاجل الجہاد مع الامن والایمناء۔

(ارشاد الساری ص ۲۱۳ ج ۲) (ومثلہ فی فتح الباری ص ۴۵۷ ج ۱)

”علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں :

”یہ جہاد کی تمرین و مشق تھی۔“

مسجد میں اسلحہ لانے کے آداب :

(۵۶) عن بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : من
متر فی شیء من مسجدا نا واسواقنا بنبل فلیأخذ علی نصالہا لا یعقر بکفہ مسلما۔
(صحیح بخاری ص ۶۴ ج ۱)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جو شخص تیر کے ساتھ مسجد
میں داخل ہو تو اسے چاہئے وہ اس کے پھل پر کوئی بندش لگا کر رکھے
مبادا کسی کو زخمی کر دے۔“

اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مسجد یا مجمع میں بندوق لیجانے والا گولی ”چیمبر“ میں
نہ رکھے۔

اسلحہ میں مسجد وغیر مسجد برابر ہے :

(۵۷) عن ابی موسیٰ عن ابیہ (الی) فقال (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) :
اذا دخلتم مسجدا المسلمین واسواقهم واسواق المسلمین ومسجدہم ومعکم من
ہذہ النبل شیء فامسکوا بنصولہا لا تصیبوا احدا من المسلمین فتؤذوہ او تجرحوہ۔
(مسند احمد ص ۴۱۳ ج ۴، سنن ابی داؤد ص ۲۵۶ ج ۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ”جب مسجدوں یا بازاروں

مسلحہ پہرہ

میں تیر سمیت جاؤ تو اس کے پھل کو پکڑے رکھو تاکہ کسی مسلمان کو زخم
یا اذیت نہ پہنچے۔“

فَعَلِمَ أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْمُرُورِ الدَّخُولَ وَلِذَا بَوَّبَ أَبُو دَاوُدَ بَابَ فِي النَّبْلِ يَدْخُلُ

بِهِ الْمَسْجِدَ

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: فی الحدیث جواز إدخال المسجد السلاح۔

(فتح الباری ص ۴۵۵ ج ۱)

”حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ مسجد میں ہتھیار لانا جائز ہے۔“

مسجد میں (اسلحہ) خیرات کرنا

(۵۸) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہ امر رجلاً کان یتصدق بالنبل

فی المسجد ان لا یمس بہا الا وهو اخذ بنصولہا (صحیح مسلم ص ۳۲۸ ج ۲)

”ایک صحابی مسجد میں تیر صدقہ کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے انھیں فرمایا کہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھو تاکہ کوئی زخمی نہ ہو جائے۔“

اللہ اپنی رحمت سے وہ وقت لائے جب امت مسلمہ کو اسلحہ سے اس قدر لگاؤ ہو جائے

کہ ہتھیاروں کا صدقہ اور اسلحہ کی خیرات ہونے لگے۔

مسجد میں اسلحہ کے ساتھ خطبہ دینا:

(۵۹) باب الخطبة على القوس

فاقمنا بها اياما شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

فقام متوكئا على عصا وقوس فحمد الله الخ (ابوداود ص ۱۰۹ ج ۱)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا یا کمان پر ٹیک رکھا کہ خطبہ دیا۔“

اسلحہ کے ساتھ خطبہ عید:

(۶۰) عن البراء بن عازب رضى الله تعالى عنه قال: لما كان يوم الاضحى

اتى النبی صلی اللہ علیہ وسلم البقیع ننزل قوساً فخطب علیہا۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۸۷ ج ۳)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان پر سہارا لگا کر عید کا خطبہ دیا۔“

سلحہ پرہ ————— ۵۱

خطیب ہاتھ میں ہتھیار رکھے :

⑥۱ قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ :

و (یخطب) الامام (بسیف فی بلدة فتحت بہ) مکة (والآلا) کالمدينة
وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الامام والسیف فی یدہ وهو متکئ
علیہ ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قوله فتحت بہ الخ) ای بالسیف لیریمہا فتح بالسیف فاذا جمعت
عن الاسلام فذلک باق فی یدی المسلمین یقاتلونکم حتی ترجعوا الی الاسلام ۔
(رد المحتار ص ۱۶۳ ج ۲ ، الفتاویٰ التاتاریخانیہ ص ۶۰ ج ۲ ، البحر الرائق ص ۱۴۸
ج ۱ ، الفتاویٰ الہندیہ ص ۱۴۸ ج ۱)

”جو علاقہ جہاد سے فتح ہو وہاں خطیب ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دے
لوگوں کو یہ جتلانے کے لئے کہ یہ علاقہ تلوار سے فتح کیا گیا ہے، اگر
لوگ اسلام سے پھرتے ہیں تو وہ یہ سوچ لیں کہ ابھی تک مسلمانوں کے
ہاتھوں میں یہ تلوار موجود ہے جو اسلام سے انحراف کرنے والوں
کا دماغ درست کر دے گی“

تنبیہ :

بعض روایات میں حرم اور عید کے دن ہتھیار لے کر چلنے کی ممانعت وارد
ہوئی ہے، حافظ ابن حجر، حافظ عینی، علامہ قسطلانی و دیگر شارحین حدیث رحمہم اللہ
تعالیٰ نے اس کے دو محمل بیان فرمائے ہیں :

① از دھام اور بھیڑ کی وجہ سے ہتھیار سے زخم یا ایذا پہنچ سکتی ہے یہ جب
خود احادیث میں موجود ہے ۔

② فخر و ریا کی نیت ،

لیکن دشمنوں سے خطرہ ہو تو بلا کر بہت جائز ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال الحسن : نهوا ان يحملوا السلاح يوم العيد الا ان يخافوا

سلح پہرہ ————— ۵۲

عدوا - (صحیح البخاری ص ۱۳۲ ج ۱)

ومثله فی المصنف عن الضحاك مرسلا (المصنف لعبد الرزاق ص ۲۸۹ ج ۳)
 ”حسن بصری اور ضحاکؒ کہ ہم اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عید کے دن ہتھیار لیکر چلنے سے
 منع کیا گیا الا یہ کہ دشمن سے خطرہ ہو (تو حفاظت کی خاطر اسلحہ لے جانا
 جائز ہے)۔“

غرضیکہ خطرہ کی صورت میں تو بہر حال جائز ہے، خطرہ نہ ہو تو اس شرط سے کہ کسی
 کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ عید کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف
 لے جاتے تو آپ کے آگے آگے نیزہ بردار ہوتا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس
 حدیث پر یہ باب باندھا ہے :

باب حمل العنزة والحربة بين يدي الإمام يوم العيد
 ”عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان“
 قال القسطلاني: أكنهى عند خوف التأذي به -

(ارشاد الساری ص ۲۲۰ ج ۲)

یعنی ممانعت صرف ایذا کے اندیشہ کے پیش نظر ہے۔
 اور یہی محمل ہے ان روایات کا جن میں مسجد کے اندر تلوار نیام سے نکلنے
 اور ہتھیار کو مسجد میں اٹھنے پلٹنے سے منع فرمایا گیا۔

کیا مسجد میں حضراتِ خلفاء و (سیدین رضی اللہ عنہم) نے

حفاظتی انتظامات کئے؟

اعتراض نمبر ۵ :

مسجد میں حفاظتی انتظامات اور مسلح پہرہ حضراتِ خلفاء و راشدین رضی اللہ عنہم،
 تابعین، ائمہ مجتہدین و سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

مسجد میں خلفاء (سدرین رضی تعالیٰ عنہم) کی حفاظتی بندوبست

جواب :

یہ کہنا کہ حفاظتی بندوبست طریقہ سلف سے متضادم ہے حدیث، سیرت و تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے روایات ذیل ملاحظہ ہوں۔

خبر (وزن) میں مسجد (سدرین رضی تعالیٰ عنہم)

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مسجد نبوی میں حفاظتی مقصورہ (مورچہ) (۶۲) قال العلامة السہودی رحمہ اللہ تعالیٰ :

الفصل الخامس عشر فی المقصورة التي اتخذها عثمان رضي الله تعالى عنه في المسجد وما كان من امرها بعدة -

روى ابن زبالة وابن شبة عن عبد الرحمن بن سعد عن ابي شبة ان اول من عمل المقصورة بلبن عثمان بن عفان وانه كانت فيه كوى ينظر الناس منها الى الامام وان عمر بن عبد العزيز هو الذي جعلها من ساج حين بنى المسجد -

روى الاول ايضا عن عيسى بن محمد بن السائب ومحمد بن عمرو بن مسلم بن السائب بن خباب وعمر بن عثمان بن عبد الرحمن ان عثمان بن عفان اول من وضع المقصورة من لبن واستعمل عليها السائب بن خباب وكان رزقه دينارين في كل شهر فتوفي عن ثلاثة رجال مسلم وبكير وعبد الرحمن فتوا سوا في الدينارين فجريا في الديوان على ثلاثة منهم الى اليوم -

(تاريخ المدينة ص ۶ ج ۱ للحافظ الثقة الامام ابن شبة ۱۷۳-۲۶۲ھ)

قال ابن زبالة :

وقال مالك بن انس : لما استخلف عثمان بعد مقتل عمر بن الخطاب عمل عثمان مقصورة من لبن فقام يصلي فيها للناس خوفا من الذي اصاب عمر ابن الخطاب رضي الله عنه وكانت صغيرة -

وروى يحيى هذا كله في زيادة عثمان رضي الله تعالى عنه (وفاء الوفاء

مسلم پیرہ ۵۴

للسمهودی المتوفی (۵۹۱ ص ۵۱۱ ج ۲)

”متعدد روایات میں یہ منقول ہے کہ مسجد نبوی میں حفاظتی کمرہ سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا جس کی نگرانی ماہانہ دودینار کی تنخواہ پر سائب بن خباب کو سونپی گئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے حفاظتی کمرہ بنوایا، آپ اسی میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے اس خطرہ کے پیش نظر جو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں وقوع پذیر ہو چکا تھا۔ یہ مقصورہ بہت چھوٹا تھا۔“

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اور مسجد میں مسلح پہرہ اور حفاظتی کمرہ

(۶۳) واما صاحب معاویۃ وهو البرک، فانه حمل علیہ وهو خارج الی صلوۃ الفجر فی هذا الیوم، فضربہ بالسیف، وقیل: بمخبر مسموم، فجلوت الضربة فی ورکہ فجرحت الیتہ، ومسک الخارجی فقتل، وقد قال لمعاویۃ: اترکنی فانی ابشرك ببشارۃ، فقال: وما هی؟ فقال: ان اخی قد قتل فی هذا الیوم علی بن ابی طالب، قال: فلعلہ لم یقدر علیہ، قال: بلی انہ لا حرس معہ فامربہ فقتل (الی) ومن حینئذ عملت المقصورة فی المسجد الجامع وجعل الحرس حولہا فی حال السجود فكان اول من اتخذہا معاویۃ لہذہ الحادثة (البدایۃ والنهایۃ ص ۳۳۰ ج ۷، والکامل لابن الاثیر ص ۳۹۳ ج ۳، شرح مسلم للنووی ص ۲۸۸) وفي تاریخ الامم:

وامر معاویۃ عند ذلک بالمقصورات وحرس اللیل وقیام الشرط علی رأسہ

اذا سجد (الطبری ص ۱۱۵ ج ۷)

”جب تین خارجیوں نے حضرت علی، حضرت عمرو بن العاص، حضرت

مسلح پہرہ ————— ۵۵

معاویہ رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، طے یہ پایا کہ بوقت فجر جیسے ہی یہ حضرات نماز کے لئے نکلیں گے تو (نعوذ باللہ) اپنے اس ناپاک منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فہ میں اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے نائب خارجہ بن حذافہ شہید کر دیئے گئے، برک نامی خارجی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل اپنے ذمہ لیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے نکلے تو ”برک“ نے تلوار یا خنجر سے آپ پر حملہ کیا لیکن خارجی جلد ہی پکڑا گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (تعزیراً) قتل کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا۔ آپ مجھے قتل نہ کریں کیونکہ میں آپ کو بڑی خوشخبری سناتا ہوں وہ یہ کہ آج میرے ہی ایک بھائی نے علی بن ابی طالب کا کام تمام کر دیا (چونکہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات تھے تو یہ احمق سمجھا کہ شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس خبر سے خوش ہونگے) حضرت معاویہ نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تمہارا ساتھی کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے کہا اس لئے کہ علی کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے خوش ہونے کے اس کے قتل کا حکم دیا۔

اس کے بعد جامع مسجد میں امام کے لئے حفاظتی کمرہ بنوایا گیا سجدہ کی حالت میں کمرے کے گرد اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے پاس مسلح پہرہ دار متعین کئے گئے۔

حافظ ابن کثیر، علامہ ابن الاثیر و دیگر مورخین فرماتے ہیں کہ اس حادثہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظت کے یہ انتظامات فرمائے :

- ① رات میں پہرہ -
 - ② مسجد میں حفاظتی کمرہ -
 - ③ مسجد میں نماز کے دوران مسلح محافظ حفاظتی کمرہ کے ارد گرد متعین کئے۔
- طبری کی روایت کے مطابق سجدہ کی حالت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سر کے پاس بھی مسلح پیریدار متعین تھے۔

مسند امیر صفی کرم اللہ وجہہ (سلاوی فکر و بین)

بنائے رکے

کتب حدیث و فقہ و تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ حفاظتی کمرہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے حکام و امرار و ائمہ کو مساجد میں حفاظتی کمرہ بنانے کا حکم فرمایا۔

حفاظتی کمرہ میں خلفاء راشدین، صحابہ کرام اجلہ تابعین و فقہاء نے نمازی پڑھیں

- | | |
|----|---|
| ۶۴ | امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۱ | امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۲ | امیر المؤمنین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۳ | امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ |
| ۴ | رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما |
| ۵ | خادم خاتم المسلمین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۶ | حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۷ | حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ |
| ۸ | حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ تعالیٰ |
| ۹ | حضرت نافع رحمہ اللہ |
| ۱۰ | حضرت سالم رحمہ اللہ |
| ۱۱ | حضرت علی بن الحسین رحمہ اللہ |
| ۱۲ | حضرت ابو القاسم رحمہ اللہ |
| ۱۳ | حضرت معمر رحمہ اللہ |
| ۱۴ | صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸ جلد ۱، السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۹۱ جلد ۲، |

باب الصلاة في المقصورة المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۲ ج ۲،

باب الصلاة في المقصورة المصنف لابن أبي شيبة ص ۴۹ ج ۲،

حفاظتی کمرے تعمیر ہونے کے بعد فقہاء کا صف اول

کی تعیین میں اختلاف

(۶۵) صف اول میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحضرات تابعین رحمہم اللہ کے اتفاق سے حفاظتی کمرے بنادیئے گئے اور عوام الناس کو مقصورہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو اب فقہاء کرام میں یہ بحث چلی کہ صف اول مقصورہ ہی کو قرار دیا جائے یا مقصورہ سے متصل پہلی صف کو، درحقیقت صف اول تو مقصورہ ہی کی تھی اس بنا پر عامۃ المسلمین ہمیشہ صف اول کے ثواب سے محروم رہتے، اسلئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مقصورہ سے متصل صف کو صف اول قرار دیا۔ (رد المحتار ص ۵۶۹ جلد ۱، البحر الرائق ص ۵۱۵ جلد ۲، فتح الباری ص ۴۷۲ جلد ۲، المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۵ جلد ۲، عمدۃ القاری ص ۲۵۵ جلد ۵، فتح المابہم ص ۶۷ جلد ۲)

وليعلم ان ما ذكرنا من الاتفاق على اتخاذ المقصورات في الجوامع لا ينافي ما نقله من بعض اهل العلم من كراهة بناء المقصورات فان مثل هذا الخلاف القليل لا يقدح في الاتفاق لاسيما اذا جرى تعامل الامة القديمة في جميع امصار المسلمين في عهد الصحابة والمقرن المشهور لها بالخير، ولا علينا لوندعى الاجماع على ذلك -

واما كون عثمان رضي الله تعالى عنه اول من بنى المقصورة فانه وان كان خلاف المشهور ولكن التطبيق ورفع التعارض ليس بمتعسر على المتفكر -

(عبد الرحيم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وظایف کیون غنیمت رکھتے؟

اعتراض نمبر ۶:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے خلفاء میں سب سے

مسلم پہرہ _____ ۵۸

زیادہ ہوشیار، مدبر اور دور اندیش تھے، آپ نے بھی اپنے ساتھ کوئی محافظ نہ رکھے راتوں میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں اکیلے پہرہ دیا کرتے، جنگل میں تن تنہا نکل جاتے ہیں اور مساکین و یتیم کی خبر گیری کر رہے ہیں، اگر دفاع و حفاظت کا مسئلہ اتنا ہی اہم تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر سلطنت ضرور اسکا اہتمام فرماتے، حد تو یہ ہے کہ جب غلام ابو لؤلؤ نے دھمکی دی اور آپ سمجھ بھی گئے کہ اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تب بھی آپ کو حفاظت کے اہتمام کا خیال نہ آیا؟

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا کہ مرسل شخص

حفاظتی تدابیر سے کیسے غافل رہ سکتا ہے؟

جواب :

گزشتہ اوراق میں آپ بالتفصیل پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہرہ ہوتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود بھی پہرہ دیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہرے کی ترغیب اور اس کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہریداری کا شرف خود امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے حاصل رہا، اس سے یہ بات اچھی طرح واضح اور ثابت ہو گئی کہ خطرہ کی وجہ سے پہرہ خلاف توکل ہے نہ خلاف سنت، ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ساتھ مسلح پہرہ نہ رکھنا اس لئے تھا کہ مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

جب خطرہ نہ ہو تو پہرہ لازم نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر وقت اور ہمیشہ پہریدار نہیں رکھے جیسا کہ احادیث و آثار گزشتہ سے عیاں ہے۔

سوال :

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان کو کوئی خطرہ کیوں نہ تھا جبکہ پوری دنیا کے تمام کفار، یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین آپ کے مخالف تھے؟

جواب :

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کفار سے خطرہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے آخر زمانہ ہی میں ختم ہو گیا تھا جب اسلام کی بے مثال فوج حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت اور آپ کی کمان میں یہودیت کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا اور بقیہ کوڑسوا کر کے خیبر سے نکال باہر کیا تھا، مسلسل جہاد و قتال کی برکت سے اسلام کی سرحدیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں، مدینہ طیبہ میں یا اس کے قرب و جوار میں کوئی کافر باقی رہا نہ منافق، پورا مدینہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پُر تھا ایسے میں خطرے کا کیا گزر؟

معہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدود مدینہ میں بالغ اور مراہق (قرب البلوغ) ذمی کافر کے داخلہ پر سخت پابندی عائد فرما رکھی تھی، مشہور محدث، ثقہ و معتبر مؤرخ امام ابن شہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

حدثنا حجاج بن نصير قال حدثنا قرة بن خالد عن محمد بن سيرين ان
عمر رضي الله عنه كان يقول لا تدخلوا المدينة من السبي الا الوصفاء -

(تاريخ المدينة المنورة ص ۳۸۸ ج ۳)

وعن الزهري قال كان عمر رضي الله تعالى عنه لا يأذن لسبي بقل وجهه في
دخول المدينة (تاريخ المدينة المنورة ص ۸۸۷ ج ۳)

عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال كان عمر رضي الله تعالى عنه
يكتب الى امراء الجيوش لا تجلبوا علينا من العلوج احدا جرت عليه الموسى -

(تاريخ المدينة المنورة ص ۸۹۲ ج ۳)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افواج اسلام کے کمانڈروں اور بلاد اسلامیہ

کے گورنروں کو یہ فرمان اور حکم نامہ جاری فرمایا :

”مدینہ کی طرف کسی بھی بالغ و مراہق قیدی کو مت بھیجو ہاں وہ باندی

جو ابھی مراہقہ بھی نہ ہو“

سرکاری فرمان کی وجہ :

یہ ہدایت اور فرمان احتیاطی تدبیر کے طور پر تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی سفارش سے ایک مجوسی غلام ابو لؤلؤ کو صنعت و حرفت میں مہارت کی بنیاد پر مدینہ میں لایا گیا اور اس نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں مسجد نبوی کے اندر خنجر مارا آپ زخمی ہوئے اور آپ کو گھیر لایا گیا تو آپ نے پوچھا :
 ”مجھے کس نے مارا ہے ؟“

لوگوں نے کہا :
 ”حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابو لؤلؤ نے“
 آپ نے ارشاد فرمایا :

المراقل لكم لا تجلبوا الينا من العلوج احدا فغلبتموني

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۳ ج ۳)

عمل اصحابك كنت اريد ان لا يدخلها علج من السبي فغلبتموني
 (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۹۰۳ ج ۳)

هذا عملك وعمل اصحابك والله لقد كنت انهم ان تجلبوا الينا منهم احدا -

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۹۰۳ ج ۳)

”میں نے تم کو ان کفار کو مدینہ میں داخل کرنے سے ہمیشہ روکا لیکن تم (مصلحت کا شکار ہو کر) مجھ پر غالب آ گئے، یہ سانحہ تمہاری وجہ سے وقوع پذیر ہوا ورنہ میں تو اپنی رائے پر پکا تھا“
 اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان و حکمنامہ حفاظتی تدبیر کے طور پر تھا۔

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعب اور دھاک سب پر ایسی بیٹھ گئی تھی کہ خود آپ کے خیال میں بھی پورے جزیرہ عرب میں کسی کو امیر المؤمنین پر حملہ کا تصور تک نہ ہو سکتا تھا۔

امیر المؤمنین نے ان خیالات کا اظہار اس وقت کیا جب لوگوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ حملہ ”ابو لؤلؤ“ غلام نے کیا ہے۔
 آپ نے فرمایا :

اللہ اکبر ما كانت العرب لتقتلني (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۹۰۳ ج ۳)
 ”اللہ اکبر (میں بھی سوچ رہا تھا کہ) عرب میں تو کسی کو مجھے قتل کرنے کی

مسلح پہرہ

جرات نہ تھی۔

سوال :

اب رہا یہ اشکال کہ جب ابو لؤلؤ منحوس غلام نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ میرے آقا مجھ سے میری استطاعت سے زیادہ کمواتے ہیں آپ ان سے کہہ کر تخفیف کرا دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بہت کچھ کما سکتے ہو ہمت کرو اور اللہ سے ڈرو اور سنو کیا تم مجھے ایک چکی بنا دو گے؟ غلام نے کہا :

”میں آپ کے لئے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ لوگوں میں مدتوں اس کی

باتیں ہوا کریں گی۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور فرمایا :

”یہ خبیث مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔“

آپ نے اس پر بھی کوئی حفاظتی انتظامات نہ فرمائے؟

جواب :

شیخص اکیلا تھا اس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جبری اور بہادر کو کسی معاذ و محافظ کی ضرورت نہ تھی، اسی لئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دھمکی سننے کے باوجود اسے قابل اعتنا نہ سمجھا، ویسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہتے بھی نہ تھے، آپ کی تلوار اور آپ کا دڑھ ضرب المثل ہے۔

ذیل آپ یہ سمجھے تھے کہ اس نے اشارۃً جو دھمکی دی ہے یہ اس کے وقتی جذبات ہیں فی الواقع اس ارادہ کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کر سکیا نہیں کر سکے گا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو معمولی معمولی کوتاہیوں پر بڑے بڑوں کو تنبیہ فرما دیتے تھے اس کافر غلام کو سخت تعزیر لگاتے کم از کم مدینہ طیبہ سے اس کے اخراج کا فیصلہ تو یقیناً کرتے، بالخصوص جبکہ آپ کی رائے میں کسی کافر کا مدینہ میں وجود احتیاط کے خلاف تھا۔

اسی روایت میں الفاظ ذیل مضمون بالا کی تصدیق کرتے ہیں :

قال لو قتلت لحدًا بسوء الظن لقتلت هذا العليج

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۳ ج ۳)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ حفظہ اللہ کیون ہین کی؟

اعتراض نمبر ۷:

بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے اس معمول کو بنیاد بنا کر اشکال کیا ہے کہ جب آپ کو ”تحریک خلافت“ کے زمانہ میں قتل کی دھمکیاں دی گئیں تو آپ نے حفاظت کا کوئی بندوبست نہ فرمایا۔

مخصوصین دیندہ اور خصم کا رد و دفعہ و اجابہ بیان القرآن میں سکی تصریح

جواب:

جب آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، معمولات نبویہ، تعامل خلفاء راشدین اجماع و قیاس سے حفاظتی تدابیر کا حکم خوب واضح ہو گیا تو اب اگر ہمیں سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا عمل بظاہر اس کے خلاف نظر آتا ہے تو اس متفق علیہ حکم شرعی میں شک کرنے کی بجائے اس عمل کی بنیاد تک رسائی حاصل کر کے مناسب و صحیح توجیہ کرنا لازم ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظت کا انتظام کیوں نہیں فرمایا؟ اسکا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ مسئلہ ذہن نشین کر لیں کہ جب مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین کسی مسئلہ شرعی میں اجتہادی اختلاف ہو تو احتیاطی تدابیر لازم نہیں۔

حکیم الامت قدس سرہ کو دھمکی دینے والے کافر نہیں مسلمان تھے جو تحریک خلافت کے حامی تھے، جانبین میں اختلاف اجتہادی تھا۔

دونوں جانب محقق و محقق علماء تھے اور دونوں طرف دلائل شرعیہ، اس لئے آپ نے حفاظت کا اہتمام نہ فرمایا، اس وجہ سے نہیں کہ کفار ملاحدہ و زنادقہ اہل حق علماء پر

حملہ آور ہوں تو آپ دفاع، مقابلہ و مقاتلہ کے قائل ہی نہ تھے، آپ بیان القرآن میں واضح طور پر دفاع کو واجب قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

”اگر کوئی شخص اس کو قتل کرنا چاہے اور شیخ قرآن قویہ سے سمجھے کہ میں بدوں اس کے کہ اس کو قتل کر دوں بچ نہیں سکتا تو قتل کر دینا جائز ہے اور اگر اس حیسب میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا اور اگر یہ مدافعت نہ کیے بلکہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے۔“

(البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت ہو واجب ہے۔)

(بیان القرآن ص ۳۷۳ جلد ۱)

حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کی اس تحریر سے مسئلہ زیر نظر کا بہت واضح فیصلہ ہو گیا :
”ان حالات میں دفاعی تدابیر کا اختیار کرنا واجب ہے، اور ہمیں کسی قسم کی غفلت جائز نہیں۔“
البتہ آپ کی رائی مذکور کے مطابق خصوصیت دنیویہ میں دفاع واجب نہیں، بعض دوسرے حضرات سے بھی یہ قول منقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں خالص خصوصیت دنیویہ میں بھی وجوب دفاع کا فیصلہ بوجہ ذیل رائج ہے :

① یہ فیصلہ چوتھی صدی کے بہت بڑے جلیل القدر امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۳۸۵ھ نے بہت مدلل بیان فرمایا ہے، اور دلائل نقلیہ و عقلیہ سے اس کے خلاف کی بہت پر زور تردید، نکیر شدید اور بہت سخت مذمت کی ہے، حتیٰ کہ اس کو دین و دنیا کے تمام تر فسادات اور تباہی و بربادی کی جڑ قرار دیا ہے، اس قول کو بعض حشویہ اور ظاہریہ میں سے جاہلوں کی طرف منسوب کیا ہے اور ابو داؤد و ترمذی کی روایت کے علاوہ ان کے اور بھی کئی مستدلات کا مکمل ابطال کیا ہے (احکام القرآن ص ۳۱، ۳۲، ۳۳ تا ۴۰ ج ۲)

② عدم وجوب کے قائلین میں سے کہیں بھی ”حشویہ و جہال“ کے سوا کسی کا کوئی نام نہیں ملتا، ”جہال“ ہونے کے علاوہ مجہول بھی ہیں، بعض کتابوں میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عدم وجوب منقول ہے جو خلاف رائج ہے، آپ کے ہاں بھی وجوب ہی رائج ہے، الا

ان یکون الصائل مسلماً محترماً ای محقون الدماء و تارک صلوۃ عندہ لیس بمحقون الدماء (تحفۃ المحتاج بمہامش حاشیۃ الشرعانی ص ۱۸ ج ۹) والمساہ المحترم لا یقدم علی قتل مسلم الا لشبهة اجتہادیة ویؤیدہ ما استدلل بہ من صنیع امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۳) امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کے دوسرے ائمہ عظام و عمامہ اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا وجوب پر اجماع ہے، البتہ بعض نے مال سے ترک دفاع کی اجازت دی ہے، حضرات ائمہ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کو دفاع کی صورت میں قتل نفس کے ظن غالب پر محمول کیا جائے، اور یہ شرط تو بہر حال لازم اور متفق علیہ ہے کہ عدم دفاع سے فساق و فجار کے فسادات کے شیوع کا خطرہ نہ ہو، کما هو معقول ومنصوص فی الاصول وجمع علیہ بلا خلاف احد من ذوی العقول۔

یہ بحث محض تنقیح مسئلہ و اتمام فائدہ کے لئے لکھ دی ہے ورنہ عداوت دینیہ کی صورت میں حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے بھی وجوب دفاع کی تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ آپ کا اختلاف علما حق کے مابین اجتہادی اختلاف کی نوعیت کا تھا جس میں بالاتفاق دفاع واجب نہیں بلکہ عدم دفاع افضل ہے، کما صرح بہ الامام الجصاص وغیرہ من ائمہ الاسلام رحمہم اللہ تعالیٰ وحملاو مستدلان الحشویۃ و جہال الظاہریۃ علیہ۔

علاوہ ازیں حفاظتی تدابیر کی اہمیت حالات و خطرات کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے، مثلاً: وجہ خصومت، دھمکی دینے والے کی شخصیت، جسے دھمکی دی گئی اسکی شخصیت، دھمکی کے وصول کا ذریعہ، دھمکی کے مضمون کی نوعیت، زمان، مکان، ماحول وغیرہ وکوائف۔ پھر اگر دھمکی کی بجائے سازش کی کوئی اڑتی ہوئی خبر ہے تو اسکی وقعت اور بھی کم ہے، جیسے حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کا ایک بننے پر گزر ہوا تو اس نے سازش کی مبہم سی خبر دی، کوئی اہم بات ہوتی تو وہ خود پہنچاتا۔

اس دور فساد سے چند سال پیشتر تک مذہبی و سیاسی اختلافات نہایت عروج پر ہو نیچے باوجود باہم قتل و قتال کا کوئی تصور تک نہ تھا، تقریری و تحریری مناظرے، اسٹیجوں پر دوسرے مذاہب کی بھرپور تردید اور پرزور تنقید، اور اسمیں سخت سے سخت الفاظ کا استعمال بلکہ بسا اوقات ایک ہی اسٹیج پر بیک وقت مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے اپنے مذاہب کی تائید اور دوسرے مذاہب کی تردید میں بیانات، ایک دوسرے پر سخت چوٹیں سننے والے بھی ان مختلف مذاہب کے لوگ باہم زانو بزانو گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف تالیل سچ رہی ہیں قہقہے لگ رہے ہیں، اس کے باوجود آپس میں ایسے گھٹے ملے رہتے کہ گویا سگے بھائی

یا گھرے دوست ہیں، گلے مل رہے ہیں بغل گیر ہو رہے ہیں، دنیوی معاملات میں باہم تعاون کر رہے ہیں ایک دوسرے کی دعوتوں اور تقریبات میں شامل ہو رہے ہیں، مذاہب میں شدید اختلاف کے باوجود کہیں بھی کبھی بھی قتل و قتال کا کوئی قصہ پیش نہیں آیا، بالفرض کہیں ہوا ہو تو شاذ و نادر۔

یہ تو اسلام و کفر کے مابین مقابلوں اور مناظروں میں رواداری کا عالم تھا، حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کا اختلاف تو علماء دین سے تھا، یہ سب اہل حق علماء کبار تھے، باہم محبت و عقیدت اور عظمت و احترام کے بہت مضبوط رشتے تھے، کانگریسی ہندو بھی عام مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور علماء اسلام کا احترام کرتے تھے، ایسے حالات میں کسی سازش کی افواہ کی بنیاد پر حفاظتی تدبیر کی ضرورت نہ تھی، اگر واقعہً خطرہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو جواب وہی ہے کہ مسلمانوں کے باہم اجتہادی اختلاف کی صورت میں دفاع واجب نہیں۔

نمازوں کی تلاوتی بجائے گھر سے اور گھر سے مذہب سے

اعتراض نمبر ۸:

مسجد اللہ کا گھر ہے جس میں ہر مسلمان کسی روک ٹوک کے بغیر داخل ہونے کا حق رکھتا ہے، تلاشی کو لوگ توہین سمجھتے ہیں، اس خوف سے نمازی اس مسجد کا رخ نہیں کرتے تو تلاشی لینا کیا آیت ذیل میں مذکور وعید کا مصداق نہیں؟

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَ فِيهَا اسْمَهُ وَسَعِيَ فِي خَرَابِهَا (۲: ۱۱۷)

”اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو مسجدوں میں اللہ اللہ کرنے سے روکے اور مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرے؟“

محراب میں مسلح محافظ باعث تشویش کیوں؟

اعتراض نمبر ۹:

محراب میں مسلح محافظ سے خشوع خضوع میں خلل ہوتا ہے، کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے۔

تلاشی کے باوجود محراب میں مسلح محافظ کیوں؟

اعتراض نمبر ۱۰:

جب ایک مرتبہ تلاشی لے لی گئی تو اب محراب میں مسلح محافظ کی کیا ضرورت؟ کیا یہ بلاوجہ لوگوں کو مرعوب کرنا اور دہشت پھیلانا اور ریاء کاری نہیں؟

کیا اتنے حفاظتی انتظامات بلا ضرورت اور اسراف نہیں؟

اعتراض نمبر ۱۱:

اتنے محافظ رکھنے کی کیا ضرورت؟ دوسری جگہوں میں جہاں خطرات ہوتے ہیں اور حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے وہاں بھی ایسے کثیر و شدید انتظامات نہیں ہوتے تو یہ کیا اسراف نہیں؟

دارالافتاء دارالسناء میں حفاظتی انتظامات

مختلف مراحل کی مفصل کہانی

جواب:

قارئین مندرجہ بالا چاروں اعتراضات کے جواب سے قبل یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں کہ جب حضرت والا کو نقصان پہنچانے کے لئے کفر نے ایک بیرونی حکومت کی مدد شدہ پریلغار شروع کی تو حضرت والا دامت برکاتہم کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پیرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت والا نے اپنے زرین اصول کے مطابق امور ذیل کا اہتمام فرمایا:

① دفاع اور حفاظتی تدابیر کی شرعاً حدود و شروط کیا ہیں؟ اس مسئلہ کو دارالافتاء والا ارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس تحقیق میں رکھا، حضرت والا بذات خود بھی اجتماعی و انفرادی تحقیق فرماتے رہے، علاوہ ازیں اپنے تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل افتاء و علماء کو قرآن و سنت و فقہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی حدود و قیود کا حل تلاش کرنیکا حکم فرمایا۔

مسلم پیرہ ————— ۶۷

ان تمام مفتی حضرات نے دفاع کو شرعاً و عقلاً ہر طرح نہ صرف بہتر بلکہ لازم اور واجب قرار دیا۔

(۲) جب مسئلہ پوری طرح منقح ہو گیا تو حضرت والا نے اپنے متعلقین و خدام میں سے ماہرین امور حرب، جہاد افغانستان و جہاد کشمیر کے گوریلے مجاہدین کے قائدین اور پاکستان آرمی ایس ایس جی کے کمانڈوز افسران کو دفاعی اقدامات کی ترتیب لائحہ عمل بنا کر پیش کرنے کی اجازت دی۔

ان ماہرین نے ترتیب اور نظام بناتے وقت امور ذیل پر اجتماعی و انفرادی غور کیا :

- (۱) دشمن کون ہے؟
- (۲) فرد ہے یا گروہ؟
- (۳) اس کا تعلق ایک جماعت سے ہے یا وہ مختلف جماعتوں سے وابستہ ہے؟
- (۴) سرکاری ہے یا غیر سرکاری؟
- (۵) بناءِ عداوت کیا ہے؟
- (۶) اب تک کیا واقعات ہو چکے ہیں؟
- (۷) محلہ میں کون کون لوگ قیام پذیر ہیں؟
- (۸) دائیں بائیں آگے پیچھے متصل مکانات کن کے ہیں؟
- (۹) حضرت والا کے فتاویٰ، خطابات و بیانات و مواعظ میں کن کن بے دین جماعتوں پر رد کیا گیا ہے؟

جب ان کو تمام معلومات فراہم کر دی گئیں تو انھوں نے دارالافتار والارشاد کے محل وقوع اور ارد گرد کے مکانات کا جائزہ لیا اور باہمی مشورہ کے بعد مسلح پہرہ، تلاشی، مورچوں اور محراب میں مسلح محافظ اور کچھ اور انتظامات کا بھی جن کا اخفاء دفاع ہی کا حصہ ہے لائحہ عمل بنا کر پیش خدمت کیا۔

(۳) ان کی تمام کاوشوں اور طے کردہ تجاویز کو حضرت والا نے مکرر دارالافتار والارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس میں مختلف اوقات میں متعدد بار رکھا، مجلس میں وہ تمام احتمالات بھی زیر غور آئے جو بصورت اعتراض لوگوں کی طرف سے ہو سکتے تھے خصوصاً محراب میں نازیوں کی طرف منہ کر کے مسلح محافظ کے کھڑے ہونے کا مسئلہ خوب جانچا اور پرکھا گیا۔

تمام تجاویز و تدابیر شرعاً درست و جائز ہونے کے باوجود یہاں کی انتظامیہ کے بعض افراد نے ان کمانڈروں اور کمانڈرز ماہرین کی بعض تجاویز کو غیر ضروری کہا تو انھوں نے جواب دیا: ”آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تجویز ہماری طاقت سے باہر ہے یا کوئی عالم شرعی اعتبار سے کسی تدبیر کو غلط قرار دے لیکن اسے غیر ضروری، زائد، بے فائدہ اور غلو بتانا آپ کا کام نہیں ورنہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی جاہل کسی مفتی کے فتوے میں کاٹ چھانٹ اور ترمیم شروع کر دے یا فتوے کے کسی حصے کو فضول قرار دے۔“

حضرت والا نے اس تمام کوشش و تحقیق سے پاس ہونے والی تجاویز میں سے بہت سی ایسی تجاویز کو ترک بھی فرمایا جو خود ان ماہرین کے خیال میں بہت زیادہ اہم و لازم نہ تھیں۔

اطمینان کا عمل :

ویسے تو بحمد اللہ ان تدابیر پر شرعی اعتبار سے ہر طرح اطمینان تھا ہی لیکن اس وقت اطمینان، شرح صدر و مسرت کی انتہا نہ رہی جب حضرت معادیہ رضی اللہ عنہ کے حفاظتی انتظامات میں مسلح محافظین کا محراب میں کھڑا ہونا اور حضرت معادیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سجدہ کے وقت آپ کے سر کے پاس کھڑا ہونا نظر سے گزرا، اس کی تفصیل عنوان ”حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مساجد میں حفاظتی انتظامات“ کے تحت گزر چکی ہے۔

اہل بصیرت کیلئے درس (احتیاط):

تفصیل بالا کو پیش نظر رکھ کر ہر ذی شعور اس کا بخوبی ادراک کر سکتا ہے کہ ان حفاظتی انتظامات کے لائحہ عمل بنانے میں عقل و نقل، تفقہ و تحقیق، فہم و فراست کے تقاضوں کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔

”یقیناً اس میں بصیرت والوں کو بڑا سبق ملتا ہے۔“

معہذا بعض لوگوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوئی جو حال جاری و ساری ہے۔

اعتراضات کوئی (چنبے کی چیز نہیں):

اور اعتراض کوئی اچنبے کی بات نہیں، دنیا میں ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی اچھی، عمدہ اور لازم و واجب ہو جہاں اس کے چاہنے، سراہنے اور قبول کرنے والے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں وہاں اس میں کیڑے نکالنے اور ناک چڑھانے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ اور تو اور کتاب اللہ

جیسی لاجواب کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بے مثال و خلاصہ کائنات و مقصد کائنات کی مقدس ہستی کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔

مگر حیرت و افسوس ان معترضین پر ہوا جو خود کو دیندار کہلاتے ہوئے پھولے نہیں سماتے اور دینی معاشرے میں واقعی وہ باحیثیت اور دین کے مشہور ہیں جب انھوں نے عقل و نقل، فہم و دانش کو بالائے طاق رکھ کر مروت و اخلاق کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اعتراضات کئے۔

مسئلہ تلاشی کا :

جب قرآن و حدیث، تعامل و اجتماع اور عقل و قیاس سے ثابت ہو گیا کہ حفاظتی و دفاعی انتظامات واجب ہیں اور امور حرب کے ماہر مجاہدین علماء اور دیندار اہل فن تلاشی اور محراب میں مسلح محافظ اور عمدہ انتظامات کو لازم قرار دیتے ہیں تو یہ اعتراض کہ تلاشی کی وجہ سے لوگ مسجد میں نہیں آتے اگر یہ درست ہے تو ناقابل اعتنا ہے۔ ایسے لوگوں کی ذاتی انا اور علماء دشمنی پر اسلام کے ایک عظیم مجاہد اور مفتی اعظم، مسجد، ادارے اور اپنے نمازیوں کو بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا، دین و علم اور اہل علم کی جان و عزت کو داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔

اثر رپورٹ پر تلاشی :

جو لوگ تلاشی کو اپنی توہین خیال فرماتے ہیں وہ بیشک اپنی توہین مت کروایا کریں، مساجد کی بھمد اللہ کمی نہیں لیکن ان لوگوں سے جو تلاشی کی وجہ سے مسجد نہیں آتے کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ وہ اثر رپورٹ پر کس منہ سے برضا و رغبت تلاشی دیتے ہیں؟ کیا اللہ کے گھر اور اسلام کے ایک عظیم مفتی و عالم شریعت کی قدر و اہمیت اثر رپورٹ سے بھی کم ہے؟ ان معترضین کو چاہیئے کہ جب اثر رپورٹ پر حکام تلاشی لینے لگیں تو وہاں سے ٹوٹ آیا کریں۔

حرمین شریفین میں تلاشی :

حرمین شریفین میں بھی تلاشی ہوتی ہے، اگر تلاشی ایسی ہی نفرت کی چیز ہے تو وہاں بھی حرم شریف میں داخل ہونے سے انکار کر دیا کریں اور حرم کے پاسبانوں کو یہ آیت سنا دیا کریں :

مسلم چہ ۷۰۔

ومن اظلم من من منع مسجد الله ان يذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا (۲ : ۱۱۷)
 ”اور اس شخص سے کون بڑا ظالم ہے جو لوگوں کو مساجد میں اللہ ذکر کرنے سے روکے
 اور انھیں دیران کرنے کی سعی کرے“

بندہ کو ۱۴۰۷ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی، اس سال ہر نماز میں ہر حاجی و نمازی
 کی باقاعدہ تلاشی لی جاتی تھی، حرم شریف کی عقیدت و محبت کی وجہ سے سب لوگ نہایت
 خوشی سے تلاشی دیتے اور اس عمل کو خوب سراہتے تھے۔
 معلوم ہوا کہ اعتراضات کی بنیاد تلاشی نہیں کچھ اور ہے، اب وہ اور کیا چور ہے جو
 دل میں چھپا ہے؟ اس کی تعیین کی دوسروں کو ضرورت نہیں اور جن کے دل میں ہے
 ان کو معلوم ہی ہے۔

جیسے حرمین شریفین میں تلاشی آیت مذکورہ کے منافی نہیں اور مسجد نبوی کا صحابہ
 کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے رات میں بند کیا جانا آیت کے خلاف نہیں، پوری دنیا
 کی مساجد کا مخصوص اوقات نماز کے سوا مقفل کر دیا جانا آیت میں مذکور وعید میں داخل
 نہیں، اسی طرح اگر کسی مسجد میں شریکوں و دشمنان اسلام سے علماء، طلبہ اور خود نمازیوں
 کی حفاظت کے لئے تلاشی لی جاتی ہو تو یہ بھی اس آیت کے خلاف نہیں۔
 اگر تھوڑی سی سمجھ سے کام لیا جائے تو تلاشی کے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، اس میں
 انسانوں اور ملاک کی حفاظت، مسجد کے تقدس کا بقا، دشمنوں کی دسیسہ کاریوں کو ناکام بنانے
 اور اس میں تعاون، علماء کی قدر و منزلت پہچاننے اور کفر پر رعب بٹھانے کے ساتھ اپنے
 بارے میں اطمینان دلانے کا مظاہرہ بھی ہے۔

الحمد للہ بیشمار حضرات اہل علم اور دنیا کے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے
 لوگوں نے ان اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے اور دوسروں کے لئے قابل رشک لائق تقلید قرار دیا۔
 نیز اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محافظ زیادہ ہونے اور تلاشی و محراب میں مسلح محافظ کے
 اجتماع پر اعتراض کرنا ناواقفیت پر مبنی اور ماہرین کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینا ہے۔
 نیز یہ بھی کہ حفاظتی تدابیر میں ایک جگہ کو دوسری جگہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
 ماہرین امور حرب کے مطابق امور ذیل کی وجہ سے تدابیر مختلف ہو سکتی ہیں :
 (۱) اختلاف زمان -

مسلم پھر ۷۱

(۲) اختلاف مکان -

(۳) دشمن کا قوی و کمزور ہونا جو موقوف ہے دشمن کی حیثیت پر یعنی یہ کہ :
انفرادی ہے یا گروہی ، سرکاری ہے یا غیر سرکاری ، دینی ہے یا دنیوی ، باہر ہے
یا غیر باہر -

(۴) مہلک اشیاء کی ایجادات میں روز بروز اضافہ -

(۵) بنارعداوت -

(۶) محل وقوع -

(۷) داخلی و خارجی حالات کا سازگار ہونا -

(۸) استطاعت -

اشکال :

بعض حضرات کو یہ اشکال ہوا ہے کہ محراب میں مسلح محافظ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے عمل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا وہ تو امیر المؤمنین تھے ، ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے
احکام دوسروں سے بہت سے معاملات میں مختلف ہوتے ہیں -

جواب :

احادیث وفقہ و تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ مسجد کے اندر حفاظتی کمرے تمام بلاد اسلامیہ
میں بنائے گئے جس سے ثابت ہوا کہ یہ امیر المؤمنین کی کوئی خصوصیت نہ تھی -
(اور اگر کوئی اشکال کی یوں تقریر کرے کہ اس کا ثبوت صرف حکام کے لئے ہے لہذا
غیر حکام کو حکام پر قیاس کرنا درست نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکام نے ممکنہ خطرات
کے پیش نظر مسجد کی جماعت ترک کرنے کی بجائے مسجد کے اندر ہی حفاظتی اقدامات اس
لئے کئے تھے کہ امامت ، خطابت و مسجد کے انتظامات ان کے سپرد تھے ، آج حکام تو دین و
ایمان سے ہاتھ دھو کر بیٹھے ہیں ، اب امامت و خطابت و انتظام مسجد کے والی اور
وارث علماء ہی ہیں اس لئے علماء گھروں میں بند رہنے کی بجائے سلف صالحین کے طرز
پر مسجد کے اندر حفاظتی اقدامات کریں ، اصلاً تو یہ فریضہ عامۃ المسلمین پر عائد ہوتا ہے لیکن
اگر وہ غفلت کا مظاہرہ کریں تو خود علماء پر لازم ہے کہ وہ احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور
ظاہری اسباب کی حد تک کفر کو کوئی خوشی کا موقع نہ دیں -

مسلم پیرہ ۷۲

خطرہ تو گھر میں غملا (دیکھو نہیں کر رہے؟)

اعتراض نمبر ۱۲ :

اگر حضرت مفتی صاحب کو واقعہ خطرہ ہے تو اپنے سرائے مسلح محافظین کو مسجد میں لاکر نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے گھر ہی میں نماز ادا رکیوں نہیں فرما لیتے؟ آخر مرض میں بھی تو نماز گھر پر ہی پڑھتے ہیں۔

خطرہ ہی وجہ سے گھر میں بند ہو کر بیٹھنا خلافت معقول بھی رہے (در منقول بھی)

جواب :

یہ امر معقول بھی ہے اور مجرب و مشاہد بھی اور ماہرین کا فیصلہ بھی کہ دشمن مطلوب شخص کے اہل خانہ، اس کے متعلقین اور اس کی جائیداد و املاک کو بھی نشانہ بناتا ہے، دشمن کے ہدف کو مطلوب شخص کی محض جان تک مخصوص سمجھ لینا خطرناک ہے اس لئے حضرت یا کسی اور ایسے عالم دین کا جسے دشمنوں سے اندیشہ ہو گھر میں نظر بند رہنے کا فارمولا عقل و تجربہ اور ماہرین کے فیصلہ کے خلاف ہے۔

اسی طرح یہ رائے نقل سے بھی متصادم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر سلف صالحین کی سنت کتب حدیث و کتب سیرت و تاریخ میں منقول ہے کہ بیماری کی وجہ سے انھوں نے جماعت مسجد کا ترک تو فرمایا مگر دشمنوں کی طرف سے ممکنہ خطرات کے پیش نظر وہ ہمیشہ کے لئے گھروں میں بند ہو گئے ہوں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سفر و حضر میں پہرے کی روایات کچھ گزر چکی ہیں، کچھ رسالہ کے آخری حصہ میں آنے والی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتی انتظامات و اقدامات فرمائے گھر میں گوشہ نشینی و خلوت گزینی اختیار نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں ایام مرض میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر خود گھر میں نماز ادا فرمانا امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیر المؤمنین حضرت معاویہ امیر المؤمنین حضرت

حسن رضی اللہ عنہم اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے تھا۔ ظاہری اعتبار سے جیسی حفاظت گھر کے اندر ہو سکتی ہے ویسی باہر ممکن نہیں، صحابی رسول اور امیر المؤمنین ہونے کے ناطے ان حضرات کے نفوس مقدسہ کی قیمت تصور سے بالا بلا ہے۔ معہذا ان حضرات قدسی صفات نے دفاعی اقدامات کئے اور مسجد کی جماعت ترک نہیں فرمائی۔ یہ رائے دینے والے لوگ اپنے آپ میں کتنے ہی مخلص ہوں مگر اس کے عواقب پر غور کیا جائے تو یہ اسلام دشمنی کی راہ ہموار کرتی ہے، کیونکہ جیسے مسجد میں خطرہ ہے مدرسہ اور مجلس و اجتماع میں بھی ہے، ان سب جگہوں میں بہادر مسلمان ہوتے ہیں جو اسلحہ کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تو اس رائے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ حق گو علماء کرام یا تو حق گوئی سے باز آجائیں ورنہ حق گوئی کی پاداش میں ان کو ہمیشہ کے لئے نظر بند کر دیا جائے حق کی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا دیا جائے اور مسلمانوں کو حق سننے سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔

مسجد عالم کے لئے پارلیمنٹ ہے :

علماء کے لئے مسجد ہی وعظ کہنے، عوام کی دینی راہنمائی کے لئے اصل جگہ ہے اس اعتبار سے مسجد عالم دین کے لئے پارلیمنٹ ہے اور عالم اس کا صدر اور رئیس۔ کیا کوئی باشعور شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وزیر اعظم یا صدر خطرات کی وجہ سے ہمیشہ ہی پارلیمنٹ سے غائب و غیر حاضر رہے گا۔

محاسبہ نہ کیجئے :

جو لوگ علماء حق کو اپنے خیال میں یہ خیر خواہانہ مشورہ دے رہے ہیں وہ اس پر بھی غور کریں کہ دشمنان اسلام میں تو اتنی جرأت کہ وہ ایک ملک کی سرحدیں عبور کر کے دُور دراز سے مشقت برداشت کر کے کفر کے لئے جان کی بازی لگاتے ہوئے علماء پر حملہ آور ہوں اور خود کو دیندار کہلانے والوں کی بہادری کا یہ عالم کہ علماء کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے اور دشمن کے دانت توڑنے کی بجائے اُلٹا علماء کو گھسروں میں بند کرنے کا مشورہ دیں۔ العیاذ باللہ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

لمحہ فکر یہ :

تعجب بالائے تعجب و افسوس بالائے افسوس یہ کہ کفار تو اپنے زنادقہ و ملاحدہ کے روئیں روئیں کی حفاظت کریں اور ان کے جسم پر ایک آنخ نہ آنے دیں، سلمان رشدی جیسے منحوس و ملعون کی حفاظت یورپ اور امریکہ انجام دیں اور دین کے دعویدار اور علماء کے حیدر اپنے قیمتی قدسی نفوس کو جو اس وقت ہمارے لئے اصل سرمایہ ہیں چوپٹ مروادیں اور اگر کوئی آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، نصوص فقہیہ و سنت نبویہ و تعامل خلفاء راشدین کی تعمیل میں ایک ہستی کی حفاظت کا فریضہ انجام دے جس نے تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے اپنے آپ کو وقف فرما رکھا ہو اور بدوں خوف و مومتہ لائٹھ "النذیر العریان" کی جیتی جاگتی تصویر بن کر دشمنان اسلام و دشمنان صحابہ کفر الکفار و اخبث الخبثاء شیعوں کے کفر کو طشت از بام کر دیا ہو، جس کے فتوائے کفر نے ایران جیسی مضبوط اور کفر کے گڑھ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہوں جس کے پیچھے حکومت ایران نے اپنے گماشتے چھوڑ رکھے ہوں، ایسی ہستی کی حفاظت کرنے کو خلاف توکل، و خلاف سنت و خلاف مروت اور اس کو اسراف و ریاء کاری گردانا غضب بالائے غضب اور قہر الہی کو دعوت دینا ہے ۵

غیرت کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

توکل کی رٹ لگانے والو!
دیکھ نظر دینی طرف بھی

دوسروں کو توکل کا درس دینے والے ذرا اپنی دنیا کی حفاظت کے اسباب کا بھی توجہ جائزہ لیں :

مکان کے بالکل اندرونی تہ خانوں میں تجوریاں، تجوریاں بھی ایسی قفل والی کہ اور چابی سے کھل ہی نہ سکیں، پھر کمروں، تہ خانوں اور گھروں کے تالے الگ، اس کے باوجود دل کی دھڑکن اور ڈاکے کے خیالات، پھر بینکوں کا رخ، سود خوروں کے ساتھ تعاون پھر حسب منشاء حفاظت نہ ہونے پر راتوں کی نیند حرام، دن کا چین و آرام غائب،

مسلم پیرہ ۵

گھروں کی دیوار پر کپچ کے لمبے لمبے نوکدار ٹکڑے، صحن کے سامنے لوہے کی مضبوط سلاخیں اور جنگلے، کمروں کے دروازوں پر کئی کئی کنڈیاں، بندشیں اورتالے، دروازہ پر چوکیدار، چھت پر پہریدار، فجر کی جماعت کے ترک پر دوام و اصرار، رات میں فون کی گھنٹی بجے تو رسیور اٹھانے سے انکار، غلطی سے اٹھالیا اور بولنے والا اپنا نہ ہوا تو جھوٹ کا اظہار کہ صاحب ملک سے باہر ہیں۔

یہ حالات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، لیکن جب کسی عالم دین، وارث نبی اور ماہر شریعت حق گو عالم کی حفاظت اور اس کی قیمتی جان کے دفاع کا معاملہ ہو تو وہاں توکل یاد آجاتا ہے اور سنت بھی، ختنے اور خلافت شرع رسوم پر لاکھوں روپے اڑانے والوں کو اسراف بھی نظر آنے لگتا ہے اور ریاکاری بھی۔

یہ لوگ دین کے محبت نہیں دشمن ہیں، علماء کے ساتھ محبت کے دعوے میں کھرے نہیں کھوٹے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ علماء کرام دشمنان اسلام کے لئے لقمہ تر بنے رہیں، یہ ظالم چاہتے ہیں کہ علماء چرٹیوں کی طرح رہیں تاکہ ہر شخص ان کو بسہولت شکار کر سکے اور کافر لوگ اپنا ہر خواب شرمندہ تعبیر کر سکیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دیں ورنہ ۵

نگل جا اسے زمیں ناپیدا نہیں اے آسماں کر دے

درسِ عبرت

اسلام کے دشمنوں اور فتنہ پردازوں کے مساجد پر چھپ کر اور کھل کر حملے اور تخریبی کارروائیاں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں، مساجد میں گھس کر نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ، بارودی دھماکے، خنجر زنی و چاقو زنی کے واقعات، ہنگامے، توڑ پھوڑ، مساجد کے دروازوں پر آکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان پر تبراکرنا، علماء حق کو برا بھلا کہنا، مساجد کے ائمہ کرام کا اغوار، علماء دین کا قتل، ان کی ڈاڑھیاں مونڈنے کے حادثات آئے دن پاکستان کے تمام جرائد، رسائل اور اخباروں میں شہ سرخیوں کے ساتھ چھپتے ہیں۔

لاہور میں ”مسجد احسان“ کا دلہوز واقعہ، فیصل آباد کی ”مسجد صدیق اکبر“ کا

۷۶ ————— مسلح پہرہ

دلخراش سانحہ، گوجرانوالہ کی ”محمدی مسجد“ پر دہشت گردی، جھنگ، لیہ، اور ملتان اور اس کی مضافات کی بہت سی مساجد، کراچی میں ناگن چورنگی، اسکاؤٹ کالونی، کورنگی، اورنگی ٹاؤن، عزیز آباد، بنوری ٹاؤن، گرو مندر اور نمائش کی مساجد میں دہشت گردی اور بربریت کے جھنجھوڑنے والے حوادث اب کسی سے مخفی نہیں، ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں پاکستان کی کتنی مساجد کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، کتنے نمازیوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، کتنے نمازی ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور جسم کے دوسرے قیمتی اعضاء کی نعمت سے محروم و معذور ہوئے، کتنے علماء کو قتل کیا گیا اگر کوئی ان سب کی فہرست بنائے تو یہ اعداد و شمار دشمنان اسلام کی طرف سے ہمارے لئے بڑے مہلک پیغامات اور مستقبل میں ہماری تباہی کے اعلان ہیں اور بربادی کی پیشگوئی۔

الحمد للہ! بعض معترضین ان عبرتناک حوادث سے عبرت حاصل کر چکے ہیں اور اپنے اعتراضات بصد معذرت و ندامت واپس لے چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں بیرون سندھ سے بعض خطوط بھی موصول ہوئے، ایک صاحب نے لکھا کہ مجھے مسلح پہرہ پر بڑا اشکال تھا لیکن ہمارے قریب ایک مسجد پر دشمنان اسلام نے حملہ کیا جس میں درجنوں نمازی شہید، زخمی و معذور ہو گئے اب میرا اشکال ختم ہو گیا ہے۔ ایسے ہی ایک عالم نے جو حضرت والا سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں لکھا:

دارالافتاء والارشاد میں مسلح پہرہ پر یہاں کے دیندار طبقے کو بہت تشویش تھی اور بڑے اشکالات، ان کے اعتراضات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا اب حال ہی میں مختلف شہروں میں مساجد پر حملوں کے سنگین واقعات نے آنکھیں کھول دی ہیں اب سب کہنے لگے ہیں:

”واقعی حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کا معمول نہایت درست بلکہ بے انتہاء لازم و ضروری ہے، بلاشبہ اللہ والوں کی نگاہ بڑی دور رس ہوتی ہے ہم سب کو دفاعی انتظامات کرنا چاہئیں۔“

اگر کسی کے ایک ایک اشکال پر درجنوں مسلمان بھینٹ چڑھنے لگیں اور قرآن و حدیث و سیرت سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہونے والے ایک ایک اعتراض کا جواب کوئی مسلمانوں کے خون، مساجد کے تقدس کی پامالی اور دین پر حملوں میں ڈھونڈنے لگے

مسلم پہرہ

تو سوچئے اس سے زیادہ نا عاقبت اندیش اور ظالم کون ہو سکتا ہے ؟
معہذا یہ لوگ غنیمت ہیں جو دھکا لگنے پر سمجھ گئے ، گر کر سنبھل تو گئے جگہ
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

لیکن خیر سے یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان تمام تر حقائق و واقعات و حوادث کے باوجود
بھی بیدار ہونے کا نام نہیں لے رہے اور وہ اپنی ہٹ پر قائم و دائم ہیں ۔
مشہور کہاوت بھی سنا گئی :

کسی زمانہ میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ ہندو خطرہ سے ایک ہفتہ پہلے بیدار ہو جاتا ہے
مسلمان عین وقت پر اور سکھ ایک ہفتہ بعد ، لیکن آج کا مسلمان پستی و ذلت اور بے حسی
کے اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گیا ہے جس میں بیداری اور حس کا کوئی نام و نشان تک
موجود نہیں ، یہ ہفتہ کیا مہینوں اور سالوں بعد بھی نہیں جاگ رہے ۔
اللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

کیا اسلام غلامانوں کو دھست زدہ کرنے کیلئے ہے ؟

اعتراض نمبر ۱۳ :

اسلمہ کی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ اسلمہ کے تصور سے بھی خوفزدہ
ہو جاتے ہیں ، ایسی حالت میں مسجد اور مسجد کے ارد گرد مسلح محافظوں کے جھٹھے اور انکے
ہاتھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر مختلف قسم کے ہتھیار خوفناک منظر پیش کرتے ہیں جس
سے نمازیوں کا خشوع و خضوع غارت اور امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے ۔

اسلمہ کے دشمنوں کو دھست زدہ کرنے کیلئے

جواب :

مسلح پہرہ پر جتنے اعتراضات بھی اب تک کئے گئے ہیں یہ اعتراض قدر مشترک کے
طور پر سب میں موجود تھا یعنی اسلمہ سے خوف ۔

گزشتہ اوراق میں وہ آیت لکھی جا چکی ہے جس میں اعداء اسلام سے دفاع کے لئے
استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر اسلمہ تیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ

نے اسلحہ کی حکمت و مصلحت اور اس کا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے :

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

”اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو بھی خوفزدہ کر سکو گے اور اپنے دشمنوں کو بھی“

جو مسلمان بھائی اسلحہ کو دیکھ کر ڈرتے ہیں ان سے دست بستہ گزارش ہے کہ یہ اسلحہ ان کی حفاظت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے، ایسی حالت کو بدلیں جو قرآن میں اللہ کے دشمنوں کی بتائی گئی ہے۔

ایسے لوگ تنہائی میں پوری دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ اپنی اس حالت کا جائزہ لیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں :

جو چیز اللہ نے اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لئے عطا فرمائی تھی آج ہم خود اس سے خوفزدہ کیوں ہیں؟

جس اُمت کے قرآن نے اسلحہ رکھنے کو فرض اور نہ رکھنے کو جرم و ہلاکت بتایا آج اسی قرآن کے ماننے والوں کو اس اسلحہ سے کیوں خوف آتا ہے؟

جس اُمت کے نبی کی بعثت ہی اسلحہ کے ساتھ ہوئی اور اس کو اسکا ذریعہ معاش قرار دیا گیا آج اسی نبی کی محبت کے دعویدار اسلحہ سے خائف کیوں ہیں؟

جس شریعت میں اسلحہ سے محبت کا حکم ہوا اور اس شریعت کو لانے والے رسول نے اپنی تلوار کے دستے میں چاندی جڑوا کر اسلحہ سے محبت و عشق کا مظاہرہ کیا ہوا اور اس شریعت نے اسلحہ کے زور پر چھینے ہوئے اموال کفار کو تمام مالوں سے پاکیزہ قرار دیا ہو آج اسی شریعت کے پیروکاروں کو اسلحہ سے کیوں ہول آتا ہے؟

جس اسلحہ کی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اہمیت کا یہ عالم ہو کہ آپ کی ذاتی ملکیت میں گیارہ گیارہ تلواریں، آٹھ آٹھ نیزے، سات سات زربیں، چھ چھ کمائیں، دو دو ترکش، چار چار ڈھالیں متعدد جنگی ٹوپیاں، کئی کئی اونٹنیاں اور خیر تھے اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں سوائے اسلحہ اور آلات جنگ کے اور کچھ نہیں چھوڑا آج حب نبی و عشق رسول کے راگ الاپنے والے اس میراث نبوی کو دیکھنے کی تاب کیوں نہیں رکھتے؟

جس اسلحہ کو ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن کو اپنے تن سے جدا کرتے تھے نہ رات کو اور وہ اسے اپنی اور دین اسلام کی عزت سمجھتے اور کہتے تھے آج حب صحابہ کو ایمان کا جزو قرار دینے کے مدعی اسلحہ کو ایک نظر دیکھنے کی سکت کیوں نہیں رکھتے؟ جن کے آباؤ اجداد نے اسلحہ کے ذریعہ جزیرہ عرب کو کفر و شرک سے پاک کر دیا، خیبر و بنو قریظہ کے یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے ذلت کا طوق پہنا کر وہاں سے نکال باہر کیا، فارس کے کفار کو لوہے کے چنے چنوا دیئے اور روم و شام کے اعداء اسلام کے دانت توڑ دیئے، آج انہی کی اولاد اسلحہ کو دیکھ کر لرزتی کیوں ہے؟ جس اسلحہ کی خیرات مسجد نبوی میں ہوا کرتی تھی اور اس کی جنگی مشق کو مسجد نبوی میں محبت بھری نگاہ نبوت کا شرف حاصل تھا آج اسی اسلحہ کے تصور سے مسلمان کا وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

للہ! سوچئے کیا آپ نبی السیف (تلوار والے) کے امتی کہلانے کا منہ رکھتے ہیں؟ اگر آپ کو مسواک اور عمامہ کی سنت سے پیار ہے تو اسلحہ جیسے فرض سے کیوں پیار نہیں؟ کہیں ”میٹھا میٹھا ہپ کرٹوا کرٹوا تھو“ والا معاملہ تو نہیں؟

صحابہ کرامؓ کو اسلحہ سے ڈر کیوں لگتا تھا؟

الغرض گزشتہ اوراق سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اسلحہ ڈرنے کی چیز نہیں محبت کی چیز ہے پھر ہمیں کیوں ڈر لگتا ہے؟

چند روز قبل ایک صاحب تشریف لائے جو دینی اعتبار سے بڑے ذی وجاہت و صاحب رتبہ ہیں، انھوں نے اسلحہ اور پیرے پر سخت اشکالات کئے بندہ نے ان کو گزشتہ اوراق کا خلاصہ بتایا تو وہ کہنے لگے:

”سب اشکالات دور ہو گئے لیکن محراب میں مسلح محافظ سے تشویش

ہوتی ہے اور دہشت پھیلتی ہے اللہ! اسے کسی طرح ختم کریں۔“

بندہ نے عرض کیا:

”جب ایک چیز قرآن، حدیث، فقہ، اجماع و تعامل سے ثابت ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے باقاعدہ اس کی تصدیق

مسلح پیرہ ۸۰

ہو گئی تو اب میرے خیال میں اس تشویش و خوف کا علاج کیا جائے
نہ کہ اسلحہ کو خیر یاد کہا جائے، آخر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلحہ سے
دہشت کیوں نہیں ہوتی تھی؟

اس پر انھوں نے اُچھل کر ایک خاص انداز سے میرے کندھے پر زور سے ہاتھ
مار کر کہا: ”بس ٹھیک ہے یار۔“

اسلحہ سے خوف کا علاج

ایسے مسلمان بھائی جو اپنی غفلت، غلط معلومات اور بعض دین کے ٹھیکیداروں
کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلحہ کو نعوذ باللہ قابل نفرت اور عار سمجھنے
لگے اور اسلحہ سے خوف اور بزدلی کا مہلک مرض ان کے قلوب میں پیدا ہو گیا وہ
آئندہ نسل کو بزدلی اور خوف کا سبق دینے کی بجائے جرات سے کام لیں اور اس
حالت کی اصلاح کریں، لیکن اسکا طریقہ یہ نہیں کہ اسلحہ سے آنکھیں بند کر لی جائیں یا اسے جلادیا
جائے، سر میں جوئیں پڑ جائیں تو جوئیں نکالی جاتی ہیں کھوپڑی نہیں اڑانی جاتی،
کپڑے میلے ہو جائیں تو میل کو نکالا جاتا ہے کپڑے نہیں پھینکے جاتے، لہذا اس ڈر کو
دل سے نکالیں جس کے لئے امور ذیل کا اہتمام کریں:

① اب تک اسلحہ سے نفرت اور خوف کا جو اظہار کیا دو رکعت پڑھ کر اس
گناہ سے توبہ کریں۔

② بزدلی سے پناہ مانگنے کا معمول بنائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (انتہائی بہادری کے باوجود) بزدلی سے یوں پناہ
مانگتے تھے جیسے کفر و شرک سے (صحیح بخاری ص ۳۹۶ جلد ۱)

③ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنگوں کے واقعات
باقاعدہ مطالعہ میں رکھیں اس کے لئے کتب ذیل بہت مناسب ہیں:

① ”سیرۃ المصطفیٰ“ جلد دوم تالیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
رحمہ اللہ تعالیٰ۔

② ”ملک شام کی عظیم الشان فتوحات اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارنامے۔“
(تالیف حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
بنوری ٹاؤن کراچی)

③ حکایات صحابہ (تالیف حضرت اقدس شیخ الحدیث قدس سرہ)
④ پہلی فرصت میں جہاد کی تربیت (ٹریننگ) حاصل کریں، اہل حق کی نمائندہ
عظیم متحدہ قوت ”حرکت الانصار“ کے معسکر (ٹریننگ سنٹر) کو غنیمت سمجھیں۔
⑤ پاکستان کے ہر شہری کو قانون کے مطابق اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے اس قانون
کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اور حسب استطاعت اسلحہ رکھیں، خلاف قانون کوئی چیز نہ رکھیں۔
⑥ اس وقت جہاد فرض ہے اور کشمیر و تاجکستان، بوسنیا وغیرہ کئی جگہوں میں
اہل حق کفر سے برسر پیکار ہیں، جو لوگ اس شرعی جہاد کی قیادت کر رہے ہیں ان سے
رابطہ کر کے جہاد میں حصہ لیں اور ایک مرتبہ پھر یہ سوچ لیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
تو ستائیس مرتبہ بنفس نفیس جہاد میں نکلے ہم کم از کم ایک مرتبہ تو نکلیں، پھر قائدین
جہاد خواہ ہمیں میدان میں لڑنے کی بجائے جہاد کا کوئی اور کام سپرد کر دیں۔

اُٹھ باندھ کمر کیا درتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

پوری دنیا میں کافر کفر کے لئے لڑ کر

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ لِقَا عُوْتِ

”کافر کفر کی خاطر لڑتے ہیں۔“

کے مطابق کفر سے وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں، اہل ایمان بھی اٹھیں اور دین

کے لئے مسلح قتال کر کے الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

”اہل ایمان اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔“

کا مصداق بن کر کفر کی برتری کو ختم کریں۔

دھونی کی دھلائی

افسوس ہماری حالت ہندو بننے سے بھی ابتر و بدتر ہو گئی، ہندو بزدلی میں

۸۲ ————— مسلح پہرہ

ضرب المثل تھے۔

کہتے ہیں کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ جمالیا تو متحد ہندوستان کی تمام اقوام کو فوج میں بھرتی کیا، ہندوؤں کو نہیں لیا، اس پر ایک ”ہندو چوہدری“ نے اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، انگریز افسر نے کہا :

”تمہاری ہندو قوم نہایت بزدل ہے اس لئے ہم کسی ہندو کو فوج میں نہیں لیتے“

ہندو چوہدری نے جواب دیا :

”صاحب ! آپ کو غلط اطلاعات ملی ہیں، بہادری میں ہم کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں“

انگریز افسر نے کہا :

”ٹھیک ہے پھر امتحان کر لیتے ہیں کسی ہندو کو لاؤ“

چوہدری ہندوؤں میں سے سب سے بہادر ہندو کو خوب سمجھا بجھا کر اور

یہ کہہ کر لایا :

”دیکھنا ڈر نامت، پوری قوم کی عزت کا مسئلہ ہے“

افسر نے سامنے بٹھا دیا اور ایک فوجی سے کہا :

”احتیاط سے اس کی ٹوپی کو نشانہ نہ لگاؤ“

فوجی نے نہایت ٹھیک نشانہ مار کر ٹوپی گولی سے اڑادی اور ہندو اپنی جگہ

ٹھیک بیٹھا رہا، افسر حیران ہوا اور چوہدری بڑا خوش کہ ہماری قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

افسر نے کہا :

”اسے ٹوپی کی قیمت دیدو اور آئندہ ان کو فوج میں لیا کرو“

ہندو کانپتا روتا ہوا بولا :

”حضور دھوتی کی دھلائی بھی دیدو“

ڈر کے مارے کم بخت کا پاخانہ نکل گیا۔

لیکن آج کے مسلمان اسلحہ سے خوف اور اسے قابلِ نفرت سمجھنے کی وجہ سے ایسے ہو گئے کہ دھوتی کی دھلائی مانگنے والے بزدل ہندو بھی آج پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں، بے گناہ بچوں کو ذبح کر رہے ہیں، معصوم بچیوں کی عزت کو تار تار کر رہے ہیں، مساجد کو شہید کر رہے ہیں قرآن کو جلا رہے ہیں، تاریخ کا وہ بدترین ظلم ڈھارہے ہیں جو آسمان نے دیکھا نہ زمین نے، کیا ان حالات و حقائق سے کوئی عبرت حاصل کرنے والا ہے؟

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

جہاد فی بزدلی کا علاج

یہاں حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے جہاد افغانستان و کشمیر کے مجاہدین، دنیا کے مختلف ممالک کے غازی اور مشہور زمانہ کمانڈر تشریف لاتے ہیں، ان میں عام سرفروش مسلمانوں سے لے کر طلبہ، علماء و مشایخ سب ہی ہوتے ہیں اور بحمد اللہ سارا سال اسلام کے ان جانبازوں کا تانتا بندھا ہی رہتا ہے، یہ حضرات یہاں کے پہرے، اسلحہ اور تلاشی کے نظام کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے ہیں۔

اس دور کے عظیم گوریلا کمانڈر مشہور فاتح نامور عالم دین حضرت مولانا جلال الدین حقانی دامت برکاتہم بیسیوں کمانڈروں اور علماء کرام کے ہمراہ تشریف لائے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

”مجھے یہاں پہرہ اور اسلحہ دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے میں سرزمین شہدار
وارض جہاد افغانستان میں ہوں“

نیز فرمایا:

”مجھے یہاں بڑا لطف محسوس ہوا“

”حرکت الانصار“ کے مرکزی نائب امیر اول حضرت مولانا فضل الرحمن خلیل کا شکریہ

ادار کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے ایسی جگہ دکھائی یہ ان کا مجھ پر احسان ہے“

ایک مشہور عرب عالم نے جو جہاد میں متعدد بار حصہ لے چکے ہیں اور ایک عرب ملک کی کسی وزارت میں اعلیٰ عہدہ پر بھی فائز ہیں یہاں پہرہ، اسلحہ اور تلاشی دیکھ کر فرمایا :

”مجھے یہاں وہی لذت محسوس ہو رہی ہے جو جہاد کے اندر محاذ پر ہوتی ہے۔“

یہاں کے بعض محافظین کے بارہ میں یہ پیشین گوئی بھی کی :
 ”مجھے ان کے چہرہ سے شہادت کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔“
 چند روز قبل ”حرکت الانصار“ کے ایک سعودی عربی مجاہد حضرت والا کی زیارت کو تشریف لائے تو اسلحہ اور پہرہ دیکھ کر بے اختیار تڑپ گئے اور بسیا خستہ پکار اٹھے :
 واللہ ہکذا ینبغی للعلماء ما قام الدائن الا بالسلاح ولا یقوم ولن یقوم الا بالسلاح -

”اللہ کی قسم علماء کو یونہی رہنا چاہیے، دین نہ پہلے ہتھیار کے بغیر مستحکم ہوا نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہی آئندہ ہو گا۔“

فاتح خوست و گردیز حضرت مولانا جلال الدین حقانی کے ممتاز کمانڈر اور مشہور عالم جامعہ منبع الجہاد خوست کے مہتمم و رئیس حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب مدظلہم مولانا حقانی کے مایہ ناز استاد عظیم مجاہد شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب دامت فیوضہم شیخ الحدیث جامعہ منبع العلوم میران شاہ و زیرستان اور دیگر بعض بڑے بڑے علماء و مجاہدین تشریف لاکچے ہیں اور پہرے اور اسلحہ کا نظارہ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر چکے ہیں۔

پاکستان میں اہل حق اکابر کی نمائندہ تنظیموں کے تمام مرکزی قائدین یہاں تشریف لاکر پہرے کے نظام کو خوب خوب داد دے چکے ہیں۔
 خوشخبری :

الحمد للہ حضرت والا اور دیگر اکابر کی مسلسل کوششوں سے مجاہدین کی یہ تمام تنظیمیں مکمل طور پر متحدہ اور باہم منظم ہو چکی ہیں اس متحدہ عظیم عسکری قوت کا نام ”حرکت الانصار“ طے پایا ہے۔

کیا محافظینِ درباری (سُفادہ میں رکاوٹ ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۴:

حضرت مفتی صاحب محفظوں اور دربانوں میں ایسے گھرے رہتے ہیں کہ ان سے علمی یا عملی استفادہ ممکن نہیں، تلاشی و مسلح محافظین سے گزر کر بھی زیارت و ملاقات و استفادہ کی تمنا پوری نہیں ہو پاتی، کیونکہ نظم اوقات اور پابندی معمولات کا بہانہ بہر حال موجود رہتا ہے۔

جب اللہ نے علم و معرفت کی دولت عطا فرمائی تو اسے یوں دبا کر کیوں بیٹھے ہیں؟

یہ خیال سراسر باطل ہے

جواب:

یہ خیال سراسر باطل ہے کہ محفظوں اور دربانوں کے ہجوم کے باعث حضرت سے ملاقات، آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ ممکن نہیں۔

اس (عز) کے (اصل سبب کی صحیح نشان دہی

اس اعتراض کا اصل منشا کیا ہے؟ حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات میں بے شمار جگہوں پر اس پر مفصل و مبسوط کلام فرمایا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کا ادب و احترام دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔

① اقتدار و قوت

② محبت و عقیدت

علماء کے پاس اقتدار و حکومت تو ہے نہیں (جب تھا تو پوری دنیا جھک کر سلام کرتی تھی جیسا کہ آج بھی افغانستان میں اس کا مشاہدہ بخوبی کیا جاسکتا ہے جہاں اللہ نے علماء کو مسلح جہاد کی بدولت اقتدار عطا فرمایا ہے) محبت و عقیدت کا مدار دینداری، دیندار اہل علم و اہل اللہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کی جوتی کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ تصور کرتے ہیں، لیکن جو لوگ دینداری سے محروم ہوتے ہیں وہ اہل دین عیسائی

۸۶ ————— مسلح پہرہ

اہل علم و اہل اللہ کی محبت و عقیدت سے بھی یکسر محروم ہوتے ہیں، ایسے لوگ جب کسی عالم سے ملنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شیخ چلی کی طرح از خود یہ خیالی منصوبہ بنا کر چلتے ہیں :

”جیسے ہی ہم وہاں پہنچیں گے اولاً تو مولانا صاحب پہلے ہی ہمارے استقبال کو کھڑے ہوں گے ورنہ جیسے ہی ہماری تشریف آوری کا علم ہوگا فوراً بلاتا خیر کھانا، پینا، نیند، آرام، کام اور تمام ضروری دینی خدمات چھوڑ کر ہمیں خوش آمدید کہیں گے، بیٹھتے ہی فریج میں لگی ٹھنڈی بوتل پشیش کی جائے گی، ورنہ چائے تو ہر حال میں چلے گی پھر ہماری ہر معقول و نامعقول بات سنی جائے گی اور گپ شپ جو ہوگی وہ الگ۔“

عوام کا یہ خطرناک مزاج از خود نہیں بنا، مال و جاہ کے مریض بعض جعلی مولویوں اور نقلی پیروں نے اپنے مقاصد نکالنے کے لئے عوام کا مزاج بگاڑا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے :

”ایسے لوگ علماء سے ملنے آتے ہیں تو عقل کو گھر ہی میں رکھ کر آتے ہیں مگر جب عدالتوں، تھانوں، ہسپتالوں، سرکاری و غیر سرکاری دفاتر میں جاتے ہیں تو صحیح صحیح انسان بن کر جاتے ہیں، صرف افسران صاحبان کے طویل انتظار کا تحمل ہی نہیں چیرا سیوں کے نخرے بھی بصد خوشی برداشت کرتے ہیں اور ان کی ڈانٹ پر ”سر جی“ کہہ کر معذرت کرنے کو اپنے لئے فخر اور اسے تہذیب ترقی قرار دیتے ہیں۔“

نیز حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے :

”ایسے ہی کوڑھ مغزوں سے تنگ آکر میں نے ملاقات، زیارت و استفادہ کے لئے اصول بنائے ہیں، اگر میں ایسا نہ کروں تو یہ ظالم مجھے ایک بار بھی اللہ کا نام تک نہ لینے دیں۔“

حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی قدس سرہا ایسے لوگوں کو جو ان حضرات کے اصول کے مطابق چلنے کی بجائے اپنے اصول اور من مانی چلانے کی کوشش کرتے خالقہ سے نکال دیا کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ کا سب سے آموز و ارفع

ایک نواب صاحب نے جو دینداری میں بھی شہرت رکھتے تھے اپنے خاص سکرٹری اور ذریعہ کو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں یہ پیام دے کر بھیجا :

”میں حضرت والا کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں حضرت مجھ سے مل لیں۔“

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اول اول تو اعذار شریعہ کر دیئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف ہوں شاید آداب مجلس نہ بجا سکوں، اس پر وزیر صاحب نے کہا :

”حضرت ! نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ ہونگے۔“

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا :

”پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو انکی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں، اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں ان کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے۔“

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

”بہر حال نہ جانا تھا نہ گئے اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہا ہے۔“

(ادواح ثلاثہ ص ۲۴۱ ج ۱)

علماء حق کے خلاف

ہرزہ سرائی کرنے والے کا شرعی حکم

ایسے لوگوں میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا اگر کوئی شخص کسی عالم کے اصول میں خلل انداز کرے یا وقت نہ ملنے پر بد تمیزی و بد تہذیبی کا مظاہرہ کرے تو ایسا شخص واجب الاخراج ہی نہیں واجب التعزیر بھی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ

لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم دین کی توہین محض اس لئے کرتا ہے کہ یہ عالم دین ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کر کے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے اور اسے جلاوطن کرنا چاہئے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔
یہ مسئلہ کتب ذیل میں مصرح ہے۔

- | | | |
|-------------------------|---------------------------|----------------------------|
| ① المحيط | ② الفتاویٰ البزازیة | ③ تبیین الحقائق |
| ④ البحر الرائق | ⑤ الاشباہ والنظائر | ⑥ حاشیۃ البیڑی علی الاشباہ |
| ⑦ شرح الكنز لابن الضیاء | ⑧ منیۃ المفتی | ⑨ مجموع النوازل |
| ⑩ الخزانة | ⑪ عمدۃ الاسلام | ⑫ روضة العلماء |
| ⑬ البریقة المحمودیة | ⑭ تنقیح الفتاویٰ الحامدیة | ⑮ الوهبانیة |
| ⑯ الحاوی القدسی | ⑰ الفتاویٰ الخیریة | |

(البریقة المحمودیة ص ۹۲ ج ۳، تنقیح الفتاویٰ ص ۱۰۱ ج ۱، الفتاویٰ الخیریة ص ۲۳۵ ج ۲)

مذکورہ بالا کتب میں سے بعض میں تو یہاں تک ہے :
”غیر عالم کے لئے جائز نہیں کہ وہ اہل علم کے درمیان بیٹھے کیونکہ یہ بھی علم و اہل علم کی بے ادبی و گستاخی ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو حاکم پر لازم ہے کہ اسے بزور اس بے ادبی سے روکے، اور اگر عالم سے بلند اور افضل جگہ پر بیٹھ گیا اور یہ حرکت اس سے علماء کی عظمت و وقعت نہ ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئی تو یہ شخص کافر ہو گیا، بیوی نکاح سے نکل گئی اور اگر دل میں تحقیر نہیں یونہی مزاح کے طور پر بلند جگہ پر بیٹھ گیا تو گو کفر نہیں تاہم اسے تعزیر پھر بھی لگائی جائے اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے“
(تنقیح الفتاویٰ للعلامة ابن عبدین رحمہ اللہ ص ۱۰۱ ج ۱)

===== علماء کے خلاف =====

ہر وہیگز کرنے کی دوسری وجہ

چونکہ ایسے لوگوں کا علماء کے دروازوں پر غرور اچھی طرح پامال ہوتا ہے اور

آپریشن سے مادہ فاسدہ خوب خارج ہوتا ہے اس لئے وہ علماء کو طرح طرح بدنام کر کے انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے پاس سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے لئے اس عنوان کے سوا کوئی حربہ نہیں بنتا کہ علماء عوام کو وقت نہیں دیتے، حالانکہ ذرا سی عقل رکھنے والا یہ جان سکتا ہے کہ علماء کا سارا وقت عوام ہی کی خدمت میں گزرتا ہے، وعظ، تصنیف، تالیف، افتار، تدریس، تزکیہ نفس وغیرہ خدمات سے زمانہ حال ہی کے نہیں تا قیامت عوام و خواص مستفید ہوتے ہیں، علماء کا پورا وقت عوام ہی کے لئے تو ہوتا ہے۔

یہ حضرات سونا اور آرام بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ صحت و قوت کے ساتھ تازہ دم ہو کر پھر مسلمانوں کی خدمت کریں گے اسی لئے علماء کی نیند بھی عبادت ہے،

اوقات میں نظم و ضبط اور دروازوں کی وسعت

پھر ہر کام سلیقہ، طریقہ اور نظم و ضبط کے ساتھ انجام دینا نہ صرف عقلاً لازم ہے شرعاً بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

”اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو“

گھروں میں دروازوں سے دخول کے حکم سے ثابت ہوا کہ ہر کام سلیقہ اور اس کے خاص طریقہ سے کرنا لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام کام نظم کے ساتھ کرتے تھے، چنانچہ جامع ترمذی کی روایت ہے۔

قال الحسين فسألت ابی عن دخول رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كان اذا اوى الى منزله جزاً دخوله ثلثة اجزاء جزء لله عز وجل وجزء لاهله وجزء لنفسه ثم جزاً جزءه بينه وبين الناس فيرد ذلك بالخاصة على العامة لا يداخر عنهم شيئاً وكان من سيرته في جزء الامة ايشار اهل الفضل باذنه وقسمه على قدر فضائهم في الدين (شمائل الترمذی ص ۵۹۴) ماجلہ فی تواضع رسول الله صلى الله عليه وسلم

مسلم پرہ ۹۰

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات دریافت کئے، انھوں نے فرمایا کہ جب آپ گھر میں ہوتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں بانٹ لیتے تھے، ایک حصہ اپنے رب کی عبادت کے لئے، دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے، تیسرا اپنے لئے، پھر اپنے حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما لیتے، پھر لوگوں کے حصہ کو خواص کے ذریعہ عوام پر صرف فرماتے (یعنی خواص ہدایات و ارشادات نبویہ باہر جا کر عوام کو بتاتے) اور آپ کی سیرت طیبہ یہ بھی تھی کہ امت کے حصہ میں آپ اہل فضل و کمال کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔“

اسی نظم و ضبط کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بوقت ضرورت محافطین کے علاوہ حاجب اور دربار بھی رکھے (اس پر عنقریب روایات آ رہی ہیں)

پس اگر کوئی شخص پوری امت سے وابستہ دینی دائمی اجتماعی و انفرادی خدمات میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے تنبیہ نہ کرنا مروت نہیں کفرانِ نعمت ہے اور اس منصبِ عظیم کی ناقدری اور مداخلت ہے۔

حضرت والا سے (استفادہ کی ہزارہا صورتیں)

جن کے قلوب اہل اللہ و اہل علم کی محبت و عظمت سے سرشار ہیں ان کے لئے حضرت والا کی زیارت تو روزانہ پانچ بار مسجد میں ہو ہی سکتی ہے، استفادہ ظاہر و باطن کی بھی درجن سے زائد صورتیں ہیں جن کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں تشنگانِ علم و عمل پیاس بجھا رہے ہیں اور اس نعمت پر بصد ہزار بار حضرت کے منوں احسان مند ہیں۔

- ① جمعرات چھوڑ کر روزانہ آدھا گھنٹہ وعظ، اس میں ہر شخص بیٹھ سکتا ہے، حضرت والا اور سامعین کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔
- ② جمعہ کے روز عصر کے بعد سے مغرب تک طویل وعظ ہوتا ہے جس میں

عوام و خواص علماء و طلبہ کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔
 (۳) جمعہ کے روز مغرب کے بعد متصل تقریباً پون گھنٹہ علماء و طلبہ کے لئے دفتر میں مجلس ہوتی ہے، اسمیں کوئی بھی عالم اور کوئی بھی طالب علم آ سکتا ہے۔
 حضرت والا ہر آنے والے سے مصافحہ فرماتے ہیں، پھر نام، مقام اور مصروفیت دریافت فرماتے ہیں، ہجوم مشاغل و کثرت متعلقین کی وجہ سے نام و مقام و مصروفیت بار بار پوچھنے کے باوجود یاد نہیں رہتے، علاوہ ازیں یاد نہ رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یاد رکھنا مقصود ہی نہیں، محض اظہار محبت، دلجوئی اور تطیب قلوب کی خاطر اس معمول کو ہر حال میں ادا فرماتے ہیں۔

اس مجلس میں حضرت والا سے سوالات کی بھی اجازت ہے۔
 (۴) ہفتہ کے روز عصر کے بعد عوام متعلقین کے لئے دفتر میں نشست ہوتی ہے، اس میں بھی حضرت والا کا واردین کے ساتھ وہی معمول ہے جو نمبر ۳ میں گزرا، یہ نشست اگرچہ عوام متعلقین کے لئے ہے تاہم اس میں علماء کرام و طلبہ بھی شرکت کر سکتے ہیں۔
 (۵) جمعہ کے سواروزانہ نصف گھنٹہ صبح پونے گیارہ بجے سے سوا گیارہ بجے تک دفتر میں تشریف رکھتے ہیں، اس میں دارالافتاء والا ارشاد کے مفتیان کرام، اساتذہ، تخصص اور دوسرے درجات کے طلبہ اور خاندانہ میں اصلاح کے لئے قیام کرنے والے حضرات کے علاوہ باہر کے علماء، طلبہ اور خاص متعلقین بھی شرکت کرتے ہیں۔

یہ مجلس اصلاً تو آدھے گھنٹے کی ہوتی ہے مگر باہر سے زیارت و ملاقات کے لئے آنے والے علماء کرام یا مجاہدین کی وجہ سے بسا اوقات گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک طویل ہو جاتی ہے۔

(۶) روزانہ دن میں دو مرتبہ ٹیلیفون پر پابند ہو کر بیٹھتے ہیں۔

صبح : ۹ ۱/۲ سے ۱۰ ۱/۲ تک

رات : ۹ ۳/۴ سے ۱۰ ۱/۲ تک، جمعہ چھٹی

اس میں کوئی بھی شخص حضرت والا سے فون پر بالمشافہہ بلا واسطہ بات کر سکتا ہے۔
 حضرت والا ان اوقات کے لئے خود کو نہایت اہتمام سے فارغ رکھتے ہیں اور

منسلح پہرہ

شاذ و نادر ہی ناغہ ہوتے دیتے ہیں، اور عموماً اس ناغہ کا سبب بھی وہ ضرورت مند عوام یا علماء کبار مجاہدین ہوتے ہیں جن سے عام معمول سے ہٹ کر ملنا ضروری ہوتا ہے جو معمولات میں تقدم و تاخر کا باعث بن جاتا ہے۔

④ عصر سے ایک گھنٹہ قبل عوام و خواص دارالافتار والارشاد میں پہنچ کر مسائل دریافت کر سکتے ہیں، اس کے لئے حضرت والا دوسرے مشاغل کی وجہ سے بذات خود نہیں بیٹھ سکتے اس لئے یہ کام دارالافتار والارشاد کے مفتیان کرام کے ذمے لگا دیا ہے۔

⑤ اگر مسئلہ کی پیچیدگی، اہمیت، نوعیت یا کسی اور وجہ سے دارالافتار والارشاد کے مفتیان کرام سائل کو حضرت والا سے ملنا مناسب یا ضروری سمجھیں تو سائل کو صبح پونے گیارہ بجے کی مجلس میں بلا لیا جاتا ہے، جس میں حضرت والا سے رو برو بات ہوتی ہے۔

⑥ ہر شخص بذریعہ تحریر مسئلہ شرعیہ معلوم کر سکتا ہے۔ البتہ ملک و بیرون ملک آنے والے بشمار استفتاءات کے ہجوم کی وجہ سے فوری جواب ممکن نہیں ہوتا، دس یا پندرہ دن اور کبھی اس سے بھی زیادہ دیر لگ جاتی ہے، جواب نمبر سے دیا جاتا ہے ہاں ضرورت شدیدہ اور مجبوری الگ چیز ہے۔

⑦ اصلاحی تعلق رکھنے والے احباب کو بتائے گئے معمولات میں سے ایک نہایت اہم معمول ”مکاتبت“ ہے جس میں وہ اپنے دینی حالات و امراض و عیوب کی اطلاع دے کر نسخے لیتے ہیں، یہ ڈاک بھی اتنی کثیر مقدار میں ہوتی ہے کہ ایک خط کے جواب کا نمبر کم از کم دس دن بعد آتا ہے یہاں بھی ضرورت شدیدہ اور مجبوری مستثنیٰ ہے۔

⑧ اصلاحی تعلق رکھنے والے حضرات کے علاوہ بھی کوئی بھی شخص دینی دنیوی حاجت کی دعا کیلئے، تعویذ کے لئے یا نجی حالات میں استشارہ کے لئے خط لکھ سکتا ہے، اس کا جواب بھی ترتیب سے دیا جاتا ہے نمبر ”۱۰“ اور نمبر ”۱۱“ کا استثناء یہاں بھی ہے۔

⑨ جو لوگ خلوت میں بات کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اگر ان کے کام کی نوعیت سے خلوت کی ضرورت ثابت ہو جائے تو حضرت والا خلوت میں بھی وقت عنایت فرماتے ہیں، لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

⑩ عصر کے بیان کے بعد ایک مولوی صاحب اہل حاجات کو حضرت والا

کا تعویذ دیتے ہیں، یہ تعویذ عصر و مغرب کے درمیان ہی دیا جاتا ہے دوسرے اوقات میں نہیں تاکہ دین اور عامۃ المسلمین کی دوسری اہم خدمات میں خلل واقع نہ ہو، جمعرات جمعہ کو تعویذ دینے کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہر حاجت اور ہر مرض کے لئے ایک ہی تعویذ دیا جاتا ہے اس لئے حالات و حاجات بتانے اور سننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(۱۴) اگر کسی کو اچانک شدید ضرورت پیش آگئی تو ایسی ہنگامی حالت (ایمر حبشی) میں دوسرے معمولات کا حرج کر کے بھی اسے وقت دیا جاتا ہے۔

(۱۵) مذکورہ بالا معمولات و اوقات سے دو قسم کے حضرات مستثنیٰ ہیں

① علماء کرام و مشایخ عظام ② مختلف جہادی تنظیموں کے قائدین

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں :

”ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے، مجھ سے فرمانے لگے :

سنائے کہ آپ نے فون کے اوقات متعین کر رکھے ہیں دوسرے اوقات میں آپ فون پر بات نہیں کرتے۔

میں نے کہا :

”وہ تو عوام کے لئے ہے، علماء کے لئے تو کوئی پابندی نہیں آپ نے

کبھی تجربہ کیا کہ آپ نے فون کیا اور اس طرف سے انکار ہوا ہو، علماء کے لئے

نہ فون پر پابندی نہ بالمشافہہ بات پر پابندی، ان کے لئے دروازے کھلے ہیں

دارالافتاء کے دروازے بھی کھلے ہیں اور دل کے دروازے بھی کھلے ہیں،

جب چاہیں تشریف لائیں، کوئی تجربہ تو کرے یہاں جو علماء تشریف

لاتے ہیں وہ اور دوسرے حضرات اس بات کو خوب یاد رکھیں لوگوں نے

یہاں پر پابندی کی بہت تشہیر کر رکھی ہے، لوگ جو بات اڑا دیتے ہیں

پھر کچھ نہ پوچھئے بلا تحقیق ہی اس پر اعتماد کر لیا جاتا ہے“

(وقت کی قیمت صفحہ ۶)

حضور اکرم ﷺ کا بوقت ضرورت دربان مبعین فرمانا

حدیث و تاریخ سے یہ بات آفتاب نیروز کی طرح عیاں ہے اور قرن قیاس

بھی ہے کہ شروع زمانہ میں افراد کی قلت، حاجات کی قلت، اور معاملات کی قلت کے ساتھ آپس کے اختلافات و نزاعات، فتنہ و فساد نہیں تھے، نیز عام لوگوں میں سلامت طبع و سلامت فہم، سادگی و سچائی تھی، دین سے محبت اور قلوب میں اہل دین کا نہایت ادب و احترام تھا جس کی وجہ سے عامۃ المسلمین بلکہ عوام الناس بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلوت دینی خدمات، عبادات اور امور سلطنت میں دخیل نہیں ہوا کرتے تھے، کوئی بہت ہی ضروری بات یا کام ہوا تو مختصر ملاقات کر لی۔

(فتح الباری صفحہ ۱۱۸ جلد ۱۳)

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۹، جلد ۲)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں :

”ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرائے تو ہمیں علم حاصل ہو، کیونکہ ہم زیادہ سوالات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

”میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر لوگ نہیں دیکھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال تک کل تیرہ مسئلے پوچھے جو قرآن میں منقول ہیں۔ یہ لوگ کام کی بات ہی پوچھا کرتے تھے“ (ادب الفتی السیوطی صفحہ ۵۵)

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”اگر آج کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو سارا قرآن ”یسألونک“ (یعنی سوالات) سے بھرا ہوتا۔

(ادب الفتی صفحہ ۵۲)

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت و ملاقات روزانہ مسجد میں پانچ بار ہر مسلمان کو ہو جاتی تھی اس دوران بلا واسطہ کوئی بھی شخص بات کر سکتا تھا، اس کے علاوہ بھی دوسرے عام اوقات

جن میں یہ حضرات عوام الناس کے لئے مسجد میں نشست فرماتے بالعموم سامنے کوئی دربان نہ ہوتا، اہل حاجات و مقدمات سیدھے آتے اور اپنی حاجت و مقدمہ پیش کرتے۔

لیکن یہ بھی بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ بوقت ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظین کے علاوہ دربان بھی رکھے۔

محدثین کہتے ہیں کہ جن روایات میں دربان رکھنے کی نفی ہے اس سے وظیفہ دار تنخواہ دار دربان مراد ہے، یا یہ کہ دربان رکھنے کا دائمی معمول نہ تھا (فتح الباری صفحہ ۳۰ جلد ۲، صفحہ ۱۱۷ جلد ۱۳) جیسا کہ بعد میں خلفاء راشدین و عادلین حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ و دیگر خلفاء مسلمین کا معمول رہا مطلقاً دربان کی نفی نہیں، کیونکہ :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور محافظین کے بارے میں مفصل نصوص گزر چکی ہیں، محافظ دربان ہی تو ہوتا ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا دربان محافظ ہی ہے، ان تمام روایات سے دربانی کا مسئلہ کلاً یا جزراً واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

② علاوہ ازیں متعدد روایات صحاح میں دربان رکھنا منصوص بھی ہے :

ففي صحيح البخاري من حديث عمر بن الخطاب (رضي الله عنه) (قال) فجئت المشربة التي فيها النبي صلى الله عليه وسلم فقلت لغلام له اسود استأذن لعمر فدخل الغلام فكلّم النبي صلى الله عليه وسلم ثم رجع فقال كلمت النبي صلى الله عليه وسلم وذكرتك له فصمت فأنصرفت حتى جلست مع الرهط الذين عند المنبر ثم غلبني ما أجد فجئت فقلت للغلام استأذن لعمر فدخل ثم رجع فقال قد ذكرت لك له فصمت فرجعت الخ

(صحيح بخاري ص ۷۸۱ ج ۲)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں کہ آپ امہات المؤمنین

سے کچھ ناراض ہو کر الگ جگہ رہائش پذیر تھے جائے قیام کے دروازہ پر ایک

جہشی غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو دربان متعین فرمایا ایک روز حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے دربان کے ذریعہ دو مرتبہ حاضری کی اجازت چاہی۔

مسلم پیرہ ۹۶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تیسری مرتبہ اجازت مرحمت فرمادی :
 وفي صحيح البخاري ايضا من حديث ابي موسى الاشعري رضي الله عنه قال فاذا
 هوى رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس على بئر اريس وتوسط قفرها وكشف
 عن ساقيه ودلاهما في البئر فسلمت عليه ثم انصرفت فجلست عند الباب
 فقلت لا كونن بواب رسول الله صلى الله عليه وسلم اليوم فجاء ابو بكر فرفع
 الباب فقلت من هذا فقال ابو بكر فقلت على رسلك ثم ذهبت فقلت يا رسول الله!
 هذا ابو بكر يستأذن فقال ائذن له وبشرة بالجنة (الى) فاذا انسان يحرك
 الباب فقلت من هذا فقال عمر بن الخطاب فقلت على رسلك ثم حثت الى
 رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلمت عليه فقلت هذا عمر بن الخطاب يستأذن
 فقال ائذن له وبشرة بالجنة (الى) فجاء انسان يحرك الباب فقلت من هذا
 فقال عثمان بن عفان فقلت على رسلك فجئت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فاخبرته فقال ائذن له وبشرة بالجنة على بلوى تصيبه الخ

(صحيح بخاري ص ۵۱۹ ج ۱)

وفي رواية اخرى للبخاري ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل حائطا و

امرني بحفظ باب الحائط الخ (صحيح بخاري ص ۵۲۲ ج ۱)

وفي صحيح ابي عوانة وفي مسند الروياني فقال يا ابا موسى املك على الباب

(فتح الباري ص ۳۰ ج ۷)

وعند الترمذي فقال لي يا ابا موسى املك على الباب فلا يدخل علي احد

(جامع الترمذي ص ۵۳۲)

» حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، میں
 بھی حاضر ہوا سلام کیا، میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ آج تو دریانی کاشف
 ضرور میں ہی حاصل کروں گا، اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 خود ہی دروازہ کی حفاظت پر مجھے مامور فرما دیا اور تاکید فرمایا :
 » دروازہ کے مالک آج آپ ہیں دیکھنا (بلا اجازت) کوئی بھی اندر آنے نہ پائے«

میں دروازے پر (خوش و خرم) بیٹھ گیا، ایک صاحب نے دروازے پر دستک دی، میں نے پوچھا کون؟ کہا: ابو بکرؓ میں نے کہا: ٹھہرو (میں پوچھ کر بتاتا ہوں) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ابو بکرؓ دروازے پر حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، فرمایا انھیں اجازت دے دو اور ساتھ میں جنت کی بشارت بھی، پھر حضرت عمرؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما وقفہ وقفہ سے آئے ان کو بھی اسی طرح روک کر اجازت اور جنت کی بشارت دی گئی۔

اخرج الامام ابوداود عن نافع بن عبد الحارث الخزاعي قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم حائطاً من حوائط المدينة فقال لبلال امسك على الباب فجاء ابو بكر الخ
(فتح الباری ص ۳۱ ج ۷)
”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور حضرت بلال سے فرمایا:

”مجھ پر دروازہ بند رکھو (یعنی کسی کو آنے نہ دو)“

اخرج الترمذی وابن ماجه واحمد عن علي رضي الله عنه قال جاء عمار بن ياسر يستأذن على النبي صلى الله عليه وسلم فقال اذن نواله مرحبا بالطيب المطيب، قال الترمذی حدیث حسن صحیح (جامع الترمذی ص ۵۲۲، سنن ابن ماجه ص ۱۴، مسند احمد ص ۱۰۰ ج ۱)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے حاضری کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربانوں سے فرمایا عمار کو آنے دو، آپ نے عمار کو طیب و مطیب یعنی طاہر و مطہر قرار دیا اور خوش آمدید فرمایا“

اخرج الامام البخاری عن مالك بن اوس (الی) فبینما ان اجالس عند (عمر) اتاه حاجبه یرفاً فقال هل لك في عثمان وعبد الرحمن بن عوف والزبير وسعد بن ابی وقاص يستأذنون قال نعم الخ

(صحیح بخاری ص ۴۳۶ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

”حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ کے دربان یرفانے آکر عرض کیا کہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اندر آنا چاہتے ہیں انھیں آنے دوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں آنے دو۔“

قال الحافظ ابن حجر: ”حاجبہ ای عثمان حمران“

(تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۳)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربان حمران بن ابان تھے تابعین میں یہ بڑے درجہ کے محدث اور زبردست عالم تھے“

و یجب علیہما قنبر و احیانا بشر (تہذیب)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربان قنبر ہوتے تھے اور کبھی کبھی بشر بھی“

فلما دفن عمر جمع المقداد اهل الشوری ب (الحی و) امروا باطلحة ان یحببہم وجاء عمرو بن العاص والمغیرة بن شعبه فجلسا بالباب فحبسہما سعدا واقامہما۔ (الکامل لابن الاثیر ص ۶۸ ج ۳)

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت کے وقت نئے خلیفہ کے چناؤ کا اختیار چھ حضرات کو دیا تھا جب ان چھ کی مجلس شوری شروع ہوئی تو انھوں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر دربان متعین فرما دیا۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بھی دروازہ پر آکر بیٹھ گئے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وہاں سے واپس فرما دیا۔“

ولما قدم عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ الشام وحدا معاویة رضی اللہ عنہ قد اتخذ حاجبا ومراکب والملا بس النقیسة سألہ عن ذلک فقال له انا فی ارض نحن فیہا محتاجون لهذا فقال عمر لا امرک ولا انہاک
(التراثیب الاداریة للمکتانی ص ۲۶، الطبری ص ۳۳۱ ج ۵)

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ !

حضرت اقدس درست برکاتہم کے (فاضلات و افادات حضرت ہی کی توجہ و برکت و عشاء اور آپ کی راہنمائی میں قلمبند کئے گئے، اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو حضرت وللا اور اکابر کے لئے صدقہ جاریہ اور امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ بنائے اور اسے تعصب، ضد اور حسد سے بالا تر ہو کر پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، انگریز ملعون اور اس کے پٹھے قادیانی منحوس نے مسلمانوں کے قلوب سے جذبہ جہاد، اسلحہ سے محبت اور شجاعت کھرچ کر دلوں میں جہاد اور اسلحہ سے نفرت اور بزدلی و ذلت بھری تھی، اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کی برکت سے تمام مسلمانوں کو انگریز و قادیانی دجال کے زھر سے پاک و صاف کر دے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

عبدالرحیم

نائب مفتی دارالافتاء و الارشاد

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ



دار الافتاء والارشاد

میں

مسلم پھر قابلِ ستائش یا ہدایتِ تنقید؟

تحریر مولانا محمد مسعود (ظہر صاحب)

مرکزی ناظم اعلیٰ "حرکت الفضل" و مدیر اعلیٰ ماہنامہ "صدائے مجاہد" اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے :

”اے ایمان والوں صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور (اسلام اور

حدود اسلام کی حفاظت میں) لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم

اپنی مراد کو پہنچو“

آیت کریمہ میں ”صابروا“ سے مراد یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ اور ”رابطوا“ کے معنی اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے بھی دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔

آیت سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو جب کافروں سے خطرہ ہو تو وہ میدان چھوڑ کر نہ بھاگیں اور نہ ہی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی طرح اپنے رسول سے یہ کہیں :

”تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں“

بلکہ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں اور اپنے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھیں تاکہ کوئی کافران کی طرف میلی نگاہ سے بھی نہ دیکھ سکے۔ اسی میں اسلام کی شوکت ہے اسی میں مسلمانوں کا تحفظ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مشرکین مکہ

نے مدینہ منورہ کے منافقین عبداللہ بن ابی وغیرہ کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جانی نقصان پہنچانے کی سازش کی اور عبداللہ بن ابی کو اس سلسلے میں خطوط بھی لکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حفاظتی اقدامات فرمائے۔

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات راتوں کو جاگتے رہتے اور ہر وقت چوکنا رہتے

تھے (رواہ النسائی (فتح الباری ص ۶ ج ۶)

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلح رہتے تھے اور حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ نے ایک مرتبہ رات کے وقت ایسی آواز سنی جس سے ان پر خوف طاری ہو گیا وہ سب اس آواز کی طرف نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آگے تھے اور آپ ہی نے اس واقعہ کی تحقیق فرما کر لوگوں کو تسلی دی۔ اس وقت آپ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے اور آپ کی گردن مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۰۷ جلد ۱)

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات دن مسلح رہتے تھے اور اسلحے کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے تھے جیسا کہ مسند داری کی روایت میں ہے :

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو ٹھکانا دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ان حالات میں صحابہ کرام رات دن اسلحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے“

④ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہرہ دیا کرتے تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمنا فرماتے تھے کہ کوئی صالح مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر پہرہ دے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود جاگتے رہتے تھے اور جب کوئی پہرہ

کے لئے آجاتا تو آپ آرام فرماتے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۶، جلد ۱)
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح سے جاگنا اور چوکتا رہنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہر وقت مسلح رہنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پہرہ دینا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پاس اسلحہ رکھنا یہ سب کچھ اس لئے نہیں تھا کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) نفع نعوذ باللہ) کافروں سے ڈرتے تھے یا بزدل تھے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۵، ۱، نور الیقین ص ۲۷۷)
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو بزدلی سے اس طرح پناہ مانگتے تھے جس طرح کفر اور شرک سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری صفحہ ۳۹۶، جلد ۱)
 حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بزدلی کو بہت بڑا عیب اور بیماری سمجھتے تھے، اسی لئے ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میں بزدل ہوں اور زیادہ سونے کا عادی ہوں آپ میرے لئے دعا فرما دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان سے بزدلی کا مرض جاتا رہا۔

(خصائل نبوی صفحہ ۱۳۲)

سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی اور بخل کو مرد کے لئے بدترین عیب قرار دیا۔

اس لئے یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل (اسلحہ ساتھ رکھنا، پہرہ دینا) بزدلی کی وجہ سے تھا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہ اعمال اس وجہ سے بھی (نعوذ باللہ) نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد نہیں تھا۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کا ایمان ہو سکتا ہے اور آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی گواہی تو خود قرآن مجید دیتا ہے اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی طرح ہونا چاہئے۔ پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان تو اتنا اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کے ایمان تک نہ کوئی نبی اور رسول پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کیوں اٹھایا؟ اپنے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مسلح پہرے کیوں بٹھائے؟ میدان جنگ میں جسم مبارک پر دو دوزرہیں کیوں باندھیں؟ سر مبارک پر جنگی ٹوپی (خود) استعمال کیوں فرمائی؟

ایسے وقت میں کیا کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلحہ تو شان نبوت کے خلاف تھا جس طرح آج علماء کی شان کے خلاف ہے (نعوذ باللہ) پہرہ تو توکل اور بھروسے کے خلاف تھا (نعوذ باللہ) جسم پر دو دوزرہیں باندھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان میں کمزوری کی وجہ سے تھا (نعوذ باللہ)

بلکہ ایسے موقع پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے لئے آپ نے یہ حفاظتی تدابیر فرمائیں۔

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم مبارک پر دوزرہیں اس لئے باندھیں تاکہ امت کو اپنی حفاظت کی اہمیت اور طریقہ سکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر لوہے کی ٹوپی اس لئے رکھی تاکہ امت اپنے سر کی حفاظت سے غافل نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ اس لئے اٹھایا تاکہ کافر مسلمانوں کو لقمہ تر نہ سمجھیں بلکہ ہر وقت مسلمانوں سے مرعوب رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری اس لئے فرمائی کہ آپ اور آپ کا دین دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں آئے بلکہ دنیا سے کفر اور شرک کو مٹانے کے لئے آئے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”اور میرا نام ماحی (مٹانے والا) ہے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے

کفر کو مٹایا ہے۔

ویسے بھی دنیا کا عام اصول ہے کہ قیمتی اشیاء کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں جنہیں کوئی بھی معیوب نہیں سمجھتا، لوگ سونے چاندی کی حفاظت کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں بلکہ اورتوا اور اپنی جوتی کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر استعمال کرتے ہیں، عام طور پر مالیاتی اداروں کے باہر مسلح چوکیدار کھڑے نظر آتے ہیں جنہیں کسی نے بھی برا نہیں سمجھا، گھروں اور موسیوں کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جاتے ہیں، خود شریعت مطہرہ نے بھی اس کی اجازت دی کہ مال موسی کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جائیں، گھر کی حفاظت کے لئے دیوار اور دروازے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ زنجیریں اورتالے اور چوکیاں بھی رکھے جاتے ہیں۔

جب دنیا کی گھٹیا چیزوں (سونے چاندی مال موسی کی حفاظت ایک مستحسن بلکہ ضروری امر سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دین اور اس دین پر چلنے والے مسلمان اور اس دین کے رہبر علماء تو ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان اور مال اور آبرو کو حرمت عطا فرمائی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کے لئے محکم قوانین جاری فرمائے ہیں۔

تو کیا دین جیسی قیمتی چیز اور مسلمان جیسے قیمتی فرد کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو حفاظت کے لئے بھی ایسے محکم قوانین نازل فرمائے ہیں کہ اگر مسلمان ان قوانین اور احکام پر عمل کریں تو کسی کافر کو آنکھ اٹھا دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا تذکرہ فرمایا، تاکہ مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا دشمن کون ہے اور ان کا دوست کون؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دشمنوں کی دشمنیوں کی ترتیب تک بیان فرمائی کہ بڑا دشمن کون ہے اور چھوٹا دشمن کون، اور ان دشمنوں کے عزائم بھی بتائے اور ان کا طریقہ واردات بھی ذکر فرمایا، اس سلسلے میں آیات تو بہت زیادہ ہیں چند آیات بطور نمونے اور مثال کے ملاحظہ فرمائیے:

”آپ یہودیوں کو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن پائیں گے اور مشرکوں کو۔“

(مائدہ آیت: ۸۲)

”اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تمہارے دین سے تم کو پھیر دیں اگر اس کی طاقت رکھیں۔“

(بقرہ آیت: ۲۱۷)

”اے ایمان والو! بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں (مسلمانوں) کے سوا، وہ (کافر) کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، تمہاری دشمنی ظاہر ہو رہی ہے ان کی زبان سے اور جو کچھ چھپا ہوا ہے ان کے دلوں میں وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔“

(آل عمران آیت: ۱۸)

اس موضوع پر قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں مقصد ان سب کا مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں سے آگاہ کرنا ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ کافروں کو اسلام اور مسلمان کسی حالت میں گوارا نہیں، ان کی کوششوں کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی جو کوششیں کی گئیں ان کے ذکر کے لئے بھی ایک دفتر چاہئے۔ اجتماعی اور انفرادی حملوں کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کئی کوششیں ہوئیں۔ زہر دے کر شہید کرنے کی ناپاک سازش بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شیخون مارنے کے لئے جنگی کیمپ بھی وجود میں آئے، گھوڑوں کو بھی پال کر موٹا کیا گیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سازش پر کڑی نظر رکھی اور ہر فتنے کو اٹھنے سے پہلے دبا دیا۔

کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صرف کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں اور ہتھکنڈوں ہی کو بیان نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کو ایسی ہدایات بھی عطا فرمائیں جن پر عمل کر کے وہ کافروں کے مکر و فریب سے بچ سکتے ہیں بلکہ ایسی ہدایات عطا فرمائیں جن پر مسلمان عمل پیرا ہو کر کفر اور شرک کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے لئے ترنوالہ بنا کر نہیں چھوڑا بلکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کے تمام راستے بند کر دیئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو دنیا میں تمام ادیان پر غالب کرنے کیلئے بھیجا ہے اور یہ غلبہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس دین پر عمل کرنے والے اور اس دین کے نام یووا

محفوظ رہوں اور مضبوط ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے صرف غلبے اور سر بلندی کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ اس اعلان کے ساتھ ساتھ انھیں غلبے اور سر بلندی کے راستوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے اور کفار سے نمٹنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ وہ کافروں سے اپنی حفاظت (اپنے دین، اپنی جان، اپنی آبرو) کو ہمیشہ مقدم رکھیں۔ اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں بات سمجھنے کے لئے صرف ”صلوۃ الخوف“ ہی کو لے لیجئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم نہیں دیا کہ تم نماز میں کافروں سے بے فکر ہو کر میرے سامنے کھڑے رہو میں تمہاری حفاظت کروں گا بلکہ حکم دیا کہ جب نماز میں کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو نماز کے دوران اسلحہ اٹھائے رکھو اور زور رہیں باندھے رکھو، جہاں کافروں سے لڑائی ہو رہی ہو وہاں ایک جماعت امام کے پیچھے رہے وہ بھی مسلح رہے، پھر یہ جماعت آدھی نماز پڑھ کر میدان میں کافروں کا مقابلہ کرے اور دوسری جماعت آکر نماز پڑھے پھر ان کے بعد پہلی جماعت آکر اپنی نماز مکمل کرے۔

ذرا غور فرمائیے نماز جیسی اہم عبادت جو دین کا ستون ہے اس میں بھی حفاظت کا یہ بہترین بندوبست فرما دیا۔ حالانکہ نماز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے قرب اور کہاں ہو سکتا ہے مگر اس قرب اور مناجات کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اسلحے سے غافل نہ ہوں اور اپنے تحفظ کا بندوبست کر کے رکھیں اور کافروں کو کسی قسم کی کارروائی کا موقع نہ دیں، اسکے لئے انھیں اجازت دی کہ وہ نماز میں چلیں پھر کافروں کو قتل کریں مگر ان کی نماز نہیں ٹوٹی کیونکہ یہ سارے افعال (چلنا پھرنا جنگ کرنا کافروں کو قتل کرنا) بھی عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم۔

اس لئے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

”صلوۃ الخوف“ کی آیت میں اللہ رب العزت نے کافروں کی ایک خواہش اور ان کے ایک مکر کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ :

”اور (نماز میں) ساتھ رکھیں اپنا بچاؤ اور ہتھیار، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح

تم بے خبر ہوا اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔“

(نساء آیت: ۱۰۲)

یہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ کافر مسلمانوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ کب یہ اسلحہ سے

غافل ہوں اور کافران پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ تو کافروں کی خواہش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے ارشاد باری تعالیٰ :

”اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ دے

جرط کافروں کی“ (انفال آیت : ۷)

یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان کافروں سے ٹکرائیں اور وہ ان کی نصرت کر کے حق کے سچا ہونے کو ایسا ثابت کر دے کہ ہر کسی کو اقرار کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو بغیر ٹکراؤ کے بھی حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما دے مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس کے حکم پر اسلحہ تھام کر میدان میں نکل کر بڑے دشمن سے ٹکراتے ہیں کہ نہیں، پھر جب مسلمان اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اور کافروں سے ٹکراتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نصرت نصرت فرماتا ہے اور اس ٹکراؤ کے عوض دنیا سے فساد کا خاتمہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بڑے بڑے مقامات ملتے ہیں، لیکن اگر مسلمان کافروں کے مقابلے میں آنے سے گریز کریں تو ان پر ذلت آتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔

خلاصہً کلام یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کے درپے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے مختلف احکام دیئے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مسلمان ان کافروں پر اپنا رعب اور دہشت بٹھانے کے لئے خوب سامان جہاد جمع کریں، اچھے سے اچھا اسلحہ رکھیں اعلیٰ قسم کے تربیت یافتہ گھوڑے پالیں تاکہ کافر مرعوب رہیں اور کسی مسلمان کی جان مال اور آبرو کو تباہ نہ کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

”اور تیار کرو ان کفار سے لڑائی کے لئے جو کچھ تم جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر“ (انفال آیت نمبر ۶۰)

آیت کریمہ سے واضح طور معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر وقت اسلحہ اور سامان حرب تیار رکھنا چاہئے بالخصوص جب کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو اس تیاری کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے تحفظ کے لئے کتنی زبردست تیاری فرمائی اور مسلمانوں کا لشکر جہاد تیار فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اموال جمع فرمائے۔ آلات حرب خریدے اور سخت گرمی میں لمبا سفر فرمایا اور اس خطرے کے آثار کو بھی ختم کر دیا جو بعد میں بڑا خطرہ بن سکتا تھا، اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود جو لوگ اس میں شامل نہیں ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قطع تعلق فرمایا اور مسلمانوں کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ بالآخر پچاس دن کے بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

مکہ مکرمہ کا ایک کافر خالد بن سفیان ہذلی منیٰ کے علاقے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے ایک کیمپ بنا کر تیاری کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵ محرم سنہ ۴ھ میں اپنے صحابی حضرت عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا اور جب وہ کامیاب ہو کر آ گئے تو انھیں ایک عصا بطور انعام و اکرام عطا فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود باقاعدہ اسلحہ خرید کر تے تھے جیسا کہ صحیح البخاری کی روایت میں ہے :

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر سے حاصل شدہ اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا نفقہ نکال کر باقی مال جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خریدنے پر خرچ فرماتے تھے“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلحہ کے ساتھ محبت اور دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کی مشہور معروف تلواریں تھیں جن میں سے بعض کے دستے پر چاندی تک چڑھائی گئی تھی۔ آپ ہمیشہ آلات حرب کو بڑھانے کی فکر فرماتے تھے، غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور چند تلواریں تھیں مگر آپ کے جذبہ جہاد نے اسلحہ کے انبار لگا دیے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیارہ تلواں آٹھ نیزے، چھ کمانیں، دو ترکش، دو جنگی ٹوپیاں، سات زرهیں، چار ڈھالیں، جہاں کے لئے گھوڑے، خچر، اونٹ، اونٹنیاں تھیں۔

اسلحہ سے گھن کھانے والے اور نفرت کرنے والے اس روایت پر غور فرمائیں اور اپنے مزاج پر ماتم کریں۔

حضرت عمر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے ورثہ میں سوائے اپنے سفید خچر، اپنے اسلحہ اور اس زمین کے جو صدقہ کر دی تھی کچھ نہیں چھوڑا۔
(صحیح البخاری ص ۴۲ ج ۱)

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ یہ خچر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

جہاد کے کام آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلوار رکھنا زرہ باندھنا وغیرہ وغیرہ تو تواتر کے ساتھ احادیث میں آیا ہے۔ اس یہودی کا واقعہ سب جانتے ہیں کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام کرتے دیکھا اور آپ کی تلوار درخت پر لٹک رہی تھی تو اس نے یہ تلوار اٹھائی۔ (الحدیث)

بہر حال حدیث سے ثابت ہوا کہ نین کے وقت بھی تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں بھی دفاعی انتظامات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مسلمان تلوار کے دھنی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منجنيق سیکھی تھی اور غزوہ طائف میں استعمال بھی فرمائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صبور نامی ایک دفاعی اسلحہ ایجاد فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تربیت یافتہ مجاہد اپنی تلواریں اور تیرلیکروم اور فارس کی آہنی فوجوں سے ٹکرائے، اس وقت تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ تلوار اور اخلاق آپس میں متضاد چیزیں ہیں، کسی نے یہ نکتہ نہیں سوچا تھا کہ اسلحہ دہشت گردوں اور غنڈوں کا شعار ہے، کسی نے امت کو یہ مسئلہ نہیں سمجھایا تھا کہ اہل علم کے لئے اسلحہ سخت معیوب ہے۔ اس زمانے میں توسیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدث، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے مفسر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قاری، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مفتی، سیدنا ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے امین الامۃ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فقیہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عالم کے سمندر اور خلفاء راشدین خود اسلحہ رکھتے تھے، خود اسلحہ چلاتے تھے اور اسلحے سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز کے دوران مسلح پہریاں محراب میں پہرہ دیتے تھے، اس زمانے میں مساجد کے اندر مقصورے (حفاظتی مورچے) پہلی صف میں بنائے گئے اور حضرات صحابہ کرام اور اجل تابعین اور ائمہ نے ان مقصوروں (مورچوں) میں نمازیں ادا کیں۔ اس زمانے کے مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی اپنے اسلحے سے غافل اور اپنے دفاع سے بے پروا نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کی عزت، مسلمانوں کی عزت اور تحفظ اسی میں ہے، اگر مسلمانوں کا تحفظ کمزور پڑ گیا اور سرحدیں کمزور ہو گئیں تو اسلامی شعائر بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح حضرات تابعین میں بھی یہی ذوق رہا۔ حضرت امام حسن بصری جیسے بلند پایہ امام نے خود اسلحہ اٹھایا اور میدانوں میں معرکے لڑے اور کابل کی لڑائی میں حصہ لیا، اس سے نہ تو حسن بصری کے علم پر کوئی آنچ آئی نہ ان کے فضل میں کوئی کمی آئی اور نہ تصوف کے اس بے تاج بادشاہ کو کسی نے طعنہ دیا کہ بزرگی اور اسلحہ تو الگ الگ چیزیں ہیں آپ نے یہ اسلحہ کیوں اٹھا رکھا ہے۔

حضرت حسن بصری کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ بڑھاپے میں بھی آپ نے جہاد کو ترک نہ فرمایا اور اسلحہ سے دل نہ ہٹایا حالانکہ طبیب روکتے رہے مگر حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ لذت جہاد سے سرشار رہے۔

تابعین کے بعد امت کے اہل علم اور اہل فضل محدثین اور فقہاء نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر جہاد کو جاری رکھا اور اسلحہ سے محبت کی حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے محدث اور امام اوزاعی جیسے فقیہ میدانوں میں لڑتے رہے اور علم کی خدمت بھی کرتے رہے۔ ان علماء اور مشایخ کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے علم و معرفت کے ساتھ جہاد کے دیپ بھی جلائے اور ان میں سے ہزاروں علماء و مشایخ نے جام شہادت بھی نوش فرمایا، سلف میں سے کسی نے اسلحے کو علم کے منافی اور جہاد کو بزرگی کی ضد قرار نہیں دیا بلکہ حین سے جس قدر ہو سکا اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اس محکم اور قطعی فریضے کی خدمت کی، کوئی خود میدان میں نکلا، کسی نے کتابیں لکھیں کسی نے جہاد کے مسائل کی گتھیاں سلجھائیں۔

آج کسی اسلامی کتب خانے کی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی کوئی کتاب

ایسی نہیں جس میں جہاد کے فضائل و مناقب اور اسلحے سے محبت کا درس نہ ملتا ہو، بلکہ ہمارے اسلاف کا تو ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ جہاد افضل ترین عبادت ہے اور جہاد کے ذریعہ علوم میں برکت ہوتی ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علوم میں برکت اسی جہاد کے مبارک عمل کی بدولت تھی، وہ جو کچھ قرآن میں سنتے تھے وہی کچھ میدان جہاد میں دیکھتے تھے، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نصرت اور طاقت ایک محسوس چیز تھی اس لئے ان کے علوم بہت اونچے تھے۔ آخر میں ہمارے اکابر علماء دنیو بند بھی اسی طرز عمل پر قائم رہے چشم فلک نے برصغیر کے تصوف کے امام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مئی رحمہ اللہ تعالیٰ، حجتہ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، فقیہ انفس ابو حنیفہ ثانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، برکت العصر حضرت مولانا حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، امام زمانہ حضرت مولانا سید احمد شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، عالم ربانی حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھوں میں اسلحہ تھا مے میدانوں میں لڑتے دیکھا، ان اہل علم اور اہل فضل اکابر نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور انھوں نے میدانوں میں نکل کر انگریز کا مردانہ وار مقابلہ کیا، مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان اکابر پر طعن و تشنیع کرتا کہ دین کے محافظ یعنی اللہ رب العالمین کے ہوتے ہوئے ان حضرات نے اسلحہ اٹھا کر علم کو بٹہ لگایا اور دین کی توہین کی (نعوذ باللہ)

مگر افسوس صد افسوس انگریز کی مکاری کا آ رہ چل گیا، مرزا قادیانی ملعون کا ناپاک جادو کچھ اثر کر گیا، انگریز علماء کو ذلیل و رسوا اور نہت کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کو کمزور اور دوسروں کا دست نگر بنا کر دین کو ذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کی قوت اور عظمت سے خائف تھا، وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا کہ دینداروں کی قوت میں دین کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے اس لئے دینداروں کو نہت کیا جائے۔

انگریز نے محنت کی، مرزا قادیانی نے کتابیں لکھ ڈالیں، ذرائع ابلاغ حرکت میں آگئے اور سب نے ملکر یہ راگ الاپا کہ اسلحہ دہشت گردی کا نشان ہے، اسلحہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے، اسلحہ غنڈوں کے ناپاک عزائم کی تکمیل کا راستہ ہے، اسلحہ مشایخ کی دستار کو عیب دار بنانے والی چیز ہے، یہ پروپیگنڈہ اتنا زوردار ہوا کہ زور

بخار کی طرح مسلمانوں کے قلب و جگر پر چھا گیا۔

نبی السیف (تلوار والے نبی) کی امرت تلوار سے نفرت کرنے لگی، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر کے علماء کو نہتا کر دیا گیا اہل علم کمزور ہو گئے، اسلحہ چوروں اور ڈاکوؤں کو دیدیا گیا، اسلحہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم کا محافظ بنا دیا گیا، اسلحہ دین کے محافظوں سے چھین کر دین کے دشمنوں کو دیدیا گیا، ایمان اور جہاد جو کل تک لازم و ملزوم تھے آج ایک دوسرے سے جدا دکھائے گئے۔ فاسق طاقتور اور مؤمن کمزور ہو گیا، قاتل طاقتور اور دیندار مظلوم ہو گیا، اسلحے کے زور پر ملحدوں نے حکومتیں حاصل کیں، علماء کو مسجد و مدرسے میں محدود کر دیا گیا، اگر اہل علم نے آواز اٹھائی تو انھیں گولیوں سے پھینکی کر کے دوسروں کے لئے عبرت کا نشانہ بنا دیا گیا، کتے چھوڑ دیئے گئے اور پتھر باندھ دیئے گئے، ہر الحاد اور زندقے کے چھپے آتشیں اسلحہ کی طاقت کو رکھا گیا اور دیندار لوگوں کو منہ کے نوالے بنا کر مذاق اور مسخرے پن کی چیز بنا دیا گیا، پھر زبانیں اسلام کے خلاف چلنے لگیں مگر ان زبانوں کو لگام دینے والے بے بس اور بے کس منہ دیکھتے رہ گئے، پھر قلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر ڈاکے ڈالنے لگے مگر اس ناموس کے محافظ نہ تھے وہ کچھ نہ کر سکے، علماء کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں، مسئلہ ختم نبوت جیسے اجماعی مسئلے کا خون کرنے کی کوشش کی گئی، اسلام کے نظام کو سربازار گالیاں دی گئیں، اہل حق علماء کے جسموں کو سنگینوں اور گولیوں سے پھینکیا گیا، مگر اہل دل تڑپتے رہے اسلحے سے غفلت کا خمیازہ بھگتتے رہے۔

جس منبر پر سے عصما یہودیہ کے قتل کا حکم ملا تھا اس منبر سے دین کی تباہی پر صبر کا پیغام نشر ہونے لگا، جس منبر سے کعب بن اشرف کو قتل کر نیکا حکم ملا تھا اس منبر سے سلمان رشدی کے قتل کا فیصلہ صادر نہ ہو سکا، کفر سربازار ناچ رہا تھا اور اہل ایمان سر چھپانے کے لئے پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے۔

ایسے وقت میں ہمارے پاکستان میں جہاں اسلام کے سوا ہر چیز کی آزادی ہے جہاں جمہوریت کا عفریب اسلام کے مقدس نظام کو منہ چڑا رہا ہے، جہاں کی زمین نے مولانا جھنگوی اور مولانا ایشار القاسمی کے خون کو پی لیا، جہاں صرف ختم نبوت

جیسا متفقہ مسئلہ حل کرانے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کی تڑپتی لاشیں دینی پڑیں، اور اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ غنڈہ گرد عناصر کھلے عام مساجد میں نمازیوں پر فائرنگ کر رہے ہیں اور مساجد کا تقدس اسلامی ممالک میں یا مال کیا جا رہا ہے، اس قدرے تفصیلی تمہید کے بعد اب آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

فقہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دام تبرکاتہم العالیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ کے علمی و روحانی فیوض سے پوری دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

افریقہ میں ایک مرتبہ بندہ کو ایک بہت بڑے شیخ الحدیث اور عارف باللہ بزرگ کی مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، یہ بزرگ عالم دین اعلیٰ درجے کے محقق بھی ہیں اور افریقہ میں ان کے مریدین اور متوسلین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے سننے میں آیا ہے کہ یورپ میں بھی ان کا بہت بڑا حلقہ ہے، بندہ نے ان کی مجلس میں حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ العالی کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا:

”ارے آپ لوگ خوش قسمت ہیں، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی تو اس وقت علوم میں فرد ہیں۔“

بہر حال عرب و عجم میں حضرت مفتی صاحب کے علوم و معارف کی کرنیں پھیلی ہوئی ہیں، آپ کے محققانہ ذوق اور علمی تحقیقات اور روحانی مقامات پر تو اس وقت امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، بے شک آپ جیسے متقی فقیہ امت کے لئے عظیم سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں خوب برکت عطا فرمائے اور علم و معرفت کا یہ چشمہ جاریہ امت کو سیراب کرتا رہے، آمین ثم آمین۔

حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سارے کام لئے وہاں آپ سے ایک اہم کام ان باطل فرقوں کے خلاف لیا جو امت کے ایمان پر ڈاکے ڈال رہے تھے۔ آپ نے تقریباً ہر فتنے کے خلاف لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا حق پرست قلم تلوار کی طرح ان فتنوں کی شررگ پر پڑا تو علمی طور پر ان کی موت ثابت ہوا آپ نے تحریر اور تقریر کے ذریعے اپنے خالص ایمانی جذبات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر باطل کو لڈکارا مگر آج امت کے بہت سارے لوگ

ان جذبات سے محروم ہیں۔

حضرت اقدس مفتی صاحب جب افغانستان تشریف لے گئے اور ہم نے آپ کو کیمونسٹ فوج کے جرنل دکھائے، وہ جرنل جو مسلمانوں کے خلاف میدانوں میں اترے تھے اور انھیں روسی طاقت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا مگر اللہ کے شیروں نے ان گیدڑوں کو زندہ پکڑ لیا تو وہ دوسروں کے لئے تماشہ عبرت بن گئے، اب ان ظالم درندوں نے اپنے چہروں پر مظلومیت اور بے کسی کے ایسے پردے ڈال لئے کہ جو انھیں دیکھتا اسے ترس آتا، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ العالی کو کہ ان قاتلوں کو لاکار کر فرمایا:

”میرے نزدیک تمہاری سزا موت ہے اگر میرا اختیار ہوتا تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرتا“

میں نے مذکورہ بالا واقعہ قصداً لکھا ہے تاکہ ہمارے ان بزدل مسلمانوں کو کچھ عقل آئے جو ظالم و جابر کافروں کی موت سے بھی گھبراتے ہیں جو اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھول چکے ہیں، جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہادی نعروں اور زمزموں کو فراموش کر کے بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں، جو بزدلی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ اپنے ہاتھوں میں اسلحہ تک نہیں اٹھا سکتے، اگر کوئی ان کے ہاتھوں میں بندوق پکڑا دے تو تھرتھرا کر اپنے لگتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی گولی الٹی نہ چل جائے اور ان کی قیمتی جان وقت سے پہلے نہ نکل جائے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم جن کا ایک ایک عمل شریعت مطہرہ کے احکام سے عبارت ہے رافضیت کے فتنے کے خلاف شمشیر برہنہ بن کر میدان میں اترے اور اس فتنے کے صرف کفر ہی کا نہیں بلکہ ان کے بارے میں اسلامی حکم کا بھی آپ نے بیانگ دہل اعلان فرمایا، یہ اعلان کسی بند کمرے میں نہیں بلکہ کئی شہروں میں ہزاروں مسلمانوں کے بہت بڑے جلسوں میں آپ نے دشمنان صحابہ کو لاکارا،

”فارس (ایران) کے محلات کا نپ (ٹھٹھے) خمینیت کر رہنے لگی“

مسلحہ کماشتہ حرکت میں آگئے اور اس علم و عمل کے مرقع بطل جلیل کو ختم کرنے کے لئے عملی کوششیں ہونے لگیں۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم

کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ نے دارالافتاء کے عملہ اور تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل افتاء و علماء کو قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں حدود شریعت کے اندر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کا حکم فرمایا، اہل علم اور مجاہدین سے مشورے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اوراق کی ورق گردانی کی گئی، جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم اور آپ کے ادارے اور طلبہ کی حفاظت کے لئے شرعی اصولوں پر مسلح پہریداری کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس کار خیر کے لئے نوجوانوں نے اپنی جوانیاں پیش کر دیں، مجاہدین نے حضرت مفتی صاحب منظرہ کے علمی مرکز میں پہرے کی ترتیب بنائی، فوج کے بڑے آفیسر اس ترتیب پر عیش عیش کر اٹھے، دارالافتاء والارشاد جو کہ دارالجہاد بھی تھا اب باقاعدہ دارالجہاد بن گیا، اسلحہ ہر طرف نظر آنے لگا۔

کافروں کی ماں مر گئی، مسلمانوں کی کمزوری، ہر غنڈہ گردی کا سکہ جمانے والے کھسیانی بٹنی کی طرح دارالافتاء کی طرف دیکھنے لگے، کتوں کے دانت ٹوٹ گئے، بھیڑیے کی دُح کھ گئی، ایک دو مرتبہ کسی نے بھاڑی دکھائی تو منہ کی کھائی۔

مفتی صاحب کا یہ عظیم دارالافتاء مسجد نبوی کے اعمال کی آماجگاہ بن گیا کتنے مسلمانوں کو اسلحہ دیکھنے کی سعادت ملی، کتنوں کو پہرہ دینے کی فضیلت ملی، ہزاروں انسانوں کو اس عملی قدم نے جہاد کا گرویدہ بنادیا، مزارقادیانی کی قبر کی آگ اور بھڑک اٹھی، حضرت مفتی صاحب کا دارالافتاء اس کے عزائم کا قبرستان ثابت ہوا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے آنے والے علماء ابتداء میں اس نئے طرز عمل سے پریشان ہوتے پھر آہستہ آہستہ مانوس ہوتے اور پھر چند روز میں اپنی پہلی زندگی پر لا حول پڑھ کر توبہ کرتے اور اسلحہ کو سینے سے لگا لیتے۔

دنیا داروں کو اہل علم کی عظمت کا احساس ہوا، ہزاروں مردہ احکام زندہ ہوئے، پہریداری اور تیراندازی اور تلوار بازی کی حدیثیں کتابوں میں تلاش کی جانے لگیں، خوش قسمت ایک دوسرے سے نمبر لے جانے لگے، اسلحہ دارالافتاء میں کیا آیا کہ مولانا جلال الدین حقانی جیسے اس دور کے عظیم فاتح کو کھینچ لایا، علم و عمل کے دو بادشاہ

اس دارالافتار میں جب جمع ہوئے تو:

﴿لَیْسَ لَکُمُ الْجَنَّةُ اِلَّا بِحَسْمَةٍ وَّسْیَ وَقْتُ لَیْسَ جَکَ سَہْلَ کَیَا﴾
پھر تو دارالافتار کمانڈروں اور غازیوں کا ایسا مرکز بنا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے اور افغانستان کے فاتح دارالافتار والارشاد سے علم و روحانیت کے خزانے لوٹنے لگے اور دارالافتار کے طلبہ و علماء جہاد کے خلائی خانوں میں رنگ بھرنے لگے۔

ایسے وقت میں ہونا یہ چاہئے تھا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اہل علم کی طرف سے اس عظیم تجدیدی کارنامے پر اور اس مردہ سنت کے احیاء پر مبارک باد کے پیغام ملتے (اور کچھ خوش قسمت علماء اور صلحاء نے یہ پیغام بھیجنے میں پہل بھی کی) اہل حق حضرت مفتی صاحب کی پیروی کرتے ہوئے اپنے مدارس اور مساجد کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کرتے، منبر و محراب پر خوشی کا اظہار ہوتا کہ علم اور جہاد کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ گیا۔

مگر بعض حضرات کو اہل دین کی یہ حفاظت پسند نہ آئی، انھیں ایک بڑے نئی مرکز کا تحفظ اچھا نہ لگا، جہاد سے ان کی طبعی نفرت اعتراضات اور اشکالات کی شکل میں وارد ہوئی، نبی السیف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وارثوں نے سیف (تلوار) کو دہشت گردی کا نشان اور کلاشنکوف کو غنڈوں کا شعار قرار دیا، معلوم نہیں ان حضرات کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا گمان ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود کو ”نبی الملاحم“ گھمسان کی جنگوں والا نبی فرمایا کرتے تھے حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کا عمل تو قرآن، سنت، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے مگر معترضین کے پاس خوابوں اور خیالوں کے سوا کوئی دلیل نہیں، وہ لوگ جو جہاد کو صرف فوج کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو دفاع تک کے لئے اسلحہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے واقعی انھیں اسلحہ کی ضرورت نہیں، کوئی کافر انھیں اپنے لئے خطرہ نہیں سمجھتا اور ان کے لئے اپنی تلوار کو تیز نہیں کرتا، یہ لوگ بزدلی کو امن اور کمزوری کو مصلحت کا نام دیتے ہیں، مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کو تواضع سمجھ کر عبادت جانتے ہیں، ہائے کاش! یہ ذلت اور تواضع کے فرق کو سمجھتے، یہ لوگ جس قرآن کی بات کرتے ہیں وہی قرآن اپنے دفاع کے لئے اسلحہ اٹھانے کو ضروری قرار دیتا ہے، وہ جس نبی کو مانتے ہیں اس نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے

اسلحہ اٹھایا، وہ جس گھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ گھر جہاد کی قوت سے فتح ہوا۔ جہاد کو فساد سمجھنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں، دوسروں پر انگلیاں اٹھانے سے پہلے اپنے ایمان کی تجدید کا سامان کریں اور امت مسلمہ کو مزید ذلت اور غلامی کا سبق نہ سکھائیں، اگر وہ بزدل ہیں، اسلحہ اٹھانے کی تاب نہیں رکھتے تو اپنی بزدلی کو اپنی حد تک رکھیں، قرآن و سنت کو توڑ مروڑ کر اپنی بزدلی کے لئے دلائل جمع کر کے اپنے مرض کو متعدی نہ بنائیں۔ یہ موضوع بہت تفصیل طلب ہے اس وقت بے شمار دلائل اور نکات بحمد اللہ تعالیٰ ذہن میں ہیں مگر ”صدائے مجاہد“ کے حجم اور اپنی عظیم الفرستی کی بنا پر آخر میں مختصر طور پر تین باتیں عرض کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سلام کی سمجھ عطا فرمائے۔

اسلحہ رکھنا تو کل کے قطعاً خلاف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اسی لئے کوئی شخص یہ سوچ کر کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے روزی کمانا نہیں چھوڑتا، اپنے دارے کو چلانے کے لئے اسباب جمع کرنا نہیں چھوڑتا، کیونکہ توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہرہ دیتے تھے حالانکہ آپ سے بڑھ کر کون متوکل ہے، بعض محدثین اور فقہار کے نزدیک تو یہ پہرہ آخر عمر تک رہا۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری ملاحظہ فرمائیں۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کی وجہ سے کچھ لوگ متنفر ہوئے ہیں، یہ ایک من گھڑت مفروضہ ہے کیونکہ حضرت مفتی صاحب کے اس عمل سے تو عوام و خواص کو جہاد کی اہمیت کا احساس ہوا ہے اور ہزاروں لوگوں کو جہاد میں شرکت کا موقع ملا ہے، دوسو سے زائد علماء نے جہاد کی تربیت حاصل کی اور اسمیں عملاً حصہ لیا، بہت سارے اہل علم کو جہاد پر تحقیقی کام کرنے کی ہمت ہوئی ہے۔

برطانیہ کے ایک بڑے عالم نے جب حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہاں یہ نظام دیکھا تو اس قدر متاثر ہوئے کہ آج ان کی کوئی مجلس جہاد کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتی۔

اگر بفرض محال کچھ لوگوں کو یہ عمل اچھا نہیں لگا تو اسمیں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا کیا قصور ہے؟ اس میں قصور تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے امت کو اسلحہ سے دور رکھا اور جہاد کا سبق نہیں سکھلایا یہاں تک کہ امت اس حال تک جا پہنچی کہ آج جہاد کا نام سن کر بہت سارے لوگوں کے رنگ فق ہو جاتے ہیں اور چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں،

حالانکہ قرآن مجید میں یہ علامت منافقین کی بیان فرمائی ہے کہ جہاد کا نام سن کر ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر موت چھا جاتی ہے۔

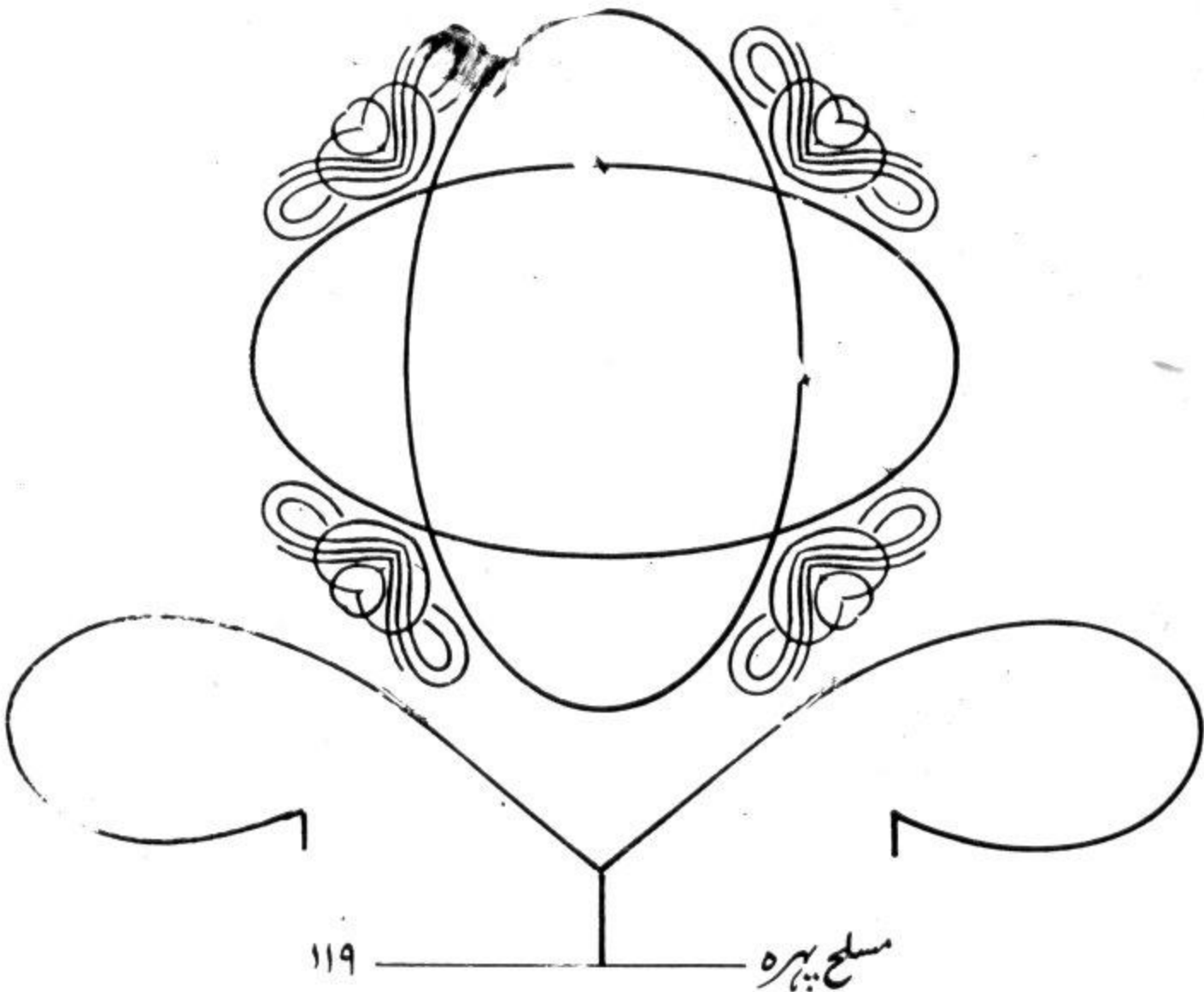
اہل علم اور اہل کمال حضرات غیر علماء کو عموماً اور فاسق فاجر لوگوں کو خصوصاً کتابیں لکھنے اور تفسیر وغیرہ کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ اس سے گمراہی پھیلتی ہے، انکا یہ عمل درست ہے۔

اسی طرح اہل علم اور اہل دین کو چاہئے کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے ہاتھوں میں اسلحہ نہ دیں کیونکہ اس سے فسق کو قوت ملے گی اور دین کا نقصان ہوگا، اسلحہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے اس لئے یہ دین دار لوگوں اور اہل علم کے پاس ہونا چاہئے تاکہ دین کو قوت ملے اور اسلام کو عظمت ملے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محرم مسعود و اظہر

(ماہنامہ ”صدائے مجاہدان“ اسلام آباد ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ)





حفاظتی تدابیر کے دلائل میں احادیث کے بیان میں مندرجہ ذیل حدیث کتابت سے رہ گئی تھی جو یہاں بصورت ”الحاق“ لکھی جاتی ہے۔

پہلے پینسٹھ روایات تھیں اب اس حدیث کے اضافہ سے چھیا سٹھ ہو گئیں۔

حدیث یہ ہے :

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الراكب شيطان والراكبان شيطانان والثلاث ركب، رواه مالك والترمذي وأبو داود والنسائي (مشکوٰۃ ص ۳۳۹)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

”ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار صحیح سواروں کی جماعت ہے۔“

یہ حدیث ابتداء اسلام کے زمانہ کی ہے، یعنی غلبہ کفار کی وجہ سے حفاظتی تدابیر کی اس قدر تاکید کی جا رہی ہے کہ تین سواروں سے کم ایک یا دو پیادہ تو درکنار سواروں کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں، اس پر ایسی سخت وعید فرمائی کہ تین سواروں سے کم نکلنے والے سواروں کو شیطان قرار دیا، جب تین سے کم سوار بھی شیطان ہیں تو پیادہ تو اور بھی بڑے شیطان ہونگے۔

عبدالرحیم

نائب مفتی دارالافتاء دارالاسلام

ناظم آباد کراچی

باب المرتد والبغاة

مرتد کے مال کا حکم :

سوال : ایک مسلمان عورت مرتد ہو گئی اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا، اس کی جائیداد اس کے مسلمان بھائی کے ساتھ مشترک تھی، اس جائیداد کے شرعی وارث کون بنیں گے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

ارتداد کی صورت میں مرد اور عورت کے اموال کے احکام مختلف ہیں اس لئے ہر ایک کا حکم الگ تحریر کیا جاتا ہے :

مرد مرتد ہو جائے تو اس کا مال اس کی ملک سے نکل جاتا ہے، البتہ دوبارہ قبول اسلام کے بعد اس کی ملک ٹوٹ آتی ہے۔

اور حالت ارتداد میں قتل کر دیا گیا یا مر گیا یا دار الحرب چلا گیا تو حالت اسلام کا کمایا ہوا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے اور حالت ارتداد کی کمائی بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، بیت المال نہ ہونے کی صورت میں مساکین پر صدقہ کیا جاتا ہے۔

عورت مرتد ہو جائے اور اسی حالت میں مر جائے یا دار الحرب چلی جائے تو اس کا سب مال مسلمان ورثہ پر تقسیم ہوگا، خواہ حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں۔

لہذا اس مرنے والی عورت کے ترکہ میں کافر رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں۔

قال فی التنویر و شرحہ : (وینزل ملک المرتد عن مالہ ذوالا موقوفاً فان اسلم عاد ملکہ وان مات او قتل علی ردتہ) او حکم بالحقاقہ (ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم) ولو زوجتہ بشرط العدة زیلعی (بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فی بعد قضاء دین ردتہ) وقالامیراث ایضاً لکسب المرتدة (والمختار ص ۳ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱ صفر ۱۴۱۸ھ

مرتد کے ہبہ، وصیت اور وراثت کا حکم :

سوال : زید کا باپ مرتد ہو گیا تو زید کو اس کے مکان میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کی آمدن سے کھانا پینا اور دوسری ضرورت کی اشیاء لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ترکہ میں زید کا حصہ ہو گا یا نہیں؟ زندگی میں اگر وہ زید کو کچھ دیدے یا مرنے سے پہلے زید کے لئے کچھ وصیت کر جائے تو زید کے لئے لینا جائز ہو گا یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مرتد کے مال سے اس کے مسلمان ورثہ اور بیت المال کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اگر اسے قتل کیا گیا یا حالت ارتداد میں مر گیا یا دارالحرب چلا گیا تو حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثہ پر تقسیم ہو گا اور حالت ارتداد کی کمائی بیت المال میں جمع کی جائے گی۔ اس لئے مرتد اپنے مال میں کسی غیر وارث کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ تصرفات نہیں کر سکتا۔

اگر زید اس مرتد باپ کے مسلمان ورثہ میں اکیلا وارث ہے تو اس سے وہ مال قبول کر سکتا ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا، اسی طرح حالت اسلام میں تعمیر کردہ مکان میں رہائش بھی رکھ سکتا ہے، اس مال سے زید کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ قبول کرنا بھی درست ہے، بصورت وصیت یہ مال اس کے مرنے پر زید کو بطور وراثت ملے گا نہ کہ وصیت، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

اور اگر زید کے علاوہ اس کے دوسرے مسلمان ورثہ بھی ہیں اور سب عاقل و بالغ ہیں تو زید ان کی رضا سے اس مکان میں رہ سکتا ہے اور حالت اسلام کی آمدن سے کھاپنی بھی سکتا ہے۔

بطور ہبہ و وصیت دوسرے ورثہ کی رضا سے ایسی چیز قبول کر سکتا ہے جو ناقابل تقسیم ہو یعنی تقسیم کی جائے تو کارآمد نہ رہے جیسے بہت چھوٹا مکان اور گاڑی وغیرہ۔ جو چیز قابل تقسیم ہو وہ قبول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مال تمام ورثہ کا مشترک ہے اور یہ ہبہ درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہے اور اس قسم کی مشترک چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔

مشترک چیز کی وصیت بھی درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہبہ ہے، مگر مرتد کے قتل یا موت یا دارالحرب سے لحاق کے بعد زید کے قبضہ میں آئے گی اس لئے اس میں یہ شرط ہے کہ

اس وقت مسلمان وارث سب راضی ہوں اور سب عاقل بالغ ہوں۔ مرتد کے قتل یا موت یا دارالحرب سے لحاق سے پہلے ان کی رضا کا اعتبار نہیں، رضا وہی معتبر ہوگی جو وارث بننے کے وقت متحقق ہو۔

زید اگر مسکین ہے تو مصارف بیت المال میں داخل ہونے کی وجہ سے مرتد کے اس مال سے بھی نفع اٹھا سکتا ہے جو اس نے حالت ارتداد میں کمایا۔

قال فی التتویر و شرحہ : (و یزول ملک المرتد عن مالہ ذوالا موقوفاً فان اسلام عاد ملکہ وان مات او قتل علی ردۃ) (و حکم بلحقاقہ) (ورث کسب اسلافہ وارثہ المسلم) (ولو زوجتہ بشرط العدة زیلعی) (بعد قضاء دین اسلافہ و کسب ردۃ فیء بعد قضاء دین ردۃ) (وقال بعد صفحۃ) (و یتوقف منہ المفاوضة والتصرف علی ولادة الصغیر والمبايعة والعق والتدبیر والکتابۃ والہبة والاجارة والوصیۃ ان اسلام نفذ وان هلك او لحق بدار الحرب وحکم بطل (رد المحتار ص ۳۰۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم ۹۳ھ

قادیانیوں کے ساتھ تعلقات :

سوال : قادیانیوں کو ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے اب یہ ذمی

کافر ہیں، سوال یہ ہے :

① اگر کوئی قادیانی مہمان آئے تو اس کا اکرام اور مہمانی جائز ہے یا نہیں ؟

② اگر کوئی قادیانی کسی مقصد سے درود شریف یا قرآن مجید کا ختم کرائے تو کسی

مسلمان کو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں ؟

③ قادیانی کسی مسلمان کی دعوت کریں جس میں ذبیحہ بھی قادیانیوں کا ہو تو ایسی

دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بتینوا توجروا۔

الجواب باسمہما الصواب

قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے باوجود ذمی نہیں اس لئے کہ یہ

زندیق ہیں اور زندیق کسی صورت بھی ذمی نہیں قرار پاتا بہر صورت واجب القتل ہے،

اسلئے قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ مذکورۃ الصدر تینوں

سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان ۱۴۲۷ھ

شیعہ اور قادیانیوں وغیرہ کا زندقہ اور زنداقہ کے احکام کی تفصیل کتاب الخطر والاباحۃ

میں ہے۔

سوال مثل بالا :

سوال : قادیانیوں کے بارے میں چند سوالات ہیں :

- ① قادیانی مسلمان کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟
- ② قادیانی کے ساتھ بیٹھ کر مسلمان کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟
- ③ شادی یا کسی دیگر تقریب میں قادیانی مسلمانوں کو مدعو کر سکتا ہے یا نہیں؟
- ④ قادیانی مسلمان کو سلام کرے تو جواب میں کیا کہا جائے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قادیانیوں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قطعاً ناجائز ہیں، یہ عام کفار سے بدتر زندیق اور واجب القتل ہیں، ان کی شادی غمی میں شرکت کرنا یا اپنی شادی غمی میں انھیں شریک کرنا ان سے سلام و کلام غرض کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایسے مغضوب لوگوں کو چلنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۵ھ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کے چند احکام جلد اول کتاب الایمان والعقائد میں بھی ہیں اور زیادہ تفصیل کتاب الخطر والاباحۃ میں۔
ارتداد زوج سے نکاح فوراً ٹوٹ گیا :

سوال : کمپنی میں ایک ذمہ دار افسر نے یہ الفاظ کہے :

”اگر اللہ تعالیٰ کمپنی کے کام کو خراب کرے تو اس کو بھی پھانسی دیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کا بچہ بھی آئے تو اس سے بھی کام لیں گے“

اس کے دین و ایمان اور نکاح کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص مرتد ہو گیا اس کا نکاح بھی فوراً ٹوٹ گیا، اس کی بیوی پر فرض ہے کہ بلا تاخیر اس سے علیحدگی اختیار کر لے، اسے دوبارہ مسلمان کر کے از سر نو اس کا نکاح کیا جائے، اگر مسلمان نہ ہو تو حکومت پر فرض ہے کہ اسے عبرت ناک طریقہ سے قتل کر کے تمام لوگوں کے لئے نمونہ عبرت بنائے۔

مرتد ہوتے ہی باجماع جمہور امت نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس میں قضا و قاضی کی ضرورت نہیں۔

قال فی التنویر: وارتداد احدهما فسخ عاجل -

وفی الشرح: بلا قضاء -

وفی الحاشیة: ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضي عداة فی المدخول بھا کما فی البحر (رد المحتار ص ۲۲۵ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔
۷ صفر ۱۳۹۰ھ

ارتداد زوجہ کا حکم:

سوال: معاذ اللہ! کسی کی بیوی مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟
اگر ٹوٹ گیا تو اس پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ پھر اسلام قبول کرے تو دوسرے شخص سے فوراً نکاح کر سکتی ہے یا عدت گزارنے کے بعد؟
نیز اس عورت کو شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جس نے یہ ہلاکت کا راستہ دکھایا اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں تین روایات ہیں:

① عورت کا نکاح ٹوٹ گیا اور وہ باندی بن جائے گی، اس کا شوہر اسے امام وقت سے خرید کر اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اگر شوہر صرف ہو تو امام اسے مفت بھی دے سکتا ہے۔

② اس کا نکاح ٹوٹ گیا مگر کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اسے تجدید اسلام اور پہلے ہی شوہر سے تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

(۳) اس کا نکاح نہیں ٹوٹا، اسی شوہر کے نکاح میں بدستور رہے گی۔

اس زمانہ میں پہلی دو صورتیں ممکن نہیں، صورت اولیٰ کا عدم امکان تو ظاہر ہے، حکومت سے صورت ثانیہ پر عمل کرنے کی بھی کوئی توقع نہیں، لہذا فتویٰ کے لئے صورت ثالثہ ہی متعین ہے، یعنی عورت کے ارتداد سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا مگر تجدید اسلام سے قبل اس سے استمتاع جائز نہیں، کالموطوءة بالشبهة والحامل من الزنا، بلکہ تجدید اسلام کے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے، اس لئے کہ روایت ثانیہ ظاہر الروایت ہے، اس خاص جز میں اس سے عدول کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا تجدید اسلام کے بعد بھی تجدید نکاح سے قبل استمتاع حرام ہے۔

قال الامام الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وصہر حوا بتعزیرھا خمسة وسبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجر الہا بمہر یسیر کدینار و علیہ الفتوی والواجبة، وافقی مشایخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتھا زجرا و تیسیر الاسیما التي تقع فی الکفر ثم تنکر قال فی النہر والافتاء بہذا اولیٰ من الافتاء بما فی النوادر (الی قولہ) وحاصلہا انہا بالردة تسترق وتكون فیئاً للمسلمین عند الی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ، ویشترکہا الزوج من الامام او یصرفھا الیہ لو مصرفاً۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله زجر الہا) عبارة البحر حسا لباب المعصية والحيلة للخلاص منه ۵۰ ولا يلزم من هذا ان يكون الجبر علی تجدید النکاح مقصوراً علی ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منه بل قالوا ذلك سداً لهذا الباب من اصله سواء تعمدت الحيلة ام لا کی لا تجعل ذلك حيلة، (رد المحتار ص ۲۲ ج ۲)

وفی تعزیر العالائیة : ارتدت لتفارق زوجها تجبر علی الاسلام وتعزیر خمسة وسبعین سوطاً ولا تتزوج بغيره به یفتی ملتقط۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ولا تتزوج بغيره) بل تقدم انها تجبر علی تجدید النکاح بمہر یسیر وهذه احدى روايات ثلاث تقدمت فی الطلاق، الثانية انها لا تبين رد القصد ها السيئ، الثالثة ما فی النوادر من انه یتملكها رقیقة ان كان مصرفاً (رد المحتار ص ۱۹۶ ج ۳)

وفي باب المرتد من العلامية : وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به
يفتى وعن الامام تسترق ولو في دار الاسلام لو افتى به حسما لقصد لها السيئ
لا بأس به وتكون قنة للزوج بالاستيلاء مجتبئ - وفي الفتح انها في المسلمين
فيشتريها من الامام او يهبها له لو مصرفا -

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله وليس للمرتدة التزوج
بغير زوجها : قال في الفتح وقد افتى الدبوسی والصفار وبعض اهل سمقند بعدم
وقوع الفرقة بالردة رداعليها وغيرهم مشوا على الظاهر ولكن حكموا بجبرها
على تجديد النكاح مع الزوج وتضرب خمسة وسبعين سوطا واختارة قاضيخان
للفتوى الخ (قوله عن الامام) اي في رواية النوادر كما في الفتح (قوله ولو افتى به الخ)
في الفتح قيل ولو افتى بهذه لا بأس به فيمن كانت ذات زوج حسما لقصد لها
السيئ بالردة من اثبات الفرقة - (قوله وتكون قنة للزوج بالاستيلاء) قال
في الفتح قيل وفي البلاد التي استولى عليها التتروا اجرا احكامهم فيها و
نفوا المسلمين كما وقع في خوارزم وغيرها اذا استولى عليها الزوج بعد الردة
ملكها لانها صارت دار حرب في الظاهر من غير حاجة الى ان يشتريها من الامام
(قوله وفي الفتح الخ) هذا ذكره في الفتح قبل الذي نقلناه عنه انفا و
حاصله انها اذا ارتدت في دار الاسلام صارت فيئ للمسلمين فتسترق على
رواية النوادر بان يشتريها من الامام او يهبها له، اما لو ارتدت فيما استولى عليه
الكفار وصار دار حرب فله ان يستولى عليها بنفسه بلا شراء ولا هبة لمن دخل دار الحرب
متلصصا وسبي منهم وهذا ليس مبني على رواية النوادر لان الاسترقاق وقع في
دار الحرب لا في دار الاسلام (رد المحتار ص ۳۱۳ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کفر کی لعنت کا طوق گلے میں ڈالنے کے
باوجود اس عورت کے لئے شوہر سے خلاصی ممکن نہیں، بہر کیف اسی کے تحت رہے گی،
بیوی کی حیثیت سے یا نوٹدی بن کر علی اختلاف اقوال۔ اگر واقعہ کوئی شرعی
عذر ہے جس کی وجہ سے عورت خلاصی چاہتی ہے مثلاً شوہر عنین ہے یا متعنت ہے
چونہ تو نفقہ مہیا کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، یا معسر ہے تو اس قسم کی تمام صورتوں میں

خلاصی کے لئے یہ شرعی حل موجود ہے :

”شوہر سے طلاق لی جائے، اگر یوں طلاق نہ دے تو خلع کی صورت اختیار کی جائے کہ اسے کچھ دے دلا کر آمادہ طلاق کیا جائے اس پر بھی راضی نہ ہو تو عدالتی چارہ جوئی کی جائے، حاکم مسلم اسے عدالت میں طاب کر کے طلاق دینے پر مجبور کرے، اگر حاکم کے کہنے پر بھی طلاق نہ دے تو حاکم خود دونوں میں تفریق کر دے“

اس کے بعد عورت عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ بحالت مجبوری عجت مسلمین بھی یہ فرض انجام دے سکتی ہے۔

ان مسائل کی تفصیل رسالہ ”الافضل عن خیل فسخ النکاح“ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص ۲۰۵ ج ۵ میں ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے عورت کو کفر و ارتداد کی راہ دکھائی یا کسی درجہ میں وہ اس کا رروائی میں شریک یا دل سے راضی رہے تو وہ سب دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، ان کی گردنوں پر دہرے کفر کا وبال ہے، ان مرتدین کے نکاح بھی فسخ ہو گئے، مگر ان کی بیویوں پر کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ انہیں اختیار ہے کہ مضی عدت کے بعد جہاں چاہیں نکاح کر لیں اور خود یہ مرتدین واجب القتل ہیں، حاکم انہیں تین دن کی مہلت دے، اگر نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اور علانیہ توبہ کر کے داخل اسلام ہوں تو بہتر ورنہ ان کی گردنیں اڑا دے۔

داخل اسلام ہونے کے باوجود ان کی سابقہ بیویاں جو ان کے ارتداد کے سبب نکاح سے نکل گئی تھیں ان کو ان سے دوبارہ نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، انکو اختیار ہے کہ انہی سے نکاح کریں یا دوسرے مردوں سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ صفر ۱۴۰۸ھ

قتل بلغاۃ :

سوال : کیا بلغاۃ و مفسدین کا قتل جائز ہے؟ جیسا کہ ایران میں خمینی نے یہ عمل شروع کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو مفسد فی الارض قرار دیکر تختہ دار پر چڑھا دیا، اگر اس قسم کے لوگوں کا قتل جائز ہے تو کس صورت میں اور کن شرائط سے؟ بیڈنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جو شخص یا جماعت حکومتِ مسلمہ کے خلاف بغاوت کرے، اس کی بغاوت کچلنے کے لئے حکومت کا اسے قتل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بدون قتل اس کی قوت توڑنا ممکن نہ ہو، اگر قتل کے بغیر کسی ذریعہ سے اسکے شر کا دفعیہ ممکن ہو تو قتل کرنا جائز نہیں۔ بصورتِ قتال حاکم اگر عامۃ المسلمین سے باغیوں کے خلاف مدد طلب کرے تو مقدور بھر اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

جو باغی اور مفسد حکومت کے ہاتھوں گرفتار ہوں اگر ان کی قوت و شوکت ٹوٹ چکی ہو تو انھیں قتل کرنا جائز نہیں، اور اگر ان کے سچھے طاقت کا فرما ہے تو ان کا فیصلہ حکومت کی صوابدید پر ہے، چاہے تو انھیں قتل کر دے اور چاہے تو قید ہی میں رہنے دے تا وقتیکہ توبہ کر کے ان خیالات سے رجوع کر لیں، توبہ کے بعد بھی جب تک حکومت کو اطمینان نہ ہو انھیں قید رکھنا جائز ہے۔

لیکن غلبہ پانے کی صورت میں ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو نوٹدی بنانا جائز نہیں، اسی طرح ان کے چھینے ہوئے اموال و اسلحہ کو غنیمت کے طور پر تقسیم کرنا جائز نہیں، وقتی طور پر اموال کو روک کر بغاوت تھم جانے کے بعد واپس کر دینا ضروری ہے۔

قال فی التنوین: فاذا خرج جماعة مسلمون عن طاعته و غلبوا علی بلد دعاهم الیہ و کشف شہتم فان تحیزوا جمعة من حل لنا قتالہم بداء حتی نفرق جمعہم ومن دعاہ الامام الی ذلک افترض علیہ اجابته لو قادرا (الی قولہ) والامام بالخیار فی اسیرہم ان شاء قتله وان شاء حبسه (الی قولہ) ولم تسب لہم ذریۃ و تحبس اموالہم الی ظہور توبتہم۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ حل لنا قتالہم بداء) ولواند فع شہم باہون من القتل وجب بقدر ما یندفع بہ شہم ذلیعی۔ (رد المحتار ص ۳۲ ج ۳)

باقی رہا خمینی کا مسئلہ تو وہ خود رئیس المفسدین اور باغی البنیۃ ہے، اگر اسکے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کچھ مفسدین اور باغین کو ٹھکانے لگا دیا تو یہ اسکے ارشاد ”وکن لا نوئی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون“ اور ”یذیق بعضکم بأس بعض“ کا مصداق ہے۔ واللہ اعلم
۶ رذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

حکم اموال بغاة :

سوال : یہاں ظفار (سلطنت عمان) کے پہاڑوں پر حکومت اور باغیوں کے مابین لڑائی رہتی ہے، ایک دوسرے پر بمباری کے دوران بعض جانور گائے بکریاں وغیرہ زخمی ہو جاتی ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جانور باغیوں کے ہیں یا اپنی رعایا کے، اگر ان زخمی جانوروں کو ذبح نہ کیا جائے تو مردار ہو جاتے ہیں، اس لئے فوجی جوان انھیں ذبح کر دیتے ہیں، اگر ذبح کے بعد یونہی چھوڑ دیئے جائیں تو بڑے بڑے درندے کھا جائیں گے، کیا فوجی انھیں کھا سکتے ہیں؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو جانور باغیوں کے مقبوضہ علاقہ میں پائے جائیں انھیں فروخت کر کے انکی قیمت محفوظ رکھی جائے جب وہ بغاوت سے توبہ کر لیں تو یہ رقم انھیں دیدی جائے۔ اور جو جانور اپنے علاقہ میں پائے جائیں یا اپنی اور دشمن کی مخلوط آبادی میں ہوں یا جن سے متعلق کچھ تحقیق نہ ہو سکے تو وہ بحکم لفظ ہیں، اول ان کی تشہیر کی جائے، اگر مالک کا پتہ کسی صورت نہ چل سکے تو کسی مسکین فوجی کی ملک کر دیئے جائیں وہ چاہے تو غنی فوجیوں کو بھی ہبہ کر سکتا ہے لیکن استعمال کرنے کے بعد اگر کسی جانور کا مالک مل جائے تو اسے جانور کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

قال فی التنبیہ و شرحہ (و تحبس اموالہم الی ظہور توبتہم) فترد علیہم و بیع الکراع اولی لانہ انفع فتح و یقاس علیہ العبدانہ (و نقائل بسلاہم و خیلہم عند الحاجة و لا ینتفع بغيرہما من اموالہم مطلقا) ولو عند الحاجة سراج۔ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لانہ انفع) ای انفع من امساکہ والانفاق علیہ من بیت المال او للرجوع علی صاحبہ کما یفیدہ کلام البحر (رد المحتار ص ۳۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ

فاسق کی بغاوت :

اس کی تفصیل رسالہ ”سیاست اسلامیہ“ کے آخر میں حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ کی تحریر میں ہے، یہ رسالہ اسی جلد میں کتاب الجہاد کے آخر میں ہے۔



مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ رِجَالِيْ
جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو

القتل المشد لقتل المرتد

مرتد کے وجوب قتل کا ثبوت
احادیث صحیحہ اور إجماع امت سے



حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم
تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

الْقَتْلُ الْمَشْتَدُّ لِقَتْلِ الْمُرْتَدِّ

○ مرتد واجب القتل ہے

○ ارشاد ایت نبویہ

○ اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

○ اجماع اُمت

○ عقل سلیم

○ مرتدین کی کھ حجتی

○ مرتد کے دوسرے احکام

مرتد واجب القتل ہے!

سوال : مرتد کی تعریف کیا ہے؟ اس کی سزا کیا ہے؟ بقیہ احکام کیا ہیں؟ بیٹنوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

ارتداد کے معنی ہیں کسی مسلمان کا دین اسلام سے پھر جانا، امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :
وهو الرجوع من الاسلام الى الكفر (المفردات ص ۱۹۳)

ارتداد عام ہے خواہ صاف صاف اسلام سے پھر جائے مثلاً کوئی شخص اپنے ہندو، آریہ،
قادیانی یا شیعہ ہونے کا اقرار کر لے۔

یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کر دے۔
ضروریات دین وہ تمام قطعی احکام ہیں جو نص قرآن سے ثابت ہوں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہوں، ان میں سے کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے، مثلاً کوئی
شخص زبان سے ختم نبوت کا اقرار کرتا ہے مگر ختم نبوت کا مفہوم و مطلب ایسا بیان کرتا ہے جو
امت کے متفق علیہ اجماعی مفہوم سے مختلف ہے، اور کسی بھی مفہوم میں اجراء نبوت کا قائل ہے،
یا کوئی شخص دعوائے ایمان کے باوجود تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے، یا ختم نبوت پر
ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کسی اُمتی میں نبی کی سی صفات تسلیم کرتا ہے، مثلاً اسے معصوم عن
الخطأ اور افضل الانبیاء قرار دیتا ہے تو یہ شخص مرتد اور زندیق ہے جو عام کفار کی بنسبت کہیں
زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسے پورے دین اسلام کو ترک کر دینا کفر و ارتداد ہے ایسے ہی دین کی قطعی
اور بدیہی باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے، گو کہ ایسا شخص دین کی بقیہ تمام
باتوں کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہو، اپنے تئیں پابند عمل اور دیندار ہو۔ قرآن مجید کا واضح اعلان ہے:
فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم

حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً - (۲: ۶۵)

”پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عند اللہ)

ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہ ہو کہ انکے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپکی شریعت سے) تصفیہ کرائیں (پھر حسب آپ تصفیہ کرا دیں تو) اس آپکے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور (اس فیصلہ) کو پورا پورا (ظاہر سے باطن سے) تسلیم کر لیں۔

جلیل القدر تابعی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

لَوَاتَّ قَوْمًا عِبَادَ اللَّهِ تَعَالَى مَا قَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَصَامُوا رَمَضَانَ وَحَجَّوْا الْبَيْتَ ثُمَّ قَالُوا الشَّيْءَ صَنَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَصْنَعُ خِلَافَ مَا صَنَعَ ؟ أَوْ وَجَدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا لَكَ أَنْوَاعًا مِنْ ثَمَرِ تِلْكَ الْآيَةِ (روح المعانی ص ۵ ج ۵)

کوئی قوم اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حج بیت اللہ کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے متعلق یوں کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس حکم کے تسلیم کر لے میں دلوں میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرک و کافر ٹھہرے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مرتد کی سزا :

مرتد کی سزا باجماع اُمت قتل ہے، البتہ اس حد تک اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف مرتد مرد کے لئے ہے یا مرتدہ عورت کو بھی شامل ہے؟

جمہور کے نزدیک مرتد و مرتدہ دونوں واجب القتل ہیں، مگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے اور مرتدہ واجبۃ الحبس، حتیٰ تَعُوْدَ اِلَى الْاِسْلَامِ اَوْ مَوْتِ قَتْلِ مَرْتَدٍ كَامِسْئَلَةِ نَصُوصِ حَدِيثِ، اِجْمَاعِ اُمْتٍ اَوْ عَقْلِ سَلِيمٍ سے ثابت ہے، دلائل بالترتیب ملاحظہ ہوں :

ارشادات نبویہ :

① عَنْ عَكْرَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ : اَتَى عَلَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بَزِينَادَةَ فَاحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَوُحِ قَرَمَ لَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعَذُّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ وَلَقَتَلْتُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ (صحيح بخاری ۴۲۳۳، سنن نسائی ۱۲۳۳، سنن ابی داؤد ۲۵۵۲، ترمذی ۲۳۳۳)

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے جنہیں اپنے آگ میں

القتل المشتد

جلادیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرح عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، ہاں! میں انہیں قتل ضرور کرتا اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو۔

(۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعی رجلان من الاشعریین احدهما عن یمینی والاخر عن یساری ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فکلاهما سأل فقال یا ابا موسیٰ او قال یا عبد اللہ بن قیس قال قلت واللہ بعتاک بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسہما وما شعرت انہما یطلبان العمل فکافی انظر الی سواک تحت شفتہ قلصت فقال لن اولا نستعمل علی عملنا من ارادہ ولكن اذهب انت یا ابا موسیٰ او یا عبد اللہ بن قیس الی الیمین ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القی لہ وسادۃ قال انزل واذا رجل عندہ موثق قال ما هذا؟ قال کان یهودیا فاسلم ثم تہود قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل الحدیث (صحیح بخاری ج ۲، سنن نسائی ج ۱، سنن ابی داؤد ج ۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور دو اشعری آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک آدمی میرے دائیں جانب تھا، دوسرا بائیں جانب۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمیں حاکم مقرر کیجئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو موسیٰ! میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مجھے ان دونوں نے اپنی دل کی بات سے مطلع نہ کیا اور نہ از خود مجھے اس کا احساس ہوا کہ یہ منصب کا مطالبہ کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طالب حکومت ہو ہم اسے ہرگز منصب نہیں دیتے، لیکن اے ابو موسیٰ! تمہیں بلا طلب منصب دیتا ہوں کہ میں چلے جاؤ، پھر انکے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ جب وہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے انکی طرف تکیہ بڑھایا اور فرمایا

تشریف رکھئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچانک دیکھا کہ ایک آدمی جکڑا ہوا ہے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ شخص یہودیت سے مسلمان ہوا پھر اسلام سے پھر کر یہودی بن گیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تشریف رکھئے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس وقت تک میں نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ کرتے ہوئے اس مرتد کو قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ ارشاد تین بار دہرایا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا تب بیٹھے۔

(۳) ان ابابھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما توفي النبي صلى الله عليه وسلم واستخلف ابو بكر وكفر من كفر من العرب قال عمر رضي الله تعالى عنه يا ابا بكر كيف تقاتل الناس وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله عصم مني ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على الله قال ابو بكر رضي الله تعالى عنه والله لا قاتلن من فراق بين الصلوة والزكوة الحديث۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۲ ج ۲)

”جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے ابو بکر! آپ صرف انکار زکوٰۃ پر مرتد قرار دیکر کینوں لوگوں سے قتال کر رہے ہیں؟ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم ہے جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لیں، جس نے کلمہ پڑھ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر اس کے حق کے ساتھ، یعنی کلمہ پڑھ کر بھی موجب قتل کام کیا تو قتل کا سزاوارٹھمیرگا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: واللہ! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، ایک کو ملنے دوسرے کا انکار کرے۔“

(۴) عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه في قصة رهط عكل، قتلوا الراعي واستاقوا الذود وكفروا بعد اسلامهم فأتى الصريخ النبي صلى الله عليه وسلم فبعث الطلب فما ترجل النهار حتى أتى بهم فقطع أيديهم وأرجلهم ثم أمر بمساير فاحميت فكحلهم بها

وطرحهم بالحرّة يستسقون فما يسقون حتى ماتوا۔

(صحیح بخاری ص ۲۲۳ ج ۱، ص ۱۰۵ ج ۲، صحیح مسلم ص ۵۷ ج ۲، سنن نسائی ص ۱۶۶ ج ۲)

”قبیلہ عکل کے لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ لوٹ لے گئے اور اسلام کے بعد کفر اختیار کیا، منادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے تعاقب میں کچھ لوگ بھیجے، ابھی دن چڑھا نہ تھا کہ وہ مرتد لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، پھر انکی آنکھوں میں گرم سلائی پھر دائی اور انھیں گرم پتھر یلی زمین پر ڈلوادیا۔ انھوں نے پانی طلب کیا مگر انھیں پانی نہ دیا گیا حتیٰ کہ اسی طرح جسم ارتداد میں ذلت کی موت مر گئے۔“

⑤ عن عبد الله رضى الله عنه: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا اله الا الله

وانى رسول الله الا بحدى ثلاث: الثيب الزان والنفس بالنفس والتارك لدينه

المفارق للجماعة (صحیح مسلم ص ۵۹ ج ۲، سنن ابی داؤد ص ۲۵ ج ۲، سنن ترمذی ص ۲۵۹ ج ۲، سنن نسائی ص ۱۶۵ ج ۲)

سنن ابن ماجہ ص ۱۸۲)

”جو شخص مسلمان ہو کر گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور میں

اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں مگر ان تین وجوہ میں سے کسی ایک

کے ساتھ، شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر جہا

مسلمین سے الگ ہونے والا۔“

⑥ قالت عائشة رضى الله تعالى عنها اما علمت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال لا يحل دم امرئ مسلم الا رجل زنى بعد احصائه او كفر بعد اسلامه او النفس

بالنفس (صحیح مسلم ص ۵۹ ج ۲، جامع ترمذی ص ۲۵۹ ج ۲، سنن نسائی ص ۱۶۵ ج ۲، سنن ابی داؤد ص ۲۵ ج ۲)

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا

خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اسلام کے بعد کفر

اختیار کرے یا ناحق کسی کی جان لے۔“

④ ان عثمان رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يحل دم امرئ

مسلم الا بحدى ثلاث رجل زنى بعد احصائه فعليه الرجم او قتل عمدا فعليه القودا وارتداد بعد

القتل المشد

اسلام فعلیہ القتل (سنن نسائی ص ۱۶ ج ۲، ص ۱۶۸ ج ۲، سنن ابن ماجہ ص ۱۸۲)

”کسی مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں، شادی شدہ زنا کرے تو اس پر جرم ہے، عمداً قتل کرے تو اس پر قصاص ہے، اسلام کے بعد مرتد ہو جائے تو واجب القتل ہے۔“

⑧ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سیخرج قوم فی آخر الزمان حدّاث الاسنان سفہاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ (لایجاوزایما نھم حناجرھم یمرقون من الدّین کما یمرق السهم من الرمیۃ فایئما لقیموھم فاقتلوھم فان فی قتلھما اجرًا لمن قتلھما یوم القیمة) (صحیح بخاری ص ۱۲۳ ج ۲)

”آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی کمن، کم عقل، تمام مخلوق کی نسبت عمدہ ترین گفتگو کرینگے مگر ان کا ایمان حلق سے نیچے نہ اترے گا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیرشکار سے پار ہو جاتا ہے جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کر دو۔ انکے قاتل کے لئے روز قیامت اجر ہے۔“ مراد زندیق خواجہ ہیں۔

⑨ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: کان عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ینکب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلّہ الشیطان فلاحق بالکفار فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل یوم الفتح فاستجار لہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاجارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سنن ابی داؤد ص ۲۵۱ ج ۲، سنن نسائی ص ۱۶۹ ج ۲)

”عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے شیطان نے انھیں بہکا یا تو مرتد ہو کر کفار سے مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے پناہ طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پناہ دیدی۔“ پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

⑩ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل عام الفتح وعلی رأسہ المغضر فلما نزعہ جاءہ رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال اقتلوہ (صحیح بخاری ص ۲۴۹ ج ۱)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھقی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُتاری تو ایک آدمی نے آکر بتایا کہ ابن خطل (مرتد) کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل کرو۔“

القتل المشتد

چنانچہ اسی حال میں قتل کر دیا گیا۔

(۱۱) عن حارث بن مضرب انه اتى عبد الله رضى الله تعالى عنه فقال ما بيني وبين احد من العرب حنة وانا مررت بمسجد لبني حنيفة فاذا هم يؤمنون بمسيلمة فارسل اليهم عبد الله فجيئ بهم فاستتابهم غير ابن النواحة قال له سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لولا انك رسول لضربت عنقه فانت اليوم لست برسول فامر قرظة بن كعب فضرب عنقه في السوق ثم قال من اراد ان ينظر الى ابن النواحة قتيلا بالسوق (سنن ابى داود ص ۲۷۷ ج ۱)

”حضرت حارث بن مضرب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ کے گورنر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اہل عرب سے کوئی کینہ نہیں، لہذا سچ کہتا ہوں کہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کی مسجد کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لانے کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلوایا بھیجا، جب وہ لائے گئے تو آپ نے ابن النواحہ کے سوا باقی مرتدین کو توبہ کی مہلت دی اور ابن النواحہ سے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرے متعلق یہ ارشاد سنا تھا کہ ”اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا“ لیکن آج تو قاصد نہیں، پھر آپ نے حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ سرعام اس کی گردن اڑا کر اسے لوگوں کے لئے نمونہ عبرت بنائیں، انھوں نے بھرے بازار میں اس کی گردن اڑادی، پھر آپ نے فرمایا: جو شخص ابن النواحہ مرتد کو دیکھنا چاہے تو وہ بازار میں مقتول پڑا ہے“

(۱۲) اذا بق العبد الى الشرك فقد حلت دمه (سنن ابى داود ص ۳۹ ج ۲)

”جب غلام اسلام سے مرتد ہو کر شرک کی طرف چلا جائے تو اس کا خون حلال ہے“ یہ وہ روایات ہیں جو معمولی جستجو سے ہمیں صحاح ستہ میں دستیاب ہوئیں، کتب حدیث کی چھان بین کی جائے تو اس سے زائد روایات مل سکتی ہیں، لیکن جو یائے حق کیلئے اتنی احادیث کافی ہیں۔

اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

کسی مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع پوری اُمت کے نزدیک حجت قطعہ ہے، افضل الخلائق بعد الانبیاء، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت

منعقد ہوتے ہی سب سے پہلے جس مسئلہ پر بلا استثناء فرد واحد پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا قولاً، عملاً، سکوتاً ہر پہلو سے اجماع منعقد ہوا وہ قتل مرتد کا مسئلہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نو مسلم قبائل میں ہر طرف کفر و ارتداد کی لہر دوڑ گئی، خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لشکر روانہ فرمائے، ان معرکوں میں جہاں ہزار ہا مرتدین کو واصل جہنم کیا گیا وہاں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی جام شہادت نوش فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مشہور مؤرخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قتل مسیلمہ کذاب کے ذیل میں لکھتے ہیں :

فكان جملة من قتلوا في الحديقة وفي المعركة قريبا من عشرة آلاف مقاتل و قيل لحد وعشرون الفا و قتل من المسلمين ستمائة وقيل خمسمائة فالله اعلم وفيهم من سادات الصحابة واعيان الناس (البدایة والنهاية ص ۳۲۵ ج ۶)

”مارے جانے والے کفار فوجیوں کی تعداد دس ہزار اور ایک قول کے مطابق کسے ہزار تھی مسلمانوں میں سے چھ سو اور ایک قول کے مطابق پانچ سو شہید ہوئے۔ ان شہداء میں کئی اکابر صحابہ اور دیگر معروف ہستیاں بھی شامل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین“

ایک دوسرے معرکہ ”مرتدین اہل عمان“ کا حال لکھتے ہیں :

وركب المسلمون ظهورهم فقتلوا منهم عشرة آلاف مقاتل۔

(البدایة والنهاية ص ۳۳ ج ۶)

”مسلمانوں نے ان پر یلغار کی اور دس ہزار فوجی تہ تیغ کئے“

اس پوری مہم میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش بدوش رہے۔ معہذا قتل مرتد کے متعلق ان حضرات سے الگ تصریحات بھی منقول ہیں۔ ایک مرتد کو مہلت دیئے بغیر فوری طور پر مسلمانوں نے قتل کر دیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا :

افلا ادخلتموه بيتاً واغلقتم عليه باباً واطعمتموه كل يوم رغيفاً ثم استتبتموه ثلاثاً فان تاب والاقتلتموه (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۱۰ وغیرہ)

”تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیتے اور ہر روز ایک چپاتی

القتل المشد ۱۰

اسے کھانے کو دیتے، پھر اسے توبہ کا موقع فراہم کرتے، اگر توبہ کر لیتا تو درست،
ورنہ قتل کر دیتے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوپر روایت کے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد گزر چکا ہے کہ مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں۔
مزید آپ سے منقول ہے :

انه كفر انسان بعد ايمانه فدعاہ الى الاسلام ثلاثاً فابی فقتله۔

(کتاب الخراج (ابن یوسف ص ۲۱۴، المحلی (ابن حزم ضو اج ۱۱ بحوالہ عبد الرزاق)
”ایک شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے اسے
تین بار دعوت اسلام پیش کی مگر اس نے انکار کیا، بالآخر آپ نے اسے قتل کر دیا۔“
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوپر صحیح بخاری کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے زنادقہ
کو زندہ جلا دیا۔

مزید منقول ہے :

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ : یستتاب المرتد ثلاثاً فان عاد یقتل۔

(ابن ابی شیبہ ص ۳۸۱ ج ۱۰، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۰ ج ۸)

”مرتد کو تین روز تک توبہ کی مہلت دی جائے اگر اسلام قبول کرے تو بہتر، ورنہ قتل کر دیا جائے۔“

اجماع اُمت :

خلفاء راشدین سمیت پوری جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کر نیکی بعد مزید
کوئی حوالہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں تاہم یہ دکھانے کے لئے کہ بعد کے تمام ادوار میں بھی
پوری اُمت مسلمہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر قائم رہی اور آج تک کسی فرد
بشر کو اس اجماعی حکم سے سرمو اختلاف کی جرأت نہ ہوئی ذیل میں مذاہب اربعہ وظاہریہ کا
اجماع نقل کیا جاتا ہے :

حنفیہ :

قال الامام المروغینی رحمہ اللہ تعالیٰ : واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعياذ باللہ
عرض علیہ الاسلام فان كانت له شبهة كشفت عنه (الحی قولہ) ویجبس ثلاثۃ ایام فان اسلم
والاقتل۔ وفي الجامع الصغير المرتد يعرض عليه الاسلام فان ابى قتل (هدایۃ ص ۵۸ ج ۱)

القتل المشد

”العیاذ باللہ کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اسے کوئی شبہ نہ ہو تو دُور کیا جائے۔“

اور تین دن تک اسے قید رکھا جائے، اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اور الجامع الصغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے، اگر قبول اسلام سے انکار کر دے تو قتل کر دیا جائے۔“

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: اعلیٰ ان المرتد یقتل بالاجماع کما مرّ (رسائل ابن عابدین ص ۳۱۸ ج ۱)

”یقین کر لو کہ مرتد باجماع اُمت واجب القتل ہے جیسا کہ ہم مفصل دلائل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں۔“

مالکیہ :

مالک عن زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غیر دینہ فاضر بوا عنقہ قال مالک ومعنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما نزل واللہ اعلم من غیر دینہ فاضر بوا عنقہ انه من خرج من الاسلام الى غیرہ مثل الزنادقة واشباهہم فان اولئک اذا ظهر علیہم قتلوا ولم یستتابوا لانه لا یعرف توبتہم وانہم کانوا یسترون الکفر ویعلنون الاسلام فلا یرى ان یستتاب هؤلاء ولا یقبل منهم قولہم، واما من خرج من الاسلام الى غیرہ واطہر ذلک فانه یستتاب فان تاب والا قتل ذلک اھ (موطأ مالک ص ۶۳۹)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مرتد کی گردن مار دو“۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دین اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اس کی گردن مار دو، جیسے زندیق اور ان جیسے دوسرے لوگ، غلبہ پانے کے بعد انھیں توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دیا جائے، اسلئے کہ ان کی توبہ کا حال معلوم نہیں ہو سکتا، یہ لوگ پہلے سے کفر چھپاتے تھے اور اسلام کا اظہار کرتے تھے اس لئے انھیں توبہ کا موقع نہ دیا جائے گا، اور انکی زبان سے توبہ کے الفاظ قبول نہ کئے جائیں گے، اور جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اور اس کا اظہار بھی کرے تو اسے توبہ کی مہلت دی جائے اگر توبہ کر لے تو بہتر،

القتل المشتد ۱۲

ورنہ قتل کر دیا جائے“

شافعیہ :

(وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ) فلم یجز فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم (لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث) احدھن الکفر بعد الایمان الا ان تكون کلمۃ الکفر تحلّ الدم کما یحلہ الزنا بعد الاحصان او تكون کلمۃ الکفر تحلّ الدم الا ان یتوب صاحبہ (الی قولہ) فلم یختلف المسلمون انه لا یحل ان یفادی بمرتد بعد ایمانہ ولا یمنّ علیہ ولا تؤخذ منه فدیۃ ولا یتراک بحال حتی یسلم او یقتل (کتاب الامم ص ۱۵۶ ج ۶)

”امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی : ”مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں“ کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ زانی محسن کی طرح مرتد توبہ کے بعد بھی واجب القتل ہے، دوسرا یہ کہ توبہ سے قتل کی سزا معاف ہو جاتی ہے، یہی راجح ہے، اُمتِ مسلمہ کا اسمیں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد سے فدیہ لینا یا احسان کر کے چھوڑ دینا، کسی حال میں بھی چھوڑنا جائز نہیں، بس ایک ہی صورت متعین ہے کہ وہ اسلام قبول کرے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے“

شراح موطاٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

وفی المحلی قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعوا علی قتله واختلفوا فی استتابته فقال الائمة الاربعة والجمهور رحمہم اللہ تعالیٰ انه یستتاب ونقل ابن القصار رحمہ اللہ تعالیٰ اجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم علیہ - وقال طاؤس والحسن والماجشون والیوسف رحمہم اللہ تعالیٰ لا یستتاب ولو تاب نفعته توبته عند اللہ ولا یسقط قتله اھ (اوجز المسالك ص ۲۸۷ ج ۵)

”امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتل مرتد کے مسئلہ پر پوری اُمت کا اجماع منعقد ہے اور اسے توبہ کی مہلت دینے میں اختلاف ہے -

ائمہ اربعہ اور جمهور رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ مہلت دی جائے ابن القصار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے -

اور امام طاؤس، حسن، ماجشون اور ابویوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے

القتل المشتد

کہ مہلت نہ دی جائے۔ اگر توبہ کر بھی لے تو یہ توبہ صرف عند اللہ نافع ہوگی مگر حکم قتل ساقط نہ ہوگا۔

حنابلہ:

قال الامام ابن قدامة رحمه الله تعالى: واجمع اهل العلم على وجوب قتل المرتد وروى ذلك عن ابي بكر وعثمان وعلي ومعاذ وابي موسى وابن عباس وخالد وغيرهم رضي الله تعالى عنهم ولهم ينكر ذلك فكان اجماعاً۔

مسألة: قال ومن ارتد عن الاسلام من الرجال والنساء وكان بالغاً عاقل ادعى اليه ثلاثاً أيام وضيق عليه فان رجع والاقتل (المغنى مع الشرح الكبير ط ۱۰ ج ۱) "قتل مرتد کے وجوب پر علماء اُمرت کا اجماع قائم ہے اور یہ حکم حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابو موسیٰ، ابن عباس، خالد اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہ کیا لہذا سب کا اجماع منقہ ہو گیا۔

مسئلہ: جو بالغ عاقل مرد یا عورت اسلام سے پھر جائے اسے تین دن حراست میں رکھ کر اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو درست ورنہ قتل کر دیا جائے۔

ظاہریہ:

اصحاب ظاہر کے مسلم امام علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی المحلی میں قتل مرتد کا مسئلہ احادیث و آثار صحابہ کی روشنی میں پورے بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۴ ج ۱۱)

مرتد کو جرم ارتداد کے بعد فوری قتل کر دیا جائے یا مہلت دی جائے؟ اور مہلت دی جائے تو کس حد تک؟ اس بارے میں مختلف مذاہب نقل کرنے کے بعد موصوف اپنا فیصلہ تحریر فرماتے ہیں:

ولیس قول من قال يستتاب مرتين باولئ مئة قال ثلاثاً ولا ممن قال اربعاً وخمساً واكثر من ذلك وكل هذه الاقوال بلا برهان فسقط هذا

القتل المشد

القول بلاشك فلم يبق الا قول من قال يدعى مرة فيقال له : ان من اسلم ثم ارتد قد تقدم دعاؤه الى الاسلام حين اسلم بلاشك ان كان دخيلا في الاسلام وحين بلغ وعلم شرائع الدين هذا ممّا لا شك فيه وقد قلنا ان التكرار لا يلزم فالواجب اقامة الحد عليه اذ قد اتفقنا نحن وانتم على وجوب قتله ان لم يراجع الاسلام (المحلى ص ۱۹۲ ج ۱)

”جو حضرات کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل سے پہلے دو بار مہلت دی جائے ان کا یہ قول ان حضرات کے قول سے کچھ زیادہ اولیٰ درجہ نہیں جو مرتد کو تین یا چار یا پانچ یا اس سے زائد بار مہلت دینے کے قائل ہیں، یہ تمام اقوال بلا دلیل ہیں، سو دو بار مہلت دیے جانے کا قول بھی یقیناً گر گیا۔ اب صرف ان حضرات کا قول رہ گیا جو کہتے ہیں کہ اسے قتل سے پہلے ایک بار مہلت دی جائے لیکن اسکے جواب میں کہا جائے گا کہ جو شخص اسلام لا کر مرتد ہو گیا اگر وہ نو مسلم تھا تو اس سے پہلے ہی جب اس نے اسلام قبول کیا تھا بلا شک و شبہ اسے دعوت اسلام مل چکی تھی، اور اگر پیدائشی مسلمان تھا تو جو نہی بالغ ہوا اور احکام دین کی اسے سمجھ حاصل ہوئی تو دعوت اسلام مل گئی، یہ بات کسی شک و شبہ سے بالا ہے۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ بار بار دعوت پیش کرنا ضروری نہیں، لہذا اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اس پر تو ہم اور تم متفق ہیں کہ اگر مرتد اسلام میں لوٹ کر نہ آئے تو اسے قتل کرنا واجب ہے“

قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قتل مرتد کا مسئلہ حسب عادت بہت مدلل بیان کیا ہے۔

(نیل الاوطار ص ۲ تا ص ۳ ج ۷)

اختصار کے پیش نظر ہم صرف انہی حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ ائمہ حدیث، فقہاء کبار اور دوسرے اساطین کی تصریحات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا استقصاء ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے، شاید ہی حدیث یا فقہ کی کوئی مستند کتاب ہو جس میں قتل مرتد کی تفصیل نہ ہو۔
عقل سلیم :

عقل سلیم کی رو سے بھی مرتد گردن زدنی ہے، اس لئے کہ وہ دین فطرت سے بغاوت کا علم بلند کر کے دین کا مذاق اڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، پوری امت مسلمہ کے جذبات سے کھیلتا ہے، دنیا میں اس سے بڑا فتنہ و فساد اور کیا ہوگا؟

روئے زمین پر کوئی ایسی حکومت نہیں جو اپنے نظام مملکت کو یوں تتر بتر ہوتا دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے، اس لئے دنیا کے ہر قانون میں باغی کی سزا قتل سے کم نہیں۔ مرتد صرف ایک ملک کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، اس کے وجود نامساعد سے انسانی معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے، ناسور زدہ عضو کا کاٹ پھینکنا بے رحمی نہیں بلکہ جسم و جان کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہے، اور اس سے غفلت برتنا موت کو دعوت دینا ہے۔ مرتدین اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں انکی حقیقت ملاحظہ ہو۔

مرتدین کی کٹ جھتی :

پھلجہ دلیل : لا اکراہ فی الدین قرآن مجید کا واضح اعلان ہے، لہذا کوئی مسلمان سوچ بچار کے بعد اپنا نظریہ تبدیل کرنا چاہتا ہے تو بجز واکراہ اسے اسلام میں داخل رکھنا تنگ نظری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآنی اصول اپنی جگہ مسلم، مگر سزائے مرتد سے اسکا کیا تعلق؟ اس آیت کا شان نزول جو سنن ابی داؤد، نسائی، ابن حبان وغیرہ کے حوالہ سے تمام معتبر تفاسیر میں منقول ہے یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں انصار کی کسی بانجھ عورت کو اولاد نہ ہوتی تو وہ نذرمان لیتی کہ ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دیدی تو اسے مذہب یہود میں داخل کر دوں گی“ بیٹے کی پیدائش پر وہ نذر پوری کر دیتی، اس طرح بہت سی انصار عورتوں نے اپنے بیٹے یہود کے حوالہ کئے ہوئے تھے۔ جب یہود کے قبیلہ بنی نظیر کو انکے کرتوتوں کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تو یہ انصاری نسل کے یہود بھی انکے ساتھ جانے لگے، اس پر بعض انصار بولے: ”ہم اپنے بیٹے انکے حوالہ نہ کریں گے بلکہ انھیں جبراً داخل اسلام کریں گے“ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں انصار کے الفاظ ہیں :

انما فعلنا ما فعلنا ونحن نری ان دیننا افضل مما نحن علیہ واما اذا جاء الله بالاسلام فنکرہم علیہ فنزلت لا اکراہ فی الدین (تفسیر قرطبی ص ۲۸ ج ۳ وغیرہ)
”ہم نے یہ سوچ کر اپنے بیٹے ان کے حوالہ کئے تھے کہ ان کا دین ہمارے دین سے افضل ہے، لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دولت اسلام سے نوازا تو اب ہم اپنے بیٹوں کو اسلام پر مجبور کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی“

شانِ نزول میں مفسرین نے اور بھی کئی واقعات نقل فرمائے ہیں جو سب کے سب اصلی کفار سے متعلق ہیں، ان واقعات میں کسی مرتد کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں۔
پھر یہ آیت بھی اپنے اطلاق پر نہیں، جزیرۃ العرب میں بسنے والے غیر اہل کتاب کفار اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بلکہ بعض حضرات نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :
وقد ذهب طائفة كثيرة من العلماء ان هذه محمولة على اهل الكتاب ومن دخل في دينهم قبل النسخ والتبديل اذ ابدلوا الجزية وقال اخرون بل هي منسوخة بآية القتال وانما يجب ان يدعى جميع الاصم الى الدخول في الدين الحنيف دين الاسلام فان اهل احد منهم الدخول فيه ولم ينقد له او يبذل الجزية قوتل حتى يقتل وهذا معنى الاكراه -
(تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۳ ج ۱)

”علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور ان لوگوں پر محمول ہے جو نسخ و تحریف سے پہلے ان کے دین میں داخل ہوئے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیریہ دنیا قبول کر لیں۔“

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں یہ آیت قتال سے منسوخ ہو گئی، اب تمام لوگوں کو دین حنیف میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، اگر کوئی دین میں داخل ہونے سے انکار کر دے، نہ دین میں مخلص ہو کر آنا چاہے نہ جزیریہ دے تو اس سے قتال کیا جائے گا حتیٰ کہ قتل کر دیا جائے، اکراہ کے یہی معنی ہیں۔“

غرض لا اکراہ فی الدین کا اصول عام کفار سے متعلق ہے، قتل مرتد کا مسئلہ اس سے بالکل الگ تھلگ ہے، اس سلسلہ میں ہم اُمت کا اجماعی موقف بالتفصیل تحریر کر چکے ہیں۔
دوسری دلیل: سزائے قتل ہر مرتد کے لئے نہیں بلکہ خاص اس مرتد کے لئے ہے جو محارب و باغی ہو جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح گزر چکی ہے:
التارك لدينه المفارق للجماعة،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ”المفارق للجماعة“ کی قید احترازی نہیں واقعی ہے، ہر مرتد باغی و منفسد اور جماعت مسلمین سے الگ تھلگ ہے، ورنہ دوسری احادیث جو پیچھے مفصل نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں اس کا اشارہ تک نہیں کہ مستوجب قتل ہونے کے لئے جرم

ارتداد کے ساتھ بغاوت بھی شرط ہے۔

اگر مرتدین کی یہ اپج تسلیم کر لی جائے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ ارتداد کوئی جرم نہیں، اس لئے کہ ہر باغی خواہ وہ مسلمان ہی ہو حالت بغاوت میں واجب القتل ہوتا ہے، جب جرم بغاوت کی مستقل سزا قتل ہے تو جرم ارتداد کو اس کے ساتھ نہتی کرنے کی کیا ضرورت؟

حقیقت یہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے خواہ وہ باغی ہو خواہ مطیع، جیسا کہ باغی کی سزا قتل ہے خواہ وہ مرتد ہو خواہ مسلمان، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پوری اُمت کا متواتر عمل اس پر شاہد ہے، کتب حدیث میں بھی بغاوت و محاربین اور مرتدین کی سزائوں کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے گئے ہیں، دونوں کو خلط ملط کرنا پوری اُمت کی تجہیل اور احادیث کے ایک پورے باب کا انکار ہے۔

تیسری دلیل: دنیا میں مرتد کی کوئی سزا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جرم قانون کی زد میں نہیں آتا، یہ خالص آخروی معاملات ہیں سے ہے، خود قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے:

ومن یرتد دینہ عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (۲-۲۱۷)

اس دلیل کا کھوکھلا پن بھی ظاہر ہے، آخروی جرم ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دنیا میں اس جرم سے متعلق کوئی باز پرس نہ ہو، یوں تو زنا، ڈکیتی، قتل سب ہی جرائم آخرت ہیں، آخران پر شریعت نے دنیا میں ایسی شدید سزائیں کیوں رکھی ہیں؟ اگر ہر جرم کا فیصلہ آخرت پر ہی چھوڑ دیا جائے تو دنیا میں جرائم کی کھلی چھوٹ مل جائے گی، کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے متعلق جو قتل کا فیصلہ صادر فرمایا، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں مرتدین کو جہنم رسید کیا، کیا یہ سب حضرات قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے نا آشنا اور ظالم تھے؟ العیاذ باللہ!

چوتھی دلیل: ایک چلتی ہوئی دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اسلام میں آزادی فکر پر کوئی قدغن نہیں، اسلامی ریاست میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے، اور قتل مرتد کا قانون اس حق کو سلب کرتا ہے لہذا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

آزادی فکر کی دہائی دینے والے ان اسیران فکر فرنگ سے کوئی پوچھے کہ آزادی فکر کی کوئی حد بھی ہے؟ اگر ہر فرد کو بے لگام چھوڑ دینے کا نام آزادی فکر ہے تو قتل و غارت گری، فتنہ و فساد اور بغاوت کے الفاظ مہمل اور بے معنی رہ جاتے ہیں، ان پر کسی باز پرس یا سزا کا جواز باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ ان جرائم کے مرتکب اپنی اپنی ”آزادی“ کا مظاہرہ کر رہے ہیں، انکار راستہ روکنا انھیں انکے جمہوری حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے، اسلام میں ایسی آزادی کا کوئی تصور نہیں۔

بچپن میں ایک سیاسی لیڈر اور عالم دین کے مابین اس موضوع پر ایک دلچسپ مکالمہ نظر سے گزرا تھا جسے موضوع کی مناسبت سے یہاں دہرایا جاتا ہے :

مسٹر: مولانا! آپ یوں تو غیروں کے آگے یہ صفائی دیتے نہیں تھکتے: ”ہمارے دین میں فسرد کی آزادی پر کوئی روک نہیں، نہ ہی ہم دین کے معاملہ میں کسی کو مجبور کرتے ہیں۔“

مگر دوسری جانب کوئی شخص آزاد فکری سے سوچ بچار کر کے اسلام سے نکل جائیگا فیصلہ کرتا ہے تو آپ اس کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں، یہ کیا تنگ ہوئی؟

مولانا: ذرا یہ فرمائیے کہ کوئی غیر ملکی باشندہ اپنے ملک میں بیٹھ کر پاکستان کی مخالفت کرے اور بانیان پاکستان پر یکچڑ اچھالے تو آپ اس سے کیا سلوک روا رکھیں گے؟

مسٹر: وہ تو ہماری دسترس سے باہر ہے ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

مولانا: اچھا اگر وہ پاکستان آجائے اور یہاں کی شہریت قبول کر کے ایسا کرے تب؟

مسٹر: تب تو وہ ملک کا غدار کہلائے گا جسے ہم گولی سے اڑا دیں گے۔

مولانا: بس! بس! یہی کچھ ہم دین کے معاملہ میں کہتے ہیں۔

”اگر کوئی کافر حقیض کفر میں پڑے ہوئے اسلام پر یکچڑ اچھالے اس کی مقدس ہستیوں پر دست درازی کرے تو اس سے کسی حد تک چشم پوشی ممکن ہے۔ مگر یاد رکھئے اسلام کے حظیرۃ القدس میں قدم رکھنے کے بعد اگر ایسی جسارت کرے تو یہ غدار کسی رُور عایت کا مستحق نہیں“

اگر آپ ملک کے غدار کو گولی سے اڑا سکتے ہیں تو کیوں نہ ہم مسلمان اپنے دین کے غدار کو توپ سے اڑا دیں؟

خلاصہ:

یہ کہ قتل مرتد کا مسئلہ اُمت مسلمہ میں نہ کبھی مختلف فیہ تھا نہ اب ہے، ایسے بدیہی مسئلہ

کا انکار بجائے خود بدترین کفر و ارتداد اور لائق گردن زدنی جرم ہے۔
مرتد کے دوسرے احکام :

① حبط اعمال : مرتد کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، البتہ مسلمان ہونے پر ان کی قضا و واجب نہیں سوائے حج کے، اگر مرتد ہونے سے پہلے حج کیا تھا تو دوبارہ مسلمان ہونے پر بشرط استطاعت حج کا اعادہ ضروری ہے۔

بہت سے محقق علماء کے نزدیک ارتداد سے قبل کی قضا شدہ نماز و زکوٰۃ کی قضا بھی واجب ہے اور اس زمانہ کے حقوق العباد بھی واجب الادا رہیں۔

② بیوی بائنہ ہو جائے گی قبول اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہو گا۔
③ مرتد ہوتے ہی اپنے اموال سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، لیکن یہ زوال موقوف رہے گا۔

اگر مسلمان ہو گیا تو ملکیت حسب سابق لوٹ آئے گی۔

اور حالت ارتداد میں ہی مرگیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو حالت اسلام کی کمائی ہوئی ملکیت سے زمانہ اسلام کے مالی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی مسلمان وارثوں کو ملے گی، اور زمانہ ارتداد کی کمائی سے زمانہ ارتداد کے حقوق ادا کرنے کے بعد باقی فیئ قرار پائے گی۔

④ دیگر مالی تصرفات بیع، ہبہ، رہن، اجارہ وغیرہ بھی موقوف ٹھہریں گے، اگر مسلمان ہو گیا تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ کالعدم قرار پائیں گے۔
⑤ مرتد کا وقف باطل ہو جائے گا۔

⑥ حالت ارتداد میں کیا گیا نکاح، ذبیحہ، شکار (جو بسم اللہ پڑھ کر مثلاً شکاری کتے، بازی تیر کے ذریعہ مارا ہو) گواہی اور میراث (جو اسے ملنا تھی) باطل و کالعدم ہیں۔
نیز اس کے مالی حقوق حلال ہو جائیں گے، انکی ادائیگی ضروری نہیں۔

⑦ حاکم وقت کے لئے بہتر ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کرے اور تین دن قید رکھ کر اسکے شبہات دور کرے، اس دوران اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دے۔

مرتد کا اسلام اس صورت میں معتبر ہو گا کہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کے سوا تمام ادیان سے برات کا اعلان کرے، یا فقط اس دین سے بیزاری کا اظہار کرے جسے اختیار کر کے مرتد بنا تھا، یوں رسمی طور پر صرف کلمہ پڑھ لینے سے مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

⑧ مرتد ۵ جب تک مسلمان نہ ہو قید میں رکھی جائے گی، اس دوران اسکی پٹائی بھی کیجاتی رہے گی اور اس سے ہر قسم کا مقاطعہ رکھا جائیگا تا وقتیکہ مسلمان ہو جائے یا اسے موت آجائے۔
اس دوران اگر اسے کسی نے قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں۔
یہ حکم عام مرتد کا ہے، ساحرہ (جادوگر) کے لئے سزائے قتل ہی متعین ہے۔
خفتی مشکل کے بھی یہی احکام ہیں۔

⑨ نابالغ مگر عاقل و متمیز بچے کا اسلام و ارتداد بھی معتبر ہے۔
اگر کسی کافر کا بچہ مسلمان ہو گیا یا والدین کے ساتھ تبعاً مسلمان تھا اور بلوغ سے قبل مرتد ہو گیا تو واجب القتل نہیں، نہ بلوغ سے قبل نہ بعد، البتہ قید کر کے اور مار پیٹ کر اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اگر اس حال میں کسی نے قتل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں۔
اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے اسلام کا اقرار کیا پھر مرتد ہو گیا تو واجب القتل ہے۔
کسی شخص کو جبراً مسلمان بنایا گیا وہ مرتد ہو گیا تو واجب القتل نہیں۔
⑩ مرنے پر مرتد کو کسی قبرستان میں (خواہ مسلمانوں کا ہو یا کفار کا) دفنانا جائز نہیں بلکہ الگ سے ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش ڈالی جائے۔

محمد ابراہیم
نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
۶ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ، بحبری

تتمة

من العبد الفقير الى رحمة ربه الغني الحميد رشيد احمد وفقه الله لما فيه رضاه

زنا و فہ اور ان کے احکام

عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنا و فہ کو بھی مرتد ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔
زندقہ کی تعریف :

جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد

کو اسلام قرار دیتا ہو۔
دور حاضر کے زنادقہ :

① شیعہ ، یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث ، زنادقہ کے اس اجبث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہے ہیں اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا بلکہ اس کا عشرہ عشیر بھی نہیں کر سکا۔

② مرزائی ، قادیانی و لاہوری۔

③ آغا خانی ، اسماعیلی ④ بوہری ⑤ بہائی

⑥ مہدوی ، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ۔

⑦ منکرین حدیث ، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ۔

⑧ انجمن دینداران ، مدعی الوہیت ”چن بسویشور“ کے بندے۔

زنادقہ کے احکام :

① حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے ، خواہ کوئی خود زندقہ بننا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو ، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں ، اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں مگر زندقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

② گرفتار ہونے کے بعد انکی توبہ قبول نہیں ، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

③ ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

④ ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

⑤ ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا

حکم ”کتاب المخطر والاباحۃ“ میں ہے۔

⑥ ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

⑦ مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں ، کہیں گڑھا کھود کر اس

میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

ارزی الحجہ سنہ ۱۴۱۴ھ

کتاب اللقطة

کافر کا لقطہ :

سوال : زید کسی کافر کا مقروض تھا وہ قرضخواہ ہندوستان میں جا کر کہیں لاپتہ ہو گیا، اس تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، زید اس رقم کا کیا کرے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ادّلا خط و کتابت یا دیگر ممکنہ ذرائع سے قرضخواہ یا اس کے ورثہ کا پتہ لگانے کی کوشش کرے، انتہائی کوشش کے بعد جب مایوسی ہو تو اس رقم کا صدقہ کر دے۔
اس صورت میں اصل حکم تو بیت المال میں جمع کرانے کا ہے مگر چونکہ حکومت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال مفقود ہے، اس لئے فقرا پر تصدق کر دے۔

قال فی البہندیۃ کل لقطۃ یعلم انہا الذمی لا ینبغی ان یتصدق ولکن یمصرف الی بیت المال لنوائب المسلمین، کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ ص ۲۹ ج ۲)
ومثلہ فی الشامیۃ ص ۲۹ ج ۲، واللہ تعالیٰ اعلم

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

گھڑی ساز کو گھڑی دیکر واپس نہیں آیا :

سوال : زید گھڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے لوگ مرمت کے لئے گھڑیاں اسے دے جاتے ہیں ان میں سے کچھ گھڑیاں کئی سال سے اس کے پاس پڑی ہیں جن کا کوئی مالک اب تک نہیں آیا۔ اور نہ آئندہ آنے کی امید ہے، گھڑی ساز کو ان مالکان کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ کون لوگ ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ مزید رکھے رہنے سے گھڑیاں زنگ آلود ہو کر بے کار ہو جائیں گی ان کا کیا کیا جائے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گھڑی ساز اگر مالکان کی آمد سے مایوس ہو چکا ہے تو ان گھڑیوں کو صدقہ کر دے، صدقہ کرنے کے بعد اگر کسی گھڑی کا مالک آ جائے تو اسے اختیار ہو گا کہ اس تصدق

موقوف کو نافذ کر دے یا لقطہ اٹھانے والے سے اس کا ضمان وصول کرے یا فقیر سے گھڑی لے لے اگر گھڑی اس سے ضائع ہو چکی ہو تو اس سے ضمان وصول کرے۔
اگر لقطہ اٹھانے والے نے ضمان ادا کیا تو صدقہ کا ثواب اس کو ملے گا۔
گھڑی ساز کے لئے اس گھڑی کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال لا قام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فان جاء صاحبها والاتصدق بها ایصالا للحق الی المستحق وهو واجب بقدر الامکان وذلك بايصال عينها عند الظفر بصاحبها وايصال العوض وهو الثواب علی اعتبار اجازة التصديق بها وان شاء امسكها رجاء الظفر بصاحبها۔

قال فان جاء صاحبها یعنی بعد ما تصدق بها فهو بالخيار ان شاء امضى الصدقة وله ثوابها لان التصديق وان حصل باذن الشرع لم يحصل باذنه فيتوقف علی اجازته والملک یثبت للفقير قبل الاجازة فلا يتوقف علی قیام المحل بخلاف بیع الفضولی لثبوته بعد الاجازة فيه وان شاء ضمن الملتقط لانه سلم ماله الی غیره بغیر اذنه الا انه باباحة من جهة الشرع وهذا لا ینافی الضمان حقاً للعبد كما فی تناول مال الغير حالة المخصصة وان شاء ضمن المسکین اذا هلك فی یده لانه قبض ماله بغیر اذنه وان كان قائماً اخذ لانه وجد عين ماله (هدایة ص ۶۵ ج ۲)
واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر ۱۳۸۸ھ

مالک مکان لاپتہ ہو گیا تو کرایہ کس کو دے؟

سوال : زید کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، جب تک مالک مکان کرایہ وصول کرتا رہا زید کرایہ ادا کرتا رہا، مگر اب کچھ عرصہ سے وہ غائب ہے، مارکیٹ میں اس کی دکان ہے، وہاں جا کر معلوم کیا تو وہ بھی بند پڑی ہے، نہ معلوم زندہ ہے یا فوت ہو گیا؟ اس کا کرایہ کس کو ادا کیا جائے؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسے تلاش کرنا ضروری ہے، ہر ممکن حد تک تلاش و جستجو سے سراغ نہ لگے تو مزید

انتظار کیا جائے، اگر اس کی آمد سے بالکل مایوسی ہو جائے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو یہ رقم اس کی طرف سے مساکین پر صدقہ کی جائے، اگر کسی وقت وہ آگیا اور یہ صدقہ اس نے منظور کر لیا تو فہما، ورنہ وہ پوری رقم اسے دوبارہ ادارہ کی جائے، اس صورت میں صدقہ کا ثواب کرایہ دار کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

قلم پڑاملا :

سوال : زید کو ایک قلم راستہ میں پڑا ہوا ملا، کیا یہ قلم زید خود رکھ سکتا ہے؟
بیٹو اتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

زید پر اس کا اعلان واجب ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ اب اس کا کوئی مالک نہ آئے گا تو صدقہ کر دے، زید مسکین ہے تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔

قال فی التنویر: فینتفع الرافع بھالوفقیراً والا تصدق بھاعلی فقیر
ولو علی اصلہ و فرعہ و عرسہ (رد المحتار ص ۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ

ماہانہ رسالہ کا خریداروں تک پہنچانا مشکل ہو گیا :

① مشرقی پاکستان کے کچھ لوگ الابقار منگاتے تھے، بعد میں بنگلہ دیش بن گیا، اب کسی کے نو رسالے کسی کے دس رسالے باقی ہیں، ڈاکخانہ کا خرچہ اب کافی بڑھ گیا ہے وہاں سے لوگوں کے خطوط بھی آئے اپنے رسالے وصول کرنے کے لئے، ان کو میں نے لکھ دیا کہ دعا کریں منی آرڈر کھل جائے تو جن حضرات کے رسالے رُکے ہوئے ہیں انہی جتنی رقم میرے پاس بچتی ہے ان سب کو کل نقد روپیہ روانہ کر دوں گا، لیکن منی آرڈر اب تک نہ کھلا۔

اتفاق سے مولانا محمد اللہ صاحب کے صاحبزادہ تشریف لائے، میں نے ان سے کہا کہ تمام حضرات کی رقوم مع پتہ اور خرچہ منی آرڈر کے آپ کو دے دیتا ہوں آپ وہاں جا کر روانہ کر دیں، انھوں نے منظور کر لیا، کیا اس صورت میں میں قرض سے

سبکدوش ہو جاؤں گا؟

(۲) پھر میں نے کہا کہ ان میں بہت سے بہاری ہونگے جو کہ ہجرت کر گئے ہونگے یا بہت سے فوت ہو گئے ہونگے، جن کے منی آرڈر واپس آئیں گے، لہذا ان کی رقم اپنے مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں، کیا مدرسہ کے مستحق لوگوں کے دینے سے میں سبکدوش ہو جاؤں گا؟

(۳) کچھ لوگ اپنے رسالے دستی لے جاتے ہیں جو اب عرصہ سے نہیں آرہے ہیں، میری نیت ہے کہ تمام رسالے کسی دینی مدرسہ میں مستحق طلبہ میں تقسیم کرادوں، پھر اگر وہ آگئے تو ان کو دوبارہ دیدونگا ایسے ہی ہندوستان سے لوگ رسالہ منگاتے تھے، اب نہیں منگا رہے ہیں انکے بارے میں بھی یہی خیال ہے یعنی تقسیم کرنے کا۔ بیٹنوا توجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) اگر تمام رقوم آپ نے کسی بھی معتبر آدمی کے ہاتھ روانہ کر دیں اور منی آرڈر کا خرچ بھی آپ نے دیدیا تو آپ اس قرض سے سبکدوش ہو جائیں گے، بشرطیکہ مارکٹ کو رقوم مل جائیں، اگر ان کو نہ ملیں تو آپ سبکدوش نہ ہونگے۔

(۲) جن لوگوں کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ورثہ کو تلاش کیا جائے اگر ورثہ نہ ملیں تو یہ رقوم مستحق طلبہ کو دیدینے سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

جو بہاری ہجرت کر گئے اگر کوشش کے باوجود ان تک یا ان کے ورثہ تک رسائی نہ ہو سکے تو یہ رقوم بھی مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں، پھر اگر کوئی اتفاق سے آجائے اور وہ صدقہ پر رضا مند نہ ہو تو اس کو دوبارہ رقم دینا ہوگی۔

(۳) جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رمضان ۱۴۱۷ھ



کتاب الشریکۃ

باپ اور بیٹوں کی مشترک کمائی باپ کی ملک ہے :
سوال : زید نے اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مل کر کاروبار کیا اور ایک معقول رقم جمع کر لی، زید کا ایک نابالغ بیٹا بھی تھا جو اب بالغ ہو گیا ہے لیکن اس نے کچھ کمایا نہیں، اب اگر زید جمع کردہ رقم تینوں بیٹوں میں برابر سراسر تقسیم کرنا چاہے تو یہ جائز ہو گا یا نہیں؟ یعنی تیسرے بیٹے کا اس رقم میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

باپ اور بیٹوں کے مشترک کاروبار کی صورت میں تمام ملک باپ کی شمار ہوتی ہے، لہذا باپ اپنی زندگی میں جو تصرف چاہے کر سکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تیسرے بیٹے کو بھی ترکہ میں برابر کا حصہ ملے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی القنیۃ : الاب و ابنہ یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لہما شیء فاکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینالہ الا تری لو غرس شجرة تكون للاب (الی ان قال) وفي الخانیۃ زوج بنیہ الخمسة فی دارہ وکلہم فی عیالہ واختلفوا فی المتاع فہو للاب وللبنین الثیاب الخ (والمختار ص ۳۶ ج ۳)
 واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء ۷۷ھ

مشترک کمائی میں سب کا برابر حصہ ہے :
سوال : ایک شخص کے چھ لڑکے ہیں، اور سب کے سب کمائی میں شریک ہیں، لیکن ان میں سے بعض ہشیار اور تجربہ کار ہیں، جن کی کمائی نسبتاً زیادہ ہے اور بعض بے محنت اور سست ہیں جن کی کمائی کم ہے، ان سب نے مل کر ایک زمین خریدی اور پھر فروخت کر دی۔

اب زیادہ کمانے والے بھائی کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ حصّہ ہمارا ہے اور دوسرے بھائی کہتے ہیں سب کا حصّہ برابر ہے، فریقین میں سے کس کی بات درست ہے اور اس رقم کی شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ رقم مشترک ہے، اور اس میں تمام بھائی برابر کے حصّہ دار ہیں۔

قال فی التنبیر وشرحہ : وما حصلہ احدہما فله وما حصلہ معافلہما نصفین ان لم یعلم مال کل واحدہما باعانة صاحبہ فله ولصاحبہ اجر مثله بالغاما بلغ الخ

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : یؤخذ من ہذا ما افاق بہ فی الخیریتۃ فی زوج امرأۃ وابنتہا اجتماعا فی دار واحدۃ واخذ کل منہما یکسب علی حدۃ ویجمعان کسبہما ولا یعلم التفاوت ولا التساوی والتمیز فاجاب بانہ بینہما سوئیۃ وکذا لو اجتمع اخوة یعملون فی ترکۃ ابیہم ونما المال فہو بینہم سوئیۃ ولو اختلفوا فی العمل والرأی اھ (رد المحتار ص ۳۶) لیکن اگر مشترک کاروبار میں تفاوت معلوم ہو اور معین زیادتی اقرار یا بینہ سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کا اعتبار ہوگا کما هو مفہوم من العبارة المذكورة ومصرح قبیلہا فی الشامیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء ۷۶ھ

ایک شریک کے لئے زائد منافع کی شرط :

سوال : زید ایک کرائے کی دکان کا مالک ہے جس میں وہ کاروبار کرتا ہے اب زید اور بکر نے اس میں مشترک کاروبار شروع کیا، کاروبار میں زید نے دو ہزار اور بکر نے چھ ہزار روپے شامل کئے، طے یہ پایا کہ نفع میں سے پینتیس فیصد زید لے گا اور پینسٹھ فیصد بکر لے گا اور اسی تناسب سے دونوں نقصان بھی برداشت کریں گے، لیکن یہ بھی طے پایا کہ زید نہ تو کوئی کام کریگا اور نہ ہی انتظامی امور میں کسی قسم کی مداخلت کرے گا، ہر ماہ کے اختتام پر حساب کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد نفع تقسیم کرتے رہیں گے، مگر ہوا یوں کہ بکر ابتداء میں تو چند ماہ تک باقاعدہ حساب کر کے زید کو نفع دیتا رہا، بعد

میں باقاعدگی سے حساب کرنا چھوڑ دیا، یونہی اندازہ سے زید کو نفع کی کچھ رقم دیتا رہا، زید نے اس پر اعتراض بھی کیا، مگر بکڑتا رہا، البتہ کبھی کبھار اسے مطمئن کرنے کے لئے رقم کی مقدار میں معمولی سار دو بدل کر دیتا، اور اب اس کا یہ معمول چلا آرہا ہے، سوال یہ ہے کہ اس انداز سے نفع کی تقسیم جائز ہے یا ناجائز؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر عند العقد شریکین میں سے کسی ایک کے لئے کاروبار میں کوئی کام نہ کرنا طے پایا تو اس کے لئے اس کے رأس المال کی مقدار سے زائد منافع کی شرط جائز نہیں، ہر شریک کا نفع و نقصان دونوں میں اس کے سرمایہ کے مطابق حصہ ہوگا، زید کا پچیس فیصد اور بکر کا پچھتر فیصد، البتہ زید دوکان کا کرایہ لے سکتا ہے۔

منافع کی تقسیم میں حساب کی پوری جانچ پڑتال ضروری ہے، تخمینہ سے کچھ لینا دینا جائز نہیں، اس سے پہلے تخمینہ سے جس قدر نفع کی تقسیم ہوتی رہی اس پر فریقین توبہ استغفار کریں۔

قال لعلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدھما الف وللاخرالفان مثلاً واشترطا التساوی فی الربح (وقوله وعکسہ) ای بان یتساوی المالاں ویتفاضلا فی الربح لکن ہذا مقید بان یشترطا الاکثر للعامل منھما واکثرھما عملاً اما لو شرطاه للقاعد او لاقلمھما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال قلت والظاهر ان ہذا المحمول علی ما اذا کان العمل مشروطاً علی احدھما وفي النہر اعلم انھما اذا شرطتا العمل علیھما ان تساویا مالا وتفاوتا ربحاً جاز عند علمائنا الثلاثۃ خلافاً لزیفر والربح بینھما علی ما شرطتا وان عمل احدھما فقط وان شرطاه علی احدھما فان شرطتا الربح بینھما بقدر رأس مالھما جاز ویكون مال الذی لا عمل لہ بضاعة عند العامل لہ ربحہ وعلیہ وضیعتہ وان شرطتا الربح للعامل اکثر من رأس مالہ جاز ایضاً علی الشرط ویكون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطتا الربح للدافع اکثر من رأس مالہ لا یصح

الشرط ویكون مال الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضیعة بينهما على قدر رأس مالهما ابدًا هذا حاصل ما فی العناية اه ما فی النهر، قلت وحاصل ذلك كله انه اذا تفاضلا فی الربح فان شرطًا العمل علیهما سوية جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وكذا الموشط العمل على احدهما وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اکثر ولو كان الاكثر لغير العامل او لا قلها عملاً لا یصح وله ربح ماله فقط وهذا اذا كان العمل مشروطاً (رد المحتار ص ۳۵۳ ج ۳)

غرة ربيع الاول سنة ۱۲۸۵ھ

مشترک مال میں بلا اجازت تصرف کرنا :

سوال : چار بھائیوں کی مشترک جائیداد تھی، ان کے والد کا انتقال ہو گیا، بعد ازاں دو بڑے بھائی جائیداد میں تصرف کرتے رہے اور دو چھوٹے بھائی جو عاقل و بالغ تھے ان کے تابع ہو کر رہے، ان چاروں بھائیوں کی ایک مشترک زمین کسی شخص نے بلا اجازت فروخت کر دی، بائع کا انتقال ہو گیا، بڑے بھائیوں نے مشتری کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا، بالآخر عرصہ آٹھ سال بعد یہ زمین ان کو واپس مل گئی، لیکن دونوں بڑے بھائیوں نے آٹھ سال کی پیداوار مشتری کو معاف کر دی اور پھر زمین دوبارہ اسی کے ہاتھ فروخت کر دی، یہ پورا تصرف چھوٹے بھائیوں کے اذن کے بغیر کیا، سوال یہ ہے کہ یہ تصرف صرف بڑے بھائیوں کے حق میں نافذ ہو گا یا چھوٹے بھائیوں کے حق میں بھی؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مارکان کو زمین کے خسریدار سے زمین کا اجر مثل یعنی ٹھیکے کی معروف رقم لینے کا حق تھا، بڑے بھائیوں کا معاف کرنا صرف ان ہی کے حق میں نافذ ہو گا، چھوٹے بھائیوں کا حصہ معاف نہیں ہو گا، لہذا مشتری کے ذمہ زمین کے اجر مثل سے ان کا حصہ ادا کرنا دیانہ واجب ہے۔

یونہی بعد میں جو دو بڑے بھائیوں نے زمین مشتری کے ہاتھ فروخت کی تو یہ تصرف بھی صرف ان کے اپنے حصے میں صحیح ہے، چھوٹے بھائیوں کے حصہ میں صحیح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۲۸۵ھ ہجری

سامان میں شرکت عنان صحیح نہیں :

سوال : زید، بکر اور عمرو مشترک کاروبار کرنا چاہتے ہیں، زید کی ایک دکان ہے جو کرایہ پر چلائی ہوئی ہے جس کی قیمت تیرہ ہزار اور کرایہ پینتیس روپے ماہوار ہے، بکر اور عمرو چار چار ہزار روپے شامل کرتے ہیں، دکان سمیت یہ پوری مالیت اکیس ہزار روپے بن جاتی ہے، اب فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اصل نفع کا نصف تو کام کرنے والے شرکاء کی محنت کا معاوضہ ہوگا اور باقی نصف شرکاء کے سرمایہ کے مطابق شرکاء میں تقسیم ہوگا، شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شرکت عنان ہے جس میں نقد روپے کا وجود شرط ہے۔

صورت سوال میں ایک طرف سامان اور دوسری طرف نقد ہے، لہذا یہ شرکت صحیح نہیں، اس کو صحیح کرنے کی صورت یہ ہے کہ پہلے زید بکر اور عمرو کو مرکان میں شریک کرے، پھر برابر یا کم و بیش سرمایہ لگا کر عقد شرکت کر لیں۔

قال فی التنبیہ و شرحہ : ولا تصح مفاوضۃ وعنان ذکر فیہما المسال والا فہما تقبل وجوہ بغیر النقودین والفلوس النافقۃ والتبر والنقرۃ ای ذہب وفضۃ لم یضربا ان جرى مجرى النقود التعامل بهما۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (بغیر النقودین) فلا تصحان بالعرض ولا بالمکیل والموزون والعدد المتقارب قبل الخلط بجنسہ واما بعدہ فکذلک فی ظاہر الروایۃ فیکون المخلوط شرکتہ ملک وهو قول الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ شرکتہ عقد۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ

مشترک کاروبار میں نقصان ہو گیا :

سوال : دو ہزار روپے بکر کے اور ایک ہزار روپے زید کا ہوا اور کاروبار میں نقصان ہو جائے تو زید پر کتنا نقصان آئے گا اور بکر پر کتنا؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس نقصان کو پہلے نفع سے پورا کیا جائے گا، اگر نفع سے پورا نہیں ہوتا تو دونوں پر بقدر حصہ نقصان آئے گا، یعنی ایک ہزار والے پر ایک تہائی اور دو ہزار والے پر دو تہائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ ارذی قدرہ ششہ

ہر شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے :
سوال : زید نے چند دوسرے شرکاء کے ساتھ مل کر مشترک کاروبار کے لئے ایک دکان خریدی، ان کے ساتھ عمرو نے بھی شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اسے اس شرط پر شریک کر لیا گیا کہ وہ حسب معمول تعلیم قرآن کی خدمت میں مشغول رہے گا اور کاروبار میں کسی قسم کا عمل دخل نہ رکھے گا، نیز یہ بھی طے پایا کہ زید کام زیادہ کرے گا، اس لئے منافع میں اس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا یعنی چالیس فی صد نفع زید کے لئے اور ساٹھ فی صد بقیہ شرکاء کے لئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شرکار زید کی خیانت پر مطلع ہوئے، اس لئے وہ اسے شرکت سے الگ کرنا چاہتے ہیں کیا شرعاً وہ اس کے مجاز ہیں، نیز زید کا مطالبہ ہے کہ الگ ہونے کی صورت میں دکان کی موجودہ قیمت لگا کر اسے اس کا حصہ دیا جائے، اس لئے کہ دکان کی موجودہ قیمت پہلے سے زیادہ ہے، کیا زید کا یہ مطالبہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

ہر شریک کو ہر وقت اختیار ہے کہ دوسرے شرکار کی رضا کے بغیر جب چاہے شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاء مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل بقدر حصہ اور منافع حسب شرط تقسیم کر لیں۔

اگر کوئی چیز لینے کا ہر شریک خواہش مند ہو تو بصورت نیلام جو شریک زیادہ قیمت پر خریدنے کو آمادہ ہو اسے دیدی جائے۔

لہذا شرکار کا زید کی شرکت کو ختم کر دینا صحیح ہے خواہ اس کی کوئی معقول وجہ ہو یا نہ ہو، البتہ زید دکان کی موجودہ قیمت سے اپنے حصہ کا مستحق ہے اور اگر تمام شرکار سے زیادہ قیمت دیگر دکان خود رکھنا چاہے تو زید کو اس کا بھی اختیار ہے جیسا کہ دوسرے ہر شریک کو بھی یہ اختیار ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : وفي البحر عن البرازية اشتراكا و
اشتریا امتعة ثم قال احد هما لا اعمل معك بالشركة وغاب فباع الحاضر
الامتعة فالحاصل للبائع وعليه قيمة المتاع لان قوله لا اعمل معك فسمي للشركة
معه واحدهما يملك فسوخها وان كان المال عروضاً بخلاف المضاربة هو المختار
(رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

بلا اذن شریک تصرف جائز نہیں :

سوال : عنایت اللہ اور علی محمد دونوں نے پینتیس ہزار میں گاڑی خریدی جس
میں سے سولہ ہزار روپے نقد ادا کئے اور انیس ہزار ایک مدت معینہ تک اُدھار
رہے، دو تین مہینے کے بعد علی محمد ایران چلا گیا جب روپیہ دینے کا وقت مقرر آیا تو
عنایت اللہ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ قرض خواہ نے عنایت اللہ کو مجبور کیا کہ روپیہ ادا کر
کر ورنہ میں گاڑی پر قبضہ کر لوں گا، مجبور ہو کر عنایت اللہ نے گاڑی تیس ہزار میں
فروخت کر دی، چند دن کے بعد علی محمد بھی آگیا اور اعتراض کیا کہ تم نے پانچ ہزار کے نقصان
پر گاڑی کیوں دی؟ عنایت اللہ نے اپنا عذر پیش کیا کہ مالک نے بہت تنگ کیا
آخر میں کیا کرتا؟ اب یہ بیع ہوئی یا نہیں اور نقصان کس پر آئے گا؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

صرف عنایت اللہ کے حصہ کی بیع صحیح ہے، گاڑی علی محمد اور خریدار کے درمیان
مشترک ہے، اگر خریدار اشتراک پر راضی نہیں تو وہ بیع کو فسخ کر کے گاڑی واپس
کر سکتا ہے۔

قال في شرح التنوير: نحو حمام وطاحون وعبد ودابة حيث يصح بيع
حصته اتفاقاً (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ شعبان ۱۲۹۵ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت شریک پودے لگا دیئے :

سوال : دو آدمی ایک زمین میں شریک ہیں ایک شریک نے کھجور کے
پودے مشترک زمین میں لگا دیئے۔

چند سال بعد جب پودے پھل دینے لگے تو لگانے والے شریک نے کہا کہ چونکہ میں نے پودے لگائے ہیں اس لئے میں شریک ثانی کو حصہ نہیں دیتا۔
شریک ثانی کہتا ہے کہ چونکہ آپ نے زمین مشترک میں بلا اجازت پودے لگائے ہیں اس لئے یہ پودے بھی تقسیم کئے جائیں گے، اب اس صورت میں کیا فیصلہ ہوگا؟
واضح رہے کہ ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ کھجور کے پودے لگائے والے کو نصف درخت ملا کرتا ہے لیکن یہ نصف اس وقت ملا کرتا ہے جبکہ مالک زمین کی اجازت صراحتہ یا دلالتاً موجود ہو، بیتنا وتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ زمین دونوں میں تقسیم کی جائے گی، پودے لگانے والے کے حصہ میں اس کے پودے برقرار رہیں گے، اور دوسرے شریک کے حصہ سے پودے لگانے والا اپنے پودے اکھاڑے اور پودے اکھاڑنے سے زمین میں جو نقص واقع ہو وہ اس کے مالک کو ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ارض بینہما زرع احدهما کلہا تقسم الارض بینہما فما وقع فی نصیبہ اقر وما وقع فی نصیب شریکہ امر بقلعہ وضمن نقصان الارض ہذا اذا لم یدرک الزرع فلو ادرك او قرب یغرم الزارع لشریکہ نقصان نصفہ لو انتقصت لانه غاصب فی نصیب شریکہ (رد المحتار ص ۳۲۶ ج ۳)

اگر پودے اکھاڑنے سے زمین کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہو تو زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حصہ میں لگے ہوئے پودوں کی قیمت ادا کر کے ان کا مالک بن جائے قیمت ایسے پودوں کی لگائے جائے گی جو واجب القلع ہوں۔

قال فی التنویر: ومن بنی او غرس فی ارض غیرہ بغیر اذنه امر بالقلع والرد وللمالك ان یضمن له قيمة بناء او شجرة امر بقلعہ ان نقصت الارض بہ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله ان نقصت الارض بہ) ای نقصانا فاحشا بحيث یفسدھا اما لو نقصھا قليلا فیاخذ ارضہ ویقلع الاشجار ویضمن النقصان سائغانی عن المقدسی (رد المحتار ص ۳۲۶ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ ۹۵ ہجری

شرکت میں تعیین نفع کا اصول :

سوال : دو شخصوں نے مل کر ایک کتاب چھاپی، ان میں سے ایک اس کتاب کو فروخت کرتا ہے اور جو کچھ نفع ہوتا ہے اس کو بھصہ مساوی یا کم و بیش جیسا کہ ملے ہو جائے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، کیا اس قسم کی شرکت شرعاً جائز ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر عقد میں پورا یا اکثر کام ایک شریک کے ذمہ مشروط ہو تو دوسرے شریک کے لئے اس کے حصہ رأس المال سے زیادہ نفع کی شرط جائز نہیں، اگر نفس عقد میں یہ شرط نہ ہو بلکہ تبرعاً کام کر رہا ہو تو کام نہ کرنے والے کے لئے بھی زیادہ نفع کی شرط جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ محرم ۹۶ھ

مشترک مکان کی بلا اجازت مرمت :

سوال : زید کی تحویل میں اس کے مرحوم والد کا متروکہ ایک مکان ہے جو ہنوز ورثہ میں تقسیم نہیں ہوا، مکان کے ایک حصہ سے جو کرایہ حاصل ہوا وہ زید نے تمام ورثہ کا حق سمجھتے ہوئے بطور امانت محفوظ رکھا تا وقتیکہ شرعی تقسیم ہو جائے، اسی اثنا میں مکان کا ایک حصہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے قابل مرمت ہو گیا، مکان کی شرعی تقسیم میں ذقری کارروائی کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے، زید کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ وہ مکان کے اس حصہ کی مرمت وغیرہ کر والے۔

کیا اس صورت میں کرایہ سے حاصل شدہ رقم جو زید کے پاس امانت ہے اس سے مکان کی مرمت کروائی جاسکتی ہے؟ اگر مکان کی مرمت نہیں کروائی جاتی تو بوقت فروخت مکان کی پوری قیمت وصول نہ ہوگی۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اگر اس رقم میں سے مرمت کروائی جاسکتی ہے تو دوسرے ورثہ سے اس رقم کے خرچ کرنے کی اجازت لینا پڑے گی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مکان ورثہ میں قابل تقسیم ہے تو کرایہ کی مشترک رقم خرچ کرنے کے لئے دوسرے شرکار سے اجازت لینا ضروری نہیں۔

اور اگر مکان قابل تقسیم نہیں یعنی تقسیم کی صورت میں ناقابل انتفاع ہو جاتا ہے تو دوسرے شرکار سے مرمت پر خرچ کرنے کی اجازت لینا ضروری ہے، اگر وہ اجازت نہ دیں تو حاکم کو درخواست دیکر انھیں مرمت پر مجبور کر سکتے ہیں، اگر حاکم سے اسکی امید نہ ہو تو بدون اجازت شرکار بھی مرمت پر انکی رقم خرچ کر سکتی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لانہ صار مضطرّاً الى المرمۃ کالمشترک الذی یقبل القسمۃ -

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ : والضابطان کل من اجبران یفعل مع شریکہ اذا فعلہ احدہما بلا اذن فہو متطوع والا لا، ولا یجبر الشریک علی العمارۃ الا فی ثلاث وصی وناظر وضرورۃ تعدد قسمۃ ککری نہر و مرمۃ وقناة و بئر و دواب و سفینۃ معیبة و حائط لا یقسم اساسہ فان کان الحائط یحتمل القسمۃ و یبنی کل واحد فی نصیبہ السترۃ لم یجبر و الا لجبر و کن اکل مال لا یقسم کحمام و خان و طاحون و تمامہ فی متفرقات قضاء البحر و العینی و الاشباہ (رد المحتار ۳۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

نابالغ کے ساتھ مشترک مصارف :

سوال : مرحوم کی بیوہ کے نام کچھ رقم بطور پنشن دس سال کے لئے منظور ہوئی ہے اور چھ بیس روپے ماہوار ملنے بھی شروع ہو گئے ہیں۔

اسی طرح دوسرے امدادی فنڈ سے سولہ روپے ماہوار بچوں کے بلوغ تک کے لئے منظور ہوئے ہیں جو ملنے شروع ہو گئے ہیں۔

بیوہ اور چاروں بچے جن میں سے دو بالغ ہیں سب اکٹھے ساتھ رہتے ہیں اور اکٹھے کھاتے پیتے ہیں، اس رقم کو مجموعہ خرچہ میں صرف کریں یا علیحدہ کر کے اخراجات کا حساب رکھیں۔ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جو رقم نابالغوں کے لئے منظور ہوئی ہے اس میں سے بالغوں پر خرچ کرنا جائز نہیں، صرف نابالغوں کے مصارف میں خرچ کی جائے، البتہ کھانے پینے میں سب کا حساب مشترک رکھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۳۹۷ھ

شرکت مع مضارب بت جائز ہے :

سؤال : زید و عمر میں یہ طے پایا کہ دونوں کاروبار میں برابر سرمایہ لگائیں گے، عمر چونکہ کام بھی کریگا لہذا کام کے عوض نصف ربح عمر کا ہوگا اور باقی نصف اصل سرمایہ کے مطابق دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ صفة فی صفة یا عقد بشرط میں داخل نہیں؟ بیتنا توجروا۔

الجواب باسمہما الصواب

شرکت میں عمل من الجانبین شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لئے یہ شرکت نہیں مضارب بت ہے پھر اگر رب المال کی طرف سے مال لگانا درجہ شرط میں نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مشروط ہو تو بھی مضارب بت و شرکت میں ملائمت کی وجہ سے جائز ہے، چونکہ اس صورت میں مضارب بت اصل ہے اور شرکت بالبتع، اس لئے عمل من الجانبین کی شرط مرتفع ہوگئی، اسی طرح اشتراط العمل من الجانبین کے ساتھ تفاضل فی الربح بھی اسی لئے جائز کہ یہ صورت اولی کے برعکس اصل میں شرکت ہے اور مضارب بت بالبتع، اس لئے اشتراط العمل علی الجانبین مضر نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی الشریکۃ : وفي النهر اعلم انهما اذا شرطتا العمل عليهما ان تساويا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالى خلافا للنهر رحمہ اللہ تعالیٰ والربح بينهما على ما شرطوا وان عمل احدهما فقط وان شرطاه على احدهما فان شرط الربح بينهما بقدر رأس ماله جاز ويكون مال الذي لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعليه وضيعة وان شرط الربح للعامل اكثر من رأس ماله جاز ايضا على الشرط ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرط الربح للدافع اكثر من رأس ماله لا يصح الشرط ويكون مال الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما ابداهما اصل ما في العناية اه ما في النهر، قلت وحاصل ذلك كله انه اذا تفاضلا في الربح فان شرط العمل عليهما سوية جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وكذا لو شرط العمل على احدهما وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اكثر ولو كان الاكثر لغير العامل او لاقدمهما عملا لا يصح وله ربح ماله فقط هذا اذا كان العمل مشروطا الخ (رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۳)

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى : (قوله وان شرطاً على احد هما فان شرطاً الربح بينهما بقدر الخ) في الدار من كتاب المضاربة مانصه والثالث اي من شروط المضاربة تسليمه الى المضارب حتى لا تبقى لرب المال فيه يد لان المال يكون امانة عنده فلا يتم الا بالتسليم كالوديعة بخلاف الشركة لان المال في المضاربة من احد الجانبين والعمل من الجانب الآخر فلا بد ان يخلص المال للعامل ليتمكن من التصرف فيه واما العمل في الشركة فمن الجانبين فلو شرط خلوص اليد لاحد هما لم تنعقد الشركة لان قضاء شرطها وهو العمل منهما اه وظاهر ما فيها يناه في ما نقله المحشي ويقال في دفع المناقاة ان شرط العمل منهما شرط لتحقيق الشركة واذا شرط على احد هما تكون مضاربة او بضاعة على ما ذكره المحشي تأمل (الى قوله) وتخصيص العمل باحد هما يخرج المسألة عن ان تكون من مفردات مسائل الشركة بل هي حينئذ بضاعة ان شرط العمل على احد هما مع التساوي في الربح ومضاربة ان شرط الفضل للعامل (التحرير المختار ج ۲)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاصل اذا جاء احد هما باللف درهم والاخر بالفين واشتركا على ان الربح بينهما نصفان والعمل عليهما فهو جائز ويصير صاحب الالف في معنى المضارب الا ان معنى المضاربة تبع لمعنى الشركة والعبرة للاصل دون التبع فلا يضرهما اشتراط العمل عليهما (منحة الخالق على البحر الرائق ج ۵) والله تعالى اعلم

۲۰ محرم ۹۹ ہجری

باپ اور بیٹے کی مشترک جائیداد کا حکم :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسمی رحیم بخش کے دو بیٹے ہیں کریم بخش ، دھنی بخش ، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں ، کریم بخش جدائی کے ایک سال بعد باپ کے ساتھ شریک ہو گیا اور اس شرکت کو عرصہ سولہ سال کا گزر گیا ، پھر رحیم بخش کی وفات ہو گئی ، اب مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ؟ بتیو اتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت اشتراک دونوں کے اموال میں جو تناسب تھا اسکے مطابق ترکہ سے کریم بخش کے حصہ کا وہ مالک ہے ، باقی ترکہ سب وارثوں پر بقدر سہام تقسیم ہوگا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۸ صفر ۹۹ھ

مشترک مکان میں بلا اذن تعمیر کا حکم :

سوال : زید کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے :

① بیوی ایک ② نو بیٹے ③ چھ بیٹیاں -

والدین کا انتقال مرحوم سے پہلے ہو چکا تھا۔

تمام وارث اپنے اپنے پلاٹ میں رہتے تھے صرف بکر والد کے گھر رہتا تھا، اس دوران دوسرے ورثہ سے پوچھے بغیر بکر نے والد کے مکان میں ایک باورچی خانہ اور دو کمروں کا مزید اضافہ کر دیا، والد کے انتقال کے سولہ سال بعد ورثہ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پلاٹ بیچ دیا جائے۔ اور رقم تمام ورثہ پر تقسیم کر دی جائے، سب نے عمر کو مختار نامہ دیکر امیر بنایا، بکر نے بھی اپنا مختار نامہ عمر کو دیدیا، مگر دو تین دن کے بعد بکر نے اپنے مختار نامہ سے رجوع کر لیا کہ مجھے اپنے اضافی مکانوں کی قیمت الگ دی جائے جو تقریباً ساٹھ ہزار روپے بنے گی ورنہ میں مختار نامہ نہیں دوں گا، اس کو اخبار میں بھی شائع کیا، عمر نے مجبوراً اس کی یہ شرط قبول کر لی۔ عمر کے دل میں تھا کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے تاکہ مکان بیچنے پر بکر آمادہ ہو ورنہ بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔

مکان بیچ دیا گیا عمر نے حسب وعدہ رقم سارے وارثوں میں بقدر حصص تقسیم کر دی، اب بکر دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم دو جس کا تم نے وعدہ کیا تھا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں :

① بکر کا بوقت فروخت یہ شرط لگانا کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم بھی دی جائے

جائز تھا یا نہیں؟

② بکر کا مشترک جگہ میں بلا اذن ورثہ اضافی مکان بنانا جائز تھا یا نہیں؟

③ عمر نے جو بطور حیلہ رقم دینے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

④ بکر کو اپنے والد کے بعد اضافی مکانوں کی رقم ملنی چاہیے یا نہیں؟

⑤ اگر بکر رقم کا حقدار ہے تو کتنی رقم کا؟ اور اب جبکہ رقم سارے وارثوں میں تقسیم

کر دی گئی ہے تو کیا سب سے واپس لی جائے یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بکر ایسی عمارت کی قیمت لے سکتا ہے جس کے گرانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو، جو شاید

مطلبہ کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہر وارث بقدر حصہ بکبر کو ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا :

کتاب الوقف باب المساجد میں آ رہا ہے۔

شریک کو ملازم رکھنا :

کتاب الاجارہ میں ہے۔



کتاب الوقف

مسجد یا مدرسہ سے قرآن یا کتاب دوسری جگہ منتقل کرنا :

سوال : شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد میں وقف شدہ قرآن کو دوسری جگہ منتقل کرنا، یا ایک مدرسہ کی کتاب کو دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر واقف نے خاص مسجد یا خاص مدرسہ کے لئے قرآن یا کتاب کو وقف کیا ہے تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔ والتفصیل فی کتاب الوقف من الشامیۃ - واللہ تعالیٰ اعلم
سلخ ذی الحجہ سنہ ۱۴۲۲ھ

ایک مدرسہ کی اشیاء دوسرے میں منتقل کرنا :

سوال : مسجد کی منتظمہ نے ایک عالم کو بلا کر مسجد کی خطابت و امامت تفویض کی، عالم نے یہ شرط رکھی کہ مدرسہ بھی ساتھ ہونا چاہیے، منتظمہ نے مسجد سے ملحق مدرسہ بھی قائم کر دیا اور ان عالم صاحب کو اس کا مہتمم مقرر کر دیا، ارکان کمیٹی نے اس سے متعلق ایک تحریر بھی تیار کی جس پر سب کے دستخط ثبت ہیں۔

کچھ عرصہ گزرنے پر اہل محلہ عالم مذکور کے خلاف ہو گئے اور مطالبہ شرف کر دیا کہ ان کو مسجد و مدرسہ سے فارغ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ یہ عالم یہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ نیا مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہوگا کہ پہلے مدرسہ کا پورا ملبہ اور اس کی جمع شدہ رقم اپنے ساتھ لیجا کر نئے مدرسہ کے قیام پر صرف کر دیں بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہما الصواب

اگر عالم مذکور اپنے فرائض پابندی سے ادا کر رہے ہیں اور کسی قسم کی خیانت ان سے

صادر نہیں ہوئی تو بلا وجہ اہل محلہ کا ان پر ناراض ہونا اور ان کے برطرف کرنے کا مطالبہ کرنا جائز نہیں
مدرسہ کا ملبہ یا جمع شدہ رقم کسی صورت منتقل کرنا جائز نہیں، یہ چیزیں اسی مدرسہ
کے لئے خاص رہیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ ہجری

سوال مثل بالا :

سوال : ایک مولوی صاحب مدرسہ میں تنخواہ دار مدرس مقرر کئے گئے، کچھ عرصہ
بعد اعتماد کر کے منتظمہ نے انھیں مہتمم بھی مقرر کر دیا، اس دوران رسیدیں چھاپی گئیں، مدرسہ
کے لئے چندہ ہوتا رہا اور کتابیں بھی خریدی گئیں، چند سال بعد یہ مولوی صاحب بلا اجازت مدرسہ
چھوڑ کر قریبی علاقہ میں چلے گئے اور نئے مدرسہ کی بنیاد رکھ دی، سوال یہ ہے :

① مولوی صاحب سابقہ مدرسہ کی رقوم اور وقف شدہ کتب اس مدرسہ کی طرف
منتقل کر سکتے ہیں منتظمہ کی اجازت سے یا بلا اجازت ؟

② سابقہ مدرسہ کی مطبوعہ رسیدوں پر چندہ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

واضح رہے کہ اس مدرسہ کا نام بھی سابقہ مدرسہ کے نام پر رکھا گیا۔

③ یہ فیصلہ بھی تحریر فرمائیں کہ مدرسہ کس کا ہوتا ہے ؟ مقامی آبادی کا، معاونین کا
یا مہتمم کا ؟ بیدخوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

① سابقہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ کتب اور چندہ کی رقوم کسی دوسرے ادارہ میں
منتقل کرنا جائز نہیں، نہ منتظمہ کی اجازت سے نہ بلا اجازت۔

② جائز نہیں، نئے مدرسہ کا نام سابقہ مدرسہ سے الگ رکھنا چاہیے۔

③ مدرسہ کسی بھی انسان کی ملک نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتا ہے،
البتہ محل وقوع یا مقامی آبادی کی طرف اس کی مجاز نسبت کی جاتی ہے جو جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

ایک قرآن کی جلد یا غلاف دوسرے پر منتقل کرنا :

سوال : قرآن مجید کے پھٹ جانے کے بعد اس کی جلد کو دوسرے قرآن پر یا ایک

قرآن کے غلاف کو دوسرے پر منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر قرآن مجید وقف نہیں تو مالک کو اختیار ہے کہ جلد اور غلاف کو تبدیل کرے، اور اگر قرآن مجید وقف کیا گیا ہے تو بالبع جلد اور غلاف بھی وقف ہے۔ اس صورت میں ایک قرآن سے استغناء کی حالت میں اس کی جلد اور غلاف سے متعلق کوئی جزئیہ تو نظر میں نہیں آلات مسجد پر قیاس کیا جاسکتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ عند الاستغناء مالک کی ملک میں عود کر آتے ہیں، لہذا مالک کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کئے جاسکتے ہیں، (الشامیۃ کتاب الوقف)

واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ ذی الحجہ سنہ ۱۴۲۲ھ

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے :

سوال : پُرانا قبرستان جس میں قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں اور لوگوں نے اسمیں اموات کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، ایسے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ : فان قلت هل يجوز ان تبني المسجد علی

قبور المسلمين؟ قلت قال ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ لو ان مقبرة من مقابر

المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لماربناك بأسا وذلك لان المقابر

وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لاحد ان يملكها فاذا درست

واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد ايضا وقف من

اوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لاحد فمعناها علی هذا واحد (عمدة القاری ص ۱۴۹)

وفي الشامیة عن الزیلعی ولویلی المیت وصارت ابا جاز دفن غیرہ وزرعه

والبناء علیہ اھ ومقتضاہ جواز المشی فوقہ (رد المحتار ص ۸۳۵ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

غرة محرم سنہ ۱۴۲۳ھ

وقف معلق بالموت صحیح ہے :

سوال : ایک شخص نے کہا کہ میری زمین میں سے چھ بیگھے زمین میرے مرنے کے بعد مساکین کے لئے وقف ہیں۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ وقف صحیح ہے اور بعض احکام میں بحکم وصیت ہے۔

قال فی التنبیہ و شرحہ او بالموت اذا علق به ای بموتہ کا ذامت فقد وقفت داری علی کذا فالصحيح انہ کو صیۃ تلزم من الثلث بالموت لا قبلہ قلت ولولوارثہ وان ردوا لکنہ یقسم کالثلثین، الی آخر التفصیل مع ما بینہ فی الشامیۃ (رد المحتار ص ۳۷۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ ذی قعدہ سنہ ۱۴۳۳ھ

وقف میں ناجائز تصرف کرنے والا متولی واجب العزل ہے :

سوال : ایسے متولی کو معزول کرنا کیسا ہے جو کہ وقف میں ناجائز تصرف کرتا ہو؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

وقف میں ہر ناجائز تصرف خیانت ہے اور ہر خائن متولی واجب العزل ہے ایسے متولی کو معزول نہ کرنا گناہ ہے، البتہ بعد تجربہ و ظہور صلاح دوبارہ متولی بنایا جاسکتا، قال فی التنبیہ و شرحہ وینزع وجوباً بزازیۃ لو الواقف فغیرہ بالاولیٰ غیر مأمون۔

وفی الشامیۃ مقتضاه اثم القاضی بترکہ والا ثمر بتولیۃ الخائن ولا

شک فیہ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۶)

وايضاً فیہا انہ اذا خرجه و تآب و اناب اعاده وان امتناعہ من التعمیر خیانتہ و کذا الوباء الوقف او بعضہ او تصرف تصرفاً غیر جائزاً عالمابہ (جلد ۳ ص ۳۹۶) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۴۳۵ھ

وقف پر شہادت بالتسامع جائز ہے :

سوال : ایک پرانا وقف ہے، جس کے واقف کا کوئی علم نہیں، اس پر ایک

ظالم نے مالکانہ دعویٰ کر دیا ہے، تو اس حالت میں اثبات وقف کی کیا صورت ہوگی ؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

وقف پر شہادت بالتسامع والشہرة مقبول ہے، جن مسائل میں شہادت بالتسامع جائز ہے ان میں یہ شرط ہے کہ عند القاضی اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ شہادت محض تسامع سے ہے، مگر وقف اس مستثنیٰ ہے کہ اس میں صراحت عند القاضی کے باوجود شہادۃ بالتسامع جائز ہے اگرچہ واقف کا کچھ علم نہ ہو، البتہ موقوف علیہ کا علم ضروری ہے، حکم اصل وقف میں ہے، شرائط و مصارف وقف پر شہادۃ بالتسامع جائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر و تقبل فیہ الشہادۃ علی الشہادۃ وشہادۃ النساء مع الرجال والشہادۃ بالشہرة لاثبات اصلہ وان صرحوا بہ ای بالسماع فی المختار۔
وفی الشامیۃ معزیا الی الخیریۃ وقف قد یمشہور لا یعرف واقفا استولی علیہ ظالم فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشہور وشہدا بذلک فالمختار انہ یجوز (رد المحتار ج ۳ ص ۴۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا جائز نہیں :

یہ مسئلہ باب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

تفصیل تقسیم الوقف بین المتولیین :

سوال : ایک موقوفہ زمین پر دو شخص متولی ہیں اور دونوں جداگانہ حصہ پر متصرف ہیں کیا اس طریقہ سے تقسیم شرعاً جائز ہے۔ بیسوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی الہندیۃ ولو وقف ارضین وجعل لکل متولیا لایشارك احدہما الآخر (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۴۱۰)

وفی شرح التنویر ولا یقسم بل یتہایئون الا عندہما فیقسم المشاع وبہ افقی قاری الہدایۃ وغیرہ اذا كانت القسمۃ بین الواقف وشریکۃ المالك والواقف الاخران ناظرہ ان اختلفت جہۃ وقفہما۔

وفی الشامیۃ (قوله ان اختلفت جہۃ وقفہما) ای بان کان کل وقف منہما

على جهة غير الجهة الاخرى لكن هذا التقيد مخالف لما في الاسعاف حيث قال ولو وقف نصف ارضه على جهة معينة وجعل الولاية عليه لزيد في حياته وبعد ماته ثم وقف النصف الاخر على تلك الجهة او غيرها وجعل الولاية عليه لعمر وفي حياته وبعد وفاته يجوز لهما ان يقتسما وياخذ كل واحد منهما النصف فيكون في يده لانه لما وقف كل نصف على صارا وقفين وان اتحدت الجهتان كما لو كانت لشريكين فوقفاها كذلك اه (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸۰)

روایات بالا سے صور ذیل کا حکم مستفاد ہوا۔

- ① دو زمینیں جدا جدا ہوں۔
 - ② ایک زمین کا نصف ایک جہت پر وقف ہو اور دوسرا نصف دوسری جہت پر۔
 - ③ جہت اگرچہ متحد ہو مگر نصف الارض پہلے وقف کی اور نصف ثانی بعد میں۔
 - ④ ایک زمین دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں جدا جدا وقف کریں۔
 - ⑤ ارض واحد بوقت واحد جہت واحدہ پر وقف کی گئی ہو۔
- صور اربعہ اولیٰ میں ہر حصہ پر مستقل تولیت جائز ہے اور صورت خامسہ میں جائز نہیں۔ حدیث نزاع علی وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی صورت اخیرہ میں داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

وقف میں تاحیات آمدن خود لینے کی شرط :

سوال : ایک شخص اپنی صحرائی جائداد یا مکان یا دوکان یا کتب وغیرہ کسی مدرسہ کے لئے اس طرح وقف کرے کہ اپنی زندگی میں یا ایک مقررہ مدت تک وہ خود یا اسکی اولاد یا کوئی دوسرا شخص اس شے، موقوفہ سے متمتع ہوتا رہے پھر اس کی وفات کے بعد یا اس مقررہ مدت کے بعد وہ شے اس مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے، اس سے متعلق چند سوالات ہیں

- ① کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے ؟
- ② ایسی صورت میں وقف میں کیا الفاظ تحریر کئے جائیں ؟
- ③ اگر واقف جائداد زبانی یا تحریری طور پر وقف کر دے لیکن سرکاری طور پر وقف نامہ کی رجسٹری نہ کرائے یا اس کے رجسٹری کرائے ہوئے وقف کو تسلیم نہ کریں تو شرعاً اس کا

کیا حکم ہوگا؟ اور کیا ایسی صورت میں بھی واقف اجر و ثواب کا مستحق ہوگا؟ بینوا توجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب

① جائز ہے۔

② وقف میں ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے جو صدقہ علی سبیل التابید پر دلالت کرتے ہوں۔

③ وقف نامہ کی رجسٹری کر دانا یا تحریری طور پر وقف کرنا ضروری نہیں۔ صرف زبانی کہدینا کافی ہے۔ البتہ اگر وارثوں کی طرف سے خطرہ ہو تو رجسٹری کر دانا ضروری ہے، اگر ورثہ نے اس وقف کو تسلیم نہ کیا تو وہ سخت گنہگار ہونگے، واقف کو بہر حال اجر و ثواب ملے گا۔

قال فی شرح التنویر وجاز جعل غلة الوقف او الولاية لنفسه عند الشافى و
وعليه الفتوى۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قوله (وجاز جعل غلة الوقف
لنفسه) واما اشتراط الغلة لمديره وامهات اولاده فالاصح صحة اتفاق الثبوت
حريتهم بموته فهو كالوقف على الاجانب وثبوتهم حال حياتهم تبع لما بعدها
وقيد بجعل الغلة لنفسه لانه لو وقف على نفسه قيل لا يجوز وعن ابو يوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ جوازہ وهو المعتمد (وبعد سطر) (قوله وعليه الفتوى) كذا
قاله الصدر الشهيد وهو مختار اصحاب المتون ورجحه في الفتح واختاره
مشايخ بلخ وفي البحر عن الحاوي انه المختار للفتوى ترغيباً للناس في الوقف و
تکثير للخير (رد المحتار ص ۳۹۸ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۷ھ

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر:

سوال: ایک قبرستان کی موقوفہ زمین شہر کے اندر واقع ہو جانے کے بعد دفن اموات
کے لئے استعمال نہیں کی جاتی۔ شہری لوگ قابض ہو کر تعمیرات کر رہے ہیں اور اس طرح
ایک وسیع آبادی اس پر واقع ہو گئی ہے محکمہ اوقاف نے کرایہ پر یا بیع کر کے قابضین کو
وہ حصہ دیدیا ہے تاکہ وصول شدہ رقم دیگر مصارف اوقاف میں استعمال کرے، تو آیا یہ

اجارہ اور بیع و شراء شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے متوتی یا محکمہ اوقاف سے وہ زمین حاصل کی ہے ان سے وہ زمین اور اس پر تیار کردہ تعمیر کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا جائز ہے، اور ان کی بیع و شراء باطل ہے، حکومت یا متوتی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرے۔

قال المحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ : فان قلت هل يجوز ان تبني المساجد علی قبور المسلمين ؟ قلت قال ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجد الامر بذلك بأساً وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لاحد ان يملكها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملیکه لاحد فمعناها علی هذا واحد (عمدة القاری ص ۱۷۹ ج ۴)

۱۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

وقف میں ذاتی تصرف حرام ہے :

سوال : ایک جگہ مسلمانوں نے کچھ زمین دینی کاموں کے لئے وقف کر کے ایک مقامی بزرگ کو اس کا متوتی بنا دیا، مگر ان کی وفات کے بعد انکے دو بیٹوں میں سے ایک نے وقف کا کچھ حصہ اپنے نام کر کے فروخت کر دیا، باقی کچھ حصہ پر اب بھی مدرسہ قائم ہے لیکن کچھ حصہ پر اس کا قبضہ اور تصرف ہے۔

کیا مسلمانوں کا یہ وقف صحیح تھا؟

اگر صحیح تھا تو متوتی کے بیٹے کا اسے اپنے نام کرنا اور بیچنا درست تھا؟

نیز ان کے بیٹوں کا اس وقف شدہ عمارت میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

جس زمین کو مسلمانوں نے دینی کام کے لئے وقف کیا اور کسی صالح متقی شخص کی بزرگی پر اعتماد کر کے اسے متولی بنادیا اور حکومت کے کاغذات میں اندراج وقف کی ضرورت محسوس نہ کی تو یہ وقف صحیح ہے۔

اگر سرکاری اندراج میں کسی غلطی کے سبب یا کسی اور وجہ سے متولی کی اولاد نے اپنے نام کروالیا تو ان کا یہ فعل غصب ہے اور اس کا فروخت کرنا حرام۔
متولی کے بیٹے اس شرط پر وقف کی عمارت میں رہ سکتے ہیں کہ دینی تعلیم کیلئے اس طرح وقت دیں جس طرح کوئی مدرس پابندی کرتا ہے۔
مقامی اہل صلاح حضرات کسی متقی عالم کو اس وقف کا متولی مقرر کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۶ شعبان سنہ ۱۴۸۹ھ

وقف کتب خانہ سے کتب کا اخراج :

سوال : ایک دارالعلوم کے منتظمین کتب خانہ سے ایک مخصوص جماعت کی کتابیں جو کہ مختلف حضرات کی جانب سے وقف ہیں خارج کرنا چاہیں یا یونہی اس جماعت سے اظہار نفرت کریں تو جن لوگوں نے وہ کتابیں وقف کی تھیں انھیں یہ اختیار ہے کہ اپنی وقف کردہ کتابیں واپس لے کر کسی دوسرے ادارہ میں دیدیں یا خود استعمال میں لائیں؟ بینوا تجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

صرف اظہار نفرت کے لئے کتابوں کا نکالنا جائز نہیں البتہ اس دارالعلوم میں ان کتابوں کی ضرورت نہ ہو تو کسی دوسرے قریب ترین مدرسہ میں دیدی جائیں۔
یہ تفصیل ایسی کتب سے متعلق ہے جن کے مندرجات دین کے خلاف نہ ہوں اور اسلاف اُمت کی آراء سے ہٹ کر کوئی بات ان میں نہ لکھی گئی ہو۔

دین کے نام پر آجکل جو غلط اور گمراہ کن لٹریچر مختلف تنظیموں کی طرف سے پھیلا یا جا رہا ہے اسے کسی دینی ادارہ کے وقف کتب خانہ میں رکھنا جائز نہیں، اس قسم کی کتابوں کو تلف کر دیا جائے یا ایسے ذی استعداد متصائب علماء کے حوالہ کر دیا جائے جو پڑھ کر ان کی تردید کر سکیں اور عوام و خواص کو انکے زہر سے بچا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول ۱۴۸۹ھ

اوقاف کی ملازمت جائز ہے :

سوال : اوقاف کی ملازمت مثلاً امامت خطابت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اوقاف کی اکثر مدات ناجائز ہیں، اور حکومت نے اس محکمہ کو بالکل الگ رکھا ہے یا کہ سرکاری املاک میں پہنچنے کے بعد پھر وہاں سے اس محکمہ کے ملازمین کو تنخواہ ملتی ہے؟ ذرا تفصیل فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اوقاف کی اکثر آمدن ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اس لئے ملازمت جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرط خلاف شرع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۹ھ

دراہم و دنانیر کا وقف :

سوال : دراہم و دنانیر کا وقف شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دراہم و دنانیر کا وقف صحیح ہے مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقا العین ہوتا ہے اس لئے وقف دراہم میں شرط یہ ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ انکے منافع کو خرچ کریں یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس کے منافع کو فقیر پر خرچ کریں و تفصیلہ فی الشامیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۹ھ

مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا :

سوال : ایک مدرسہ میں رقم دی گئی، مگر بعد میں تحقیق ہوئی کہ مدرسہ کا کام صحیح اصولوں پر نہیں ہو رہا، مدرسہ کے منتظمین میں دیانتداری نہیں، کیا رقم ان سے لے کر کسی دوسرے دینی مدرسہ پر صرف کی جاسکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چندہ کی رقم مدرسہ میں داخل ہونے سے معطین کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے کما حورت فی رسالتی "القول البدیع فی احکام التوزیع" لہذا دی ہوئی رقم واپس نہیں لی جاسکتی،

اہل اثر پر فرض ہے کہ منتظمین مدرسہ کی اصلاح کی کوشش کریں، اگر وہ اصلاح قبول نہ کریں تو انھیں معزول کر کے نظم کسی صالح شخص یا جماعت صلحار کے سپرد کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم سنہ ۱۳۹۰ھ

مدرسہ کی رقم قرض دینا :

سوال : مدرسہ کی جمع شدہ رقم میں سے کسی کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟
بیینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جائز نہیں، اگر مہتمم نے ایسی خیانت کی تو وہ فاسق واجب العزل ہوگا اور اس رقم کا ضامن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۱ھ

وقف مشاع جائز نہیں :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین دریں مسئلہ کہ وقف مشاع جائز ہے یا نہیں مفتی بہ قول کیا ہے؟ بیینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مفتی بہ قول پر وقف مشاع جائز نہیں۔

قال الامام المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافاً للثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله هذا بیان) واختاره المصنف تبعاً للعامة المشایخ وعلیہ الفتوی وکثیر من المشایخ اخذوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقالوا ان علیہ الفتوی (رد المحتار ۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رجب سنہ ۱۳۹۳ھ

قبرستان کے درختوں کے پھل کا حکم :

سوال : ایک شخص نے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ قبرستان کے لئے وقف کر دیا ہے، اس میں کئی درخت ہیں جن میں ایک درخت اخروٹ کا بھی ہے، آیا پھل

یا درختوں کا استعمال کسی کو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر واقف نے صرف زمین وقف کی ہے درخت وقف نہیں کئے تو وہ اسی کی ملک ہیں، اس کی اجازت کے بغیر ان کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، مگر اس کو مجبور کیا جائیگا کہ ان درختوں کو اکھاڑ کر قبرستان کی زمین فارغ کر دے۔

اور اگر زمین کے ساتھ درخت بھی وقف کئے ہیں تو جو وقف کا مصرف ہے وہی ان درختوں کا بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

قبرستان کے درخت کاٹنا :

سوال : قبرستان کے درخت کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جن درختوں کے متعلق لوگوں کا شرکیہ عقیدہ ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں پیر صاحب کے درخت ہیں جو انھیں ہاتھ لگائے گا اس پر آفت آجائے گی، ان کا کاٹنا عقیدہ شرکیہ کے ابطال کے لئے ضروری ہے، مگر انھیں فروخت کر کے ان کی قیمت اسی قبرستان پر خرچ کی جائے، اگر اس قبرستان میں کوئی مصرف نہ ہو تو دوسرے کسی قریب تر قبرستان پر لگائی جائے یہ حکم جب ہے کہ درخت خود رو ہوں اگر کسی شخص نے لگائے ہیں تو وہ اسکی ملک ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی القعدہ ۱۲۹۲ھ

قبرستان کے درخت سے مسواک کاٹنا :

سوال : قبرستان میں جھاؤ کے بہت سے درخت ہیں، ان سے مسواک کے لئے لکڑی کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ منع کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ قبرستان وقف ہے تو اس کے خود رو درخت بھی وقف ہیں، ان سے مصارف وقف کے سوا کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط :

سوال : ایک شخص ضعیف العمر بحالت صحت اپنا مکان کسی دینی مدرسہ میں وقف کرنا چاہتا ہے ، تاحیات خود اپنے استعمال میں رکھنا چاہتا ہے ، ان کا صرف ایک بھانجا اور ایک بھانجی ہے ۔ باقی نہ بہن ہے نہ بھائی نہ ہی بیوی ، سب فوت ہو چکے ہیں ۔ لہذا ایصال ثواب کے لئے وہ وقف کرنا چاہتے ہیں ، اس لئے کہ ان کو دوسرے وارثوں سے کوئی امید نہیں ہے ایصال ثواب کی ۔ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط لگانا جائز ہے ، مگر نفس وقف اس شرط سے جائز ہے کہ وارث غنی ہوں اور ان کو محروم کرنا مقصود نہ ہو بلکہ ثواب کا ارادہ ہو ۔ قال فی التنویر و شرحہ (وجاز جعل غلۃ الوقف) او الولاية (لنفس عند الثانی) وعلیہ الفتویٰ (رد المحتار ص ۳۹۸ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی القعدہ ۱۳۹۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : میرا دو منزلہ مکان ہے جسے اللہ وقف کرنا چاہتی ہوں ، نچلی منزل کرایہ پر اٹھی ہوئی ہے اوپر کی منزل میں اپنے تینوں بیٹوں سمیت رہتی ہوں ، میری دو بیٹیاں بھی ہیں جن کا میری جائداد میں کوئی حق نہیں اس لئے کہ ان کو نقد روپیہ زندگی میں دے چکی ہوں ، اپنا یہ پورا مکان مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتی ہوں مگر اس شرط سے کہ میرے تیسرے بیٹے شاہد علی کے مصارف بھی بذمہ مسجد ہونگے ، نیز اس مکان پر ابھی چالیس ہزار روپے قرض ہے یہ رقم بھی مسجد ادا کریگی ، نیز مکان کی ضروری مرمت اور لبقیہ حصہ کی تعمیر بھی مسجد کریگی کیا اس صورت میں یہ وقف مسجد کیلئے صحیح ہوگا ؟ بیٹنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ کی وفات کے بعد لڑکیاں بھی ترکہ سے حصہ پائیں گی ، زندگی میں کسی وارث کو روپیہ وغیرہ دیدینے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتا ۔

وقف اس طرح کریں :

”میرا مکان میری وفات کے بعد فلاں مسجد کے لئے ان شرائط کے ساتھ وقف ہے :

① اس مکان کے سلسلہ میں مجھ پر جو قرض ہے اس کی آمدن سے پہلے وہ قرض ادا کیا جائے۔

② میرے لڑکے شاہد علی کے مصارف مکان کے کرایہ سے ادا کئے جائیں اور زائد رقم مسجد کو دی جائے۔

③ شاہد علی کے انتقال کے بعد اس مکان کی پوری آمدن مسجد پر خرچ کی جائے۔“

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم ۱۳۷۷ھ

وقف کی زمین کا بدلنا جائز نہیں :

سوال : جنازہ گاہ کی جگہ غیر موزوں یعنی نشیبی زمین میں واقع ہے اور غیر مسقف بھی ہے کیا اس کو متبادل مناسب زمین کی طرف منتقل کرنا درست ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ جگہ نماز جنازہ کے لئے وقف ہے تو اس کا بدلنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم ۱۳۷۷ھ

حکم الوقف علی الاقارب :

سوال : زید لا ولد ہے اور اس کا ایک ذاتی مکان ہے جس کا وہ کرایہ وصول کرتا ہے اس کے رشتہ داروں میں تین بھائی اور تین بہنیں زندہ ہیں جن میں کچھ تو نگر اور کچھ مفلس ہیں اسی طرح ایک مرحوم بھائی کی اولاد موجود ہے جو مالی لحاظ سے تنگ حال ہے۔ اب زید کا ارادہ ہے کہ وہ تاحین حیات اس مکان سے خود نفع اٹھاتا رہے۔ اس کے بعد یہ مکان ورثہ میں تقسیم نہ ہو بلکہ ورثہ کرایہ وصول کرتے رہیں اور مکان زید کیلئے صدقہ جاریہ رہے۔ کیا ایسی صورت شرعاً ممکن ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اپنی جائداد اس طرح وقف کرے :

”جب تک زید زندہ ہے اس وقت تک اس کے منافع وہ خود لیگا۔

زید کے انتقال کے بعد اس جائداد کے منافع زید کے اقارب میں سے مساکین کو ملیں گے۔“

اگر زید کے اقارب میں سے کوئی مسکین نہ رہے تو عامۃ المسلمین میں سے
مساکین پر صرف کئے جائیں ؎ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول ۹۸ھ

مسجد کے لئے وصیت کو مدرسہ پر صرف کرنا جائز نہیں :
سوال : زید نے وصیت کی کہ میرا مکان میرے مرنے کے بعد مسجد میں دیدینا مطلب
یہ ہے کہ اس کی قیمت مسجد میں صرف کر دینا یا اس مکان کو مسجد میں ملا دینا، مسجد کے
برابر یہ مکان ہے، اب مرنے کے بعد جس کو وصیت کی تھی اس نے کہا کہ مسجدیں تو محلہ میں
دو پہلے سے موجود ہیں، مدرسہ کوئی نہیں ہے، لہذا بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے
مدرسہ بنا دینا بہتر ہوگا۔ سب کے مشورے سے مدرسہ بنا دیا گیا، تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟
جبکہ اس مرنے والے کا کوئی بھی وارث نہیں ہے نہ دور کے رشتہ سے نہ قریب کے رشتہ
سے؟ بیاد توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۹۸، حبری

واقف خود متولی بن سکتا ہے :

سوال : زید نے زمین وقف کی، لیکن کسی متولی کے سپرد نہیں کی، بلکہ خود ہی
متولی منتظم بن گیا، کیا یہ وقف صحیح ہے؟ بیاد توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

خواہ واقف نے اپنے تولیت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، بہر کیف وقف اور
اس کی تولیت صحیح ہے۔

قال فی التنبیہ و شرحہ : جعل الواقف الولاية لنفسه جاز بالاجماع وكذا
لو لم يشترط لاحد فالولاية له عند الثانی وهو ظاهر المذهب نھر خلاف الما
نقله المصنف (رد المحتار ص ۳۹۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر ۹۹ھ

مدرسہ دینیہ کے لئے وقف زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں :
سوال : ایک زمین محض ایک دینی درسگاہ کے لئے وقف کی گئی ہے اس زمین پر حکومت قبضہ کر کے ہائی اسکول بنا رہی ہے اور شہر کے لوگ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے، سوالات یہ ہیں :

- ① مذکورہ زمین پر حکومت قبضہ کر کے ہائی اسکول بنا سکتی ہے یا نہیں؟
- ② جو لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے انکے متعلق کیا ہے؟
- ③ اگر متولی اجازت دیدے تو اسکول بنانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

علوم دینیہ کے لئے جو زمین وقف ہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا حرام ہے، حکومت شہر کے لوگوں اور متولی کسی کو بھی اس میں اسکول بنانے کا حق نہیں، جو لوگ ایسی کوشش کر رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔

اگر متولی نے اجازت دی تو وہ بد دیانت و خائن ہونے کی وجہ سے واجب العزل ہوگا۔ حکومت پر فرض ہے کہ اوقاف اسلامیہ کی حفاظت کرے چہ جائیکہ وہ ایسا غاصبانہ اقدام کر کے دین کو نقصان پہنچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا جائز نہیں :

سوال : بکرنے اپنی زندگی میں ایک مکان مسجد کے نام اسٹامپ پر لکھ دیا اور یہ شرط رکھی کہ جب تک میں اور میری بیوی زندہ رہیں گے اس مکان میں رہیں گے اور جب ہمارا انتقال ہو جائے گا تو مکان مسجد کے حوالہ کر دیا جائے خواہ اس کو مسجد والے فروخت کر دیں یا اس کو کرایہ پر دیں۔ سوال یہ ہے کہ بکرنے مکان مسجد کے نام کر کے ورثہ کو محسروم کر دیا کیا شرعاً اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر بکر کے وارث محتاج ہیں تو بکر اس وقف سے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، وقف بہر حال نافذ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

بدون قبض وقف صحیح ہے:

سوال: زید نے اپنا مکان مسجد کو دیدیا اور اسٹامپ پر دو گواہوں کے سامنے لکھوا دیا، اب زید کا انتقال ہو گیا تو کیا اب اسکی زوجہ انکار کر سکتی ہے کہ میں مکان مسجد کو نہیں دیتی؟ جبکہ ابھی قبضہ مکان پر زید کی بیوی کا ہے اور زید کی بیوی نے اس مکان میں سے اپنا حصہ بھی مسجد کو دیدیا تھا اور کاغذ لکھوا کر اپنا انگوٹھا ثبت کر دیا تھا، تو کیا مسجد کو قبضہ دینے سے پہلے زید کی زوجہ کا انکار کرنا اور مکان مسجد کو نہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

صحت وقف کے لئے اشتراط قبض متولی میں اختلاف ہے، دونوں قول مرزوحج مؤقتی بہ ہیں، عدم اشتراط احوط واسہل و النفع وارنج ہے، مع ہذا جانبین کی حاجت وحالات پر غور کر کے کسی جانب فتویٰ دینا چاہئے۔

قال التمر تاشی: ولا یم حتی یقبض ویفرز ویجعل اخرہ لجهة لا تنقطع۔
وقال الحصفی: هذا بیان شرائط الخاصة علی قول محمد لانہ كالصدقة وجعلہ ابو یوسف كالاعتاق واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسہل بحر،
وفی الدرر وصدر الشریعة وبہ یفتی وقرہ المصنف۔

وقال ابن عابدین تحت (قولہ هذا بیان) واختارہ المصنف تبعاً للعامة المشایخ وعلیہ الفتویٰ وكثیر من المشایخ اخذوا بقول ابی یوسف وقالوا ان علیہ الفتویٰ ولم یرجح احد قول الامام (قولہ واختلف الترجیح) مع التصریح فی کل منہما بأن الفتویٰ علیہ لکن فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجه عند المحققین (رد المحتار ص ۳۵ ج ۲)
وقال الطحطاوی: (قولہ واختلف الترجیح) ای والافتاء ایضاً كما فی البحر و مقتضاه ان القاضی والمفتی یخیران فی العمل بایہما کان ومقتضى قولہم یعمل بانفع للوقف ان لا یعدل عن قول الثانی لان فیہ ابقاءہ بمجرد القول فلا یجوز نقضہ۔

(حاشیۃ الطحطاوی ص ۵۳۲ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

بابُ الْمَسَاجِدِ

عید گاہ میں اسکول بنانا :

سوال : شریعتِ مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ عید گاہ کی جگہ پر اسکول بنایا جائے اور عید گاہ کے لئے دوسری جگہ معین کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر عید گاہ وقف ہے تو اس میں اسکول بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ جہت وقف کا بدلنا صحیح نہیں، لان شرط الواقف كنص الشارع - والله تعالى اعلم

۲۷، سفر سنہ ۱۴۲۲ھ

مسجد کے پرانے گارڈر اور دروازے :

سوال : ایک مسجد کو تنگ ہونے کی وجہ سے گرا کر نئی مسجد تعمیر کروائی جا رہی ہے۔ اس سے نکلے ہوئے دروازے اور گارڈر وغیرہ فروخت کر کے رقم اس مسجد پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

مسجد سے نکلے ہوئے دروازے اور گارڈر وغیرہ اگر بعینہ مسجد میں کام نہیں آسکتے تو جماعت المسلمین کے اتفاق سے انھیں فروخت کر کے مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے۔

قال في الهندية اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضي الاصح انه لا يجوز كذا في السراجية (عالمگیریہ جلد ۲ ص ۳۴۹)

قلت فعلم انه يصح باذن القاضي،

وفي الشامية ناقلا عن فتاوى النسخي سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية رحلوا و تداعى مسجد ها الى الخراب و بعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه الى دورهم هل لو احدى اهل المحلة ان يبيع الخشب بامر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض

المسجد اوالی هذا المسجد قال نعم -

وقال قبیل هذا الا سیما فی زماننا فان المسجد وغیره من رباط او حوض یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد (رد المحتار ج ۳ کتاب الوقف)
قلت فی زماننا جماعة المسلمین بمنزلة القاضی لان ولایتہ مستفاد منهم فکأنہ هم وکأنهم هو، فان حکام زماننا لا یعثون بمثل هذه الامور الدینیة، واللہ تعالی اعلم۔
۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۲ھ

مسجد کی پرانی دریاں :

سوال : کیا مسجد کے نئے یا غیر مستعمل فرش یا مستعمل اور خستہ حال فرش کو بیچ کر اسکی قیمت میں مزید روپیہ ملا کر نسبت بہتر فرش لگانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

قالین، دریاں، چٹانیاں وغیرہ یعنی ایسی چیزیں جو مسجد کی تعمیر میں داخل نہیں وہ بوقت استغناء معطی کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں لہذا اس کی اجازت سے انھیں بیچ سکتے ہیں، اگر وہ نہ ہو تو اس کا وارث، اور وارث بھی نہ ہو یا مالک معلوم نہ ہو تو بااجازت قاضی یا باتفاق جماعت مسلمین بیع جائز ہے۔

قال فی وقف الہندیۃ : ذکر ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ فی نوازلہ : حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان كان الطارح حیا فہولہ وان كان میتا ولم یدع وارثا رجوا ان لا بأس ان یدفع اهل المسجد الی فقیر او ینتفع بہ فی شراء حصیر اخر للمسجد والمختاران، لا یجوز لہم ان یفعلوا ذلک بغير امر القاضی کذا فی فتاویٰ قاضی خان (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۴۵۸)
اگر ایسی چیزیں مال وقف سے ہوں تو منتظمین ان کو فروخت کر کے مسجد پر صرف کر سکتے ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۳ صفر سنہ ۱۳۹۳ھ

وقف علی مسجد میں قبر بنانا :

یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

سرکاری زمین میں بلا اجازت مسجد کا بڑھانا :

سوال : ایک مسجد تنگ ہے، اس کے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے، لوگ بیچارے بہت پریشان ہیں۔ مگر مسجد کے ساتھ متصل سرکاری زمین ہے اور گورنمنٹ مسجد کو بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی، اس صورت میں بلا اجازت مسجد کو وسیع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

حکومت پر مساجد کا انتظام اور تعمیر بقدر ضرورت فرض ہے معہذا اگر حکومت اپنا یہ فرض ادا نہیں کرتی تو بلا اذن حکومت زمین پر تعمیر جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۴۲۲ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری میں منتقل کرنا :

سوال : ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے کام میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

مسجد کا سامان دو قسم کا ہوتا ہے :

ایک وہ جس کا تعلق مسجد کی بنا کے ساتھ ہو، جیسے اینٹیں، گارڈر، دروازے وغیرہ، اسے انقاض المسجد کہا جاتا ہے۔ ایسے سامان کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد آباد ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس مسجد کا ایسا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں، ان کو بعینہا یا بیچ کر ان کی قیمت اسی مسجد میں صرف کی جائے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: الفتویٰ علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر (رد المحتار جلد ۳ کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد)

اور اگر مسجد غیر آباد ہو جائے کہ کوئی بھی اس میں نماز نہیں پڑھتا۔ مثلاً مسجد کے گرد و نواح کے لوگ وہ علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسے ہوں جس کی وجہ سے مسجد بالکل ویران ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں اس مسجد کی اینٹیں، گارڈر اور دروازے وغیرہ جماعۃ المسلمین کے متفقہ فیصلہ سے دوسری مسجد کی طرف نقل کئے جاسکتے ہیں۔

قال فی الہندیۃ: اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغیر اذن

القاضی (اصح انہ لا يجوز كذا في السراجية) (عالمگیریہ جلد ۲ ص ۳۴۹)

قلت فعلم انہ يجوز باذن القاضی

وقال في الشامية : ناقل عن فتاوى النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قرية
رحلوا وتداعی مسجدها الى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه
الى دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان يبيع الخشبة بأمر القاضی ويمسك الثمن
ليصرفه الى بعض المساجد او الى هذا المسجد قال نعم۔

وقال قبيل هذا الاسیما في زماننا فان المساجد وغيرها من رباطا وحوض
یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد (رد المحتار کتاب الوقف ج ۳)
مسجد کا دوسری قسم کا سامان جس کا بنا مسجد میں کوئی دخل نہیں جیسے چٹائی اور فانوس
وغیرہ اسے آلات مسجد کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مسجد میں ضرورت نہیں تو اس کا
دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقف بھی اجازت دے، اس لئے کہ ایسا سامان
بوقت استغفار ملک واقف میں عود کرتا ہے۔ لہذا واقف کا اذن ضروری ہے۔

قال في الشامية تحت (قوله ومثله حشيش المسجد الخ) قال الزيلعي وعلى هذا حصير
المسجد وحشيشه اذا استغنى عنهما يرجع الى مالكه عند محمد رحمه الله تعالى وعند
ابي يوسف رحمه الله تعالى ينقل الى مسجد آخر وعلى هذا الخلاف الرباط والبر اذا
لم ينتفع بهما اھ وصرح في الخانية ان الفتوى على قول محمد رحمه الله تعالى قال في
البحر وبه علم ان الفتوى على قول محمد رحمه الله تعالى في آلات المسجد (رد المحتار ج ۳)
والله تعالى اعلم

سلخ رجب سنہ ۱۲۷۲ھ

ایک مسجد سے قرآن دوسری میں منتقل کرنا :
یہ مسئلہ کتاب الوقف میں گزر چکا ہے ۔
پرانے قبرستان پر مسجد بنانا :
یہ مسئلہ بھی کتاب الوقف میں گزر چکا ہے ۔
عید گاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں :
سوال : کیا عید گاہ بھی بحکم مسجد ہے ؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

جميع احكام میں عید گاہ کا حکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامیہ سے جمیع احکام میں حکم مسجد ہونے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وہو احوط ومقابلہ اوسع۔

قال فی شرح التنویر واما المتخذ لصلوة جنازة او عید فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نہایت۔

وفی الشامیة (قوله بہ یفتی نہایت) عبارة النہایت والمختار للفتویٰ انه مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ (وبعد سطرین) ومقابلہ هذا المختار ما صحح فی محیط فی مصلی الجنازة انه لیس له حکم المسجد اصلاً وما صحح تاج الشریعة ان مصلی العید له حکم المسجد وتماہد فی الشر نیلانیة (رد المختار ج ۱)

وايضاً فی کتاب الوقف منها (قوله والمصلی) شمل الجنازة ومصلی العید قال بعضهم یشکر مسجداً حتی اذا مات لا یورث عنه وقال بعضهم هذا فی مصلی الجنازة اما مصلی العید فلا یشکر مسجداً مطلقاً وانما یعطى له حکم المسجد فی صحۃ الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف وفيما سوي ذلك فلیس له حکم المسجد وقال بعضهم یشکر مسجداً حال اداء الصلاة لا غیر وهو واجباً سواء یجنب هذا المكان عما یجنب عنه المسجد احتیاطاً او خانیة واسعاً والظاهر ترجیح الاول لانه فی الخانیة یقدم الاشهر (رد المختار ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۱۳۷۳ھ

عید گاہ میں کھیلنا کورونا :

سوال : عید گاہ میں کھیلنا کورونا یا اس میں دعوت وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

عید گاہ کا احترام بہر کیف واجب ہے، اگرچہ اس کے مسجد ہونے میں اختلاف ہے، مگر بے حرمتی سے حفاظت بہر حال ضروری ہے۔ لہذا امور مستولہ کی اجازت نہیں،

قال فی الشامیة (قوله بہ یفتی نہایت) عبارة النہایت والمختار للفتویٰ انه مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ لکن قال فی البحر ظاہر انه یجوز الوطء والبول والتخلی فیہ ولا یخفی ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذلك فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونه

غیر مسجد وانما تظہر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام وحل دخوله للجنب والمخاض اھ
(رد المحتار ج ۱)

وايضاً فی کتاب الوقف منها عن الخانیۃ ومجنب هذا المكان عما یجنب عنه
المسجد احتیاطاً اھ (رد المحتار ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۱۴۳۳ھ

بنار مسجد کی نذر :

یہ مسئلہ کتاب النذر والیمین میں گزر چکا ہے۔
مسجد میں وضو کے لئے ٹنکی بنانا :

سوال : شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد کے ایک کونے میں
وضو کے لئے ٹنکی بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر یہ جگہ ابتداء ہی سے مسجد میں داخل نہ کی جاتی تو اس میں ٹنکی بنانا جائز تھا۔ مسجد
میں داخل کرنے کے بعد اس میں ٹنکی بنانا اور مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ اگر مسجد کی
حدود متعین کر کے زبان سے بھی اس کا اظہار کر دیا کہ اتنی جگہ مسجد ہے اس کے بعد بانی مسجد
نے کہا کہ اس جگہ شروع ہی سے میری نیت ٹنکی بنوانے کی تھی تو اس کا یہ قول قبول نہ کیا
جائے گا، سو جب بانی مسجد کا ابتداء ہی سے اس جگہ کو وضو کے لئے معین کرنا ثابت نہ
ہوا تو یہ جگہ مسجد میں داخل رہے گی اور مسجد میں وضو کا پانی گرانا جائز نہیں۔
یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وضو کا پانی فرش مسجد سے نیچے نالی میں گرے گا، اس لئے کہ
تحت الثری سے لیکر عنان السماء تک یہ جگہ بحکم مسجد ہے۔

نیز ٹنکی بنانے سے نمازیوں پر تضییق ہوگی جو ممنوع ہے، اگر مسجد وسیع ہو اور ٹنکی
بنانے کے باوجود نمازیوں پر تضییق کا خطرہ نہ ہو تو بھی ماعدا للصلوۃ، کو مشغول کرنا
جائز نہیں۔

قال فی البحر لو بنی بیتاً علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لا یضر فی
کونہ مسجد الا انہ من المصالح، فان قلت لو جعل مسجد اثم اراد ان یبنی فوقہ
بیتاً للامام او غیرہ هل یلہ ذلک قلت فی التتارخانیۃ اذا بنی مسجد او بنی فوقہ وهو

ای مسجد فی یدہ فلہ ذلک وان کان حین بناء خلّی بینہ و بین الناس شرجاء بعد ذلک ینبئ لا یتزکّہ و فی جامع الفتاویٰ اذا قال عنیت ذلک فانه لا یتصدق (البحر الرائق کتاب الوقف ج ۵)

وقال شارح التنویر فی بیان محرمات المساجد والوضوء الا فیما اعد لذلك .
وفی الشامیة (قوله والوضوء) لان ماعه مستقّد رطباً فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہہ عن المخاط والبلغم بدائع (رد المحتار ج ۱)
والیضا فی الشرح لانه مسجد الى عنان السماء۔

وفی الشامیة وكذا الى تحت الثری (رد المحتار ج ۱)

وفی الشامیة فی بیان الاشجار فی المسجد ولا یضیق علی الناس (وبعد اسطر)
لان فیہ شغل ما اعد للصلوة ونحوها وان کان المسجد واسعاً (رد المحتار ج ۱)
واللہ تعالیٰ اعلم
محرم سنہ ۱۴۲۲ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا :

سوال : ایک مشترک زمین میں ایک شخص نے مسجد بنوائی جس میں شریک ثانی کے روبرو اذان و جماعت ہوتی رہی، تقریباً پانچ برس گزرنے کے بعد شریک ثانی اپنا حصہ مسجد میں دینے سے انکار کرتا ہے تو یہ مسجد شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا تو جروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر: باع الفضولی ملک رجل والمالک ساکت حیث لا یكون سکوتہ رضا عندنا،

وفی الشامیة: عن فتاویٰ امین الدین عن المحيط اذا اشتری سلعة من فضولی وقبض المشتري المبیع بحضور صاحب السلعة فسکت یكون رضاہ ومثله فی البزاریة عن المحيط ایضاً فعلم بہ ان محل ما هنا ما اذا لم یقبض السلعة بحضور صاحبها وهو ساکت (رد المحتار مسائل شتی ج ۵ ص ۶۵۰)

وايضاً فیہا (قبیل هذا) ومثل البیع الوقف۔

وايضاً فیہا (قوله حاضر) المراد من الحضور الاطلاع۔

وفی شرح التنویر فی احکام المسجد من کتاب الوقف وشرط محمد والامام
رحمہما اللہ تعالیٰ الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ -

وفی الشامیۃ (قوله بجماعۃ) لانه لابد من التسليم عندہما خلافاً لابی یوسف رحمہ اللہ
تعالیٰ وتسليم كل شیء بحسبہ فی المقبرۃ بدفن واحد وفی السقایۃ بشربہ وفی الخان
بنزولہ واشتراط الجماعۃ لانہا المقصودۃ من المسجد ولذا شرطان تكون جہراً
بازان واقامۃ والا لم یصر مسجد (الی قوله) ولوا تحدا الامم والمؤذن وصلى فیہ حلدۃ
صار مسجد ابالاتفاق لان الاداء علی هذا الوجه كالجماعۃ قال فی النہر واذ قد
عرفت ان الصلوٰۃ فیہ اقيمت مقام لتسليم علمت انه بالتسليم الى المتولى يكون
مسجد ادونها ای دون الصلوٰۃ (الی قوله) وكذا الوسلمہ الى القاضی او نائبہ -
(رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۳)

وفی شرکتہ شرح التنویر وکل من شرکاء الملك اجنبی فی مال صاحبہ لعدم
تضمنہا الوكالة (رد المحتار ص ۴۶۰ ج ۳)

ان جزئیات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :

- ① شرکت عین میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی اور فضولی ہے۔
- ② بیع الفضولی مع قبض المشتري وحضور المالك دال علی الرضا ہے۔
- ③ اطلاع مالک بحکم حضور ہے۔
- ④ وقف موقوف علی الاجازۃ ہونے میں عموماً اور منزل ملک ہونے میں خصوصاً بحکم بیع ہر۔
- ⑤ مسجد میں صلوٰۃ مع الجماعۃ بمنزلہ تسلیم وقبض ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مسجد شرعی ہو چکی ہے، اب اس میں شریک کا دعویٰ غیر

۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۴۵۵ھ

مسموع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم :

سوال : ایک مسجد زنا کی آمدنی سے تیار کی گئی ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

بینوا بالبرہان توجروا عند الرحمن

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حرام مال مسجد پر صرف کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف -

① حرام مال سے مسجد کی زمین نہ خریدی گئی ہو، بلکہ دیواروں پر خرچ کیا ہو۔ اس صورت کے بارے میں بعض اکابر نے تحریر فرمایا ہے :

”اس میں نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال نہیں پایا جاتا اس لئے اس میں نماز درست ہے، مگر حرام مال مسجد پر صرف کرنے کا گناہ ہوگا، لہذا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گر کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری ہے۔“

قال فی الشامیۃ (قوله لو بماله المحلل) قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلك ما لا خبیثاً او مالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالى لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیتیہ بما لا یقبلہ اھ شرنبلالیۃ (رد المحتاج) قول عدم استعمال خلاف ظاہر ہے، لہذا اس صورت کا حکم بھی صورت ثانیہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

② اگر حرام مال فرش پر رکایا گیا تو نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا، لہذا اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ حرام مال سے طیار کردہ فرش اکھاڑ کر طیب مال سے فرش لگایا جائے۔

③ اگر حرام مال سے زمین خرید کر اس پر مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی استعمال حرام کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا تدارک بھی ممکن نہیں، مگر چونکہ اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے اس لئے بیع اول کا استرداد کر کے دوبارہ مال طیب سے اشتراء نہیں کیا جاسکتا۔

یہ مسجد اگرچہ غیر مقبول ہے، لحدیث ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً۔ مگر اس کے باوجود اس کی مسجدیت میں کوئی شبہ نہیں، لہذا اسکی بے حرمتی جائز نہیں۔ مسجد کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ موقوف للصلوة ہو، اور صحت وقف کے لئے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے۔ یہ شرائط ایسی مسجد میں موجود ہیں کشاف اور مدارک کے جزئیہ ”قیل کل مسجد بنی مباہاتہ اور بلاء و سمعة اور غرض سوی ابتغاء وجه اللہ او بمال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الضرار“ سے شبہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ : اولاً تو یہ قول ”قیل“ سے منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ثانیاً اسے غیر مقبول ہونے پر محمول کرنا واجب ہے۔ یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ یہ مسجد

ہی نہیں، اس لئے کہ مسجدیت کے شرائط موجود ہیں،
غرضیکہ اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی بے حرمتی بھی جائز نہیں، اور نہ
ہی اس کے تدارک کی کوئی صورت نظر آرہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید اور اوراق
مقصوبہ پر لکھا گیا ہو تو اس کا پڑھنا جائز نہیں للزوم استعمال الحرام اور اسکی بے حرمتی
بھی جائز نہیں، لانه قرآن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۳۷۲ھ

عید گاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا :

سوال : یہاں مدرسہ عربیہ میں تعمیرات کی تنگی ہے اور عید گاہ بہت وسیع ہے، اسکا
کچھ حصہ کاشت کروایا جاتا ہے اور اس کی آمدنی عید گاہ پر خرچ کی جاتی ہے، خیال ہے کہ اگر
مدرسہ کی تعمیر کے لئے عید گاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کافی
وسیع پیمانہ پر چلایا جاسکتا ہے۔ اس کے متعلق ایک استفتاء مرتب کر کے بعض حضرات
علماء کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب
بنوری نے بلا شک جواز کا حکم دیا، لیکن خیر المدارس کے دارالافتاء سے اور سہارنپور سے جو
جواب آیا، انھوں نے شرط الوقف کنص الشائع کی عبارت پیش کر کے اس کو خلاف
شرط قرار دیکر عدم جواز کا حکم دیا، پھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب یہاں تشریف لائے،
ان سے گفتگو ہوئی، وہ بھی چاہتے یہ تھے کہ اگر مسئلہ کی گنجائش نکالی جاسکے تو ضرورت
تو واقعی یہ ہے کہ مدرسہ منتقل کر دیا جائے اور انھوں نے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں
استفتاء بھیج دو، آپ مفصل جواب دیدیں گے۔ لہذا عرض ہے کہ آپ تفصیلی جواب
عطا فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عید گاہ کی زمین میں مدرسہ
بنانا جائز نہیں، ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بناء سمجھ میں نہیں آتی،
اگر آپ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
مدظلہ کے افتاء کے دلائل تحریر فرما دیتے تو اس پر کچھ غور کر سکتا، بہر کیف مسئلہ کی نوعیت
بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں، معہذا جو امور موجب

خلجان ہو سکتے ہیں اثنار جواب میں ان کی تنقیح بھی کر دی ہے۔

قال فی الشامیة فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ماله حيث شاء ما لم یکن معصیة وله ان یخص صنفاً من الفقراء ولو کان الوضع فی کلهم قریة (رد المحتار ص ۴۹۹ ج ۳)

وقال فی التنویر اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاخر علیہ وان اختلف الحد هلالاً، (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳) معلوم ہوا کہ شروط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں، خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کر سکتا۔

قال فی شرح التنویر وقف ضیعة علی الفقراء ثم قال لولیه اعط من غلتها فلانا کذا او فلانا کذا المریض لخروجه عن ملکہ بالتسجیل (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳) در مختار کے مندرجہ بالا جزئیہ کے بعد ”ان للواقف الرجوع فی الشرط ولو مسجلاً (رد المحتار ص ۵۱۴ ج ۳) کے جزئیہ سے شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ اسی موقع پر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”وفیہ کلام سیاتی“ چنانچہ آگے چل کر ایک موقع پر نہایت بسط سے اسکی تحقیق فرمائی ہے جس سے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں؛ لایجوز ان یفعل الا ما شرط وقت العقد۔

وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغیرہ ولا تخصیصہ بعد تقرره ولا سیما بعد الحکم الخ (رد المحتار ص ۵۹۷ ج ۳) غرضیکہ خود واقف بھی جہت وقف کو تبدیل نہیں کر سکتا، اسی طرح حاکم بھی بیت المال کے وقف میں تبدیل جہت کا اختیار نہیں رکھتا، قال فی شرح التنویر ان السلطان یجوز له مخالفة الشرط (الی ان قال) وان غایر شرط الواقف لان اصلها بیت المال،

وفی الشامیة قلت والمراد من عدم مراعاة شروطها ان الامام او نائبه ان یرید فیھا و ینقص ونحو ذلک وليس المراد انه یصرفھا عن الجهة المعینة الخ (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۳) حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغفار ہو چکا ہو تو بھی وقف کی آمدن موقوف علیہ

کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی، اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔
 قال فی التَّنْوِیرِ وَمِثْلُهُ حَشِيشُ الْمَسْجِدِ وَحَصِيرُهُ مَعَ الْإِسْتِغْنَاءِ عَنْهُمَا وَالرِّبَاطُ
 وَالْبُئْرُ إِذَا لَمْ يَنْتَفِعْ بِهِمَا فَيَصْرَفُ وَقِفُ الْمَسْجِدِ وَالرِّبَاطُ وَالْبُئْرُ (وَالْحَوْضُ شَرْحٌ) إِلَى اقْرَبِ
 مَسْجِدٍ أَوْ رِبَاطٍ أَوْ بُئْرٍ (أَوْ حَوْضٍ، شَرْحٌ) إِلَيْهِ،

وَقَالَ فِي الشَّامِيَةِ (قَوْلُهُ إِلَى اقْرَبِ مَسْجِدٍ أَوْ رِبَاطٍ أَوْ بُئْرٍ) لَفٌّ نَشْرُطُ بَظَاهِرِهِ أَنَّهُ
 لَا يَجُوزُ صَرْفُ وَقِفِ مَسْجِدٍ خَرِبَ إِلَى حَوْضٍ وَعَكْسُهُ وَفِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى يَصْرَفُ وَقْفُهَا
 لِاقْرَبِ مَجَانِسٍ لَهَا (رَدُ الْمُحْتَارِ ص ۵۱۳ ج ۳)

مذکورہ جزئیہ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر مصرف اول
 سے اوقاف کی آمدن اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ استغناء
 دونوں صورتوں کو جامع ہے۔

شرح التَّنْوِیرِ مَعَ الشَّامِيَةِ ص ۵۲۰ میں یہ جزئیہ ہے :

وَيَبْدَأُ مِنْ غَلْتِهِ بِعِمَارَتِهِ ثُمَّ مَا هُوَ اقْرَبُ بِعِمَارَتِهِ كَأَمَّا مَسْجِدٌ وَمَدْرَسٌ
 يُعْطَوْنَ بِقَدَرِ كِفَايَتِهِمْ ثُمَّ السَّرَاجُ وَالْبَسَاطُ إِلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ الْوَاقِفُ
 لثَبُوتِهِ اقْتِضَاءً -

اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ وقف مسجد سے مدرس کو دینا جائز ہے، اس سے
 مقصد یہ ہے کہ وقف مسجد سے امام کو اور وقف مدرسہ سے مدرس کو دینا جائز ہے
 اس لئے کہ مندرجہ ذیل جزئیہ میں تصریح ہے کہ مسجد پر وقف کرتے وقت اگر مدرس
 بھی مشروط فی الوقف ہو تو وہ بھی مصارف لازمہ سے نہیں۔

قَالَ فِي شَرْحِ التَّنْوِیرِ وَأَمَّا يَكُونُ الْمَدْرَسُ مِنَ الشَّعَائِرِ لَوْ مَدْرَسُ الْمَدْرَسَةِ كَمَا مَرَّ
 أَمَّا مَدْرَسُ الْجَامِعِ فَلَا لَانَهُ لَا يَتَعَطَّلُ لَغَيْبَتِهِ بِخِلَافِ الْمَدْرَسَةِ حَيْثُ تَقْفَلُ أَصْلًا -

(رَدُ الْمُحْتَارِ ص ۵۲۵ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ اصل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں
 اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے، عالمگیری میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے :

سَلِّ شَمْسُ الْأُمَّةِ الْحُلُوفِ عَنْ مَسْجِدٍ أَوْ حَوْضٍ خَرِبَ وَلَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِتَفَرُّقِ
 النَّاسِ هَلْ لِلْقَاضِي أَنْ يَصْرَفَ أَوْقَافَهُ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ أَوْ حَوْضٍ آخَرَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْ لَمْ

یتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج الى العمارة
او على العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة الى عمارة ما هو
محتاج الى العمارة قال لا كذا في المحيط (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۲)

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں، شرح التنویر اور شامیہ کے مذکورہ
جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغناء مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور
حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے گا۔ وھذا ما جاء فی فہم هذا الفقیر
والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر۔

۱۸ رجب سنہ ۱۴۴۲ھ

مسجد کی زمین میں امام کا مکان بنانا :

سوال : ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کر کے اس میں امام مسجد
کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیسوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی
بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

قال فی شرح التنویر ولو خرب ما حوله واستغنى عنه یبقى مسجداً عند الامام
والثانی ابدأ الى قیام الساعة وبه یفتی۔

وفي الشامية (قوله ولو خرب ما حوله الخ) ای ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب
ولیس له ما یعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۱۴۴۲ھ

نزد مسجد بیت الخلا وغسل خانہ ساختن :

سوال : نزد دیوار مسجد پائخانہ تیار کردہ درآن حاجت می کنند و همچنین غسلخانہ بنامی کنند
دریں دو چیز مسجد چند فاصلہ ضروری ہست؟ بحوالہ کتب جواب دہند،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی الشامية فی باب مکروهات الصلوة لوجعل الواقف تحته بیتاً للخلاء هل

يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق لم أذكره صريحاً نعم سياقي متناً في كتاب الوقف
انه لو جعل تحت سر داب المصالحه جاز تأمل (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۲)

این جزئیہ دال ست بر جواز بنا بر بیت الخلاء نزد مسجد بلکہ بزیر مسجد ہم ابتدائاً مگر درین
قیاس مع الفارق ست چرا کہ بیت الخلاء را باغراض و مصالح مسجد پیچ گوینہ تعلق قریب نیست
واما تعلق بوسائط بعیدہ پس باین طور ہر فعل باغراض مسجد متعلق خواہد شد و این مبطل ست
برائے قید ”لمصالحه“ ، و نیز بنا بر بیت الخلاء بقرب مسجد عرفاً خلاف احترام ست ، و نیز موجب
ایذار مصلیان ، و در حدیث آکل ثوم و بصل را از قرب مسجد بالفاظ ”فلا یقرب من مسجدنا“
نہی آمدہ است ، و ظاہر ست کہ تعفن بیت الخلاء از بدبوی ثوم و بصل بدرجہا زیادہ ترست ،
شاید کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بحکم تأمل باین جانب اشارہ فرمودند۔

ہمچنین غسلخانہ از اغراض و مصالح مسجد نیست ، بلکہ مزید برین موضع اقرار و
اوساخ است و برو غیر مصلیان فساق و فجار ہم جمع می شوند ، بقرب مسجد امثال این چنین
محدثات ساختن خلاف حرمت مسجد است ۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع — ومن یعظم
شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ۔ واللہ سبحانہ و تعالی اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۵۵ھ

کافر کی متروک جائداد پر مسجد بنانا :

سوال : ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی طرف جانے والے
غیر مسلموں کی اراضی پر مساجد تعمیر کرنا جائز نہیں ، اگرچہ حکومت پاکستان کی
اجازت سے ہو ، دلیل میں آیت قرآنیہ ”ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد
اللہ“ بیان کرتے ہیں ۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی تعمیر
کی گئی ، مولوی صاحب مذکور کا قول اور استدلال کہاں تک صحیح ہیں ؟ بدینواتوجروا ۔

الجواب ومنذ الصدق والصواب

مولوی صاحب کا قول و استدلال صحیح نہیں ، اس لئے کہ غیر مسلم کا اپنی مملوکہ زمین میں
بنیت قربت مسجد تعمیر کرنا جائز ہے ۔

قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی کی تعمیر سے جواز تعمیر فی ارض الکفار پر استدلال صحیح
نہیں ، اس لئے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اس زمین کے مالکان اسلام لاچکے تھے ، یہ

مقبرہ ان کا مملوکہ تھا۔ تو تعمیر مسجد نبوی ارض مسلم پر ہوئی نہ کہ ارض کافر پر، ہاں ارض کافر پر بشرط مذکور تعمیر مسجد جائز ہے۔ اور صورت زیر بحث میں تو ارض کافر ہے ہی نہیں اس لئے کہ دونوں حکومتوں کے باہمی فیصلہ کے بعد ہر حکومت متروک جائداد پر قبضہ و کالت رکھتی ہے یعنی تصرفات میں اصل مالک کی وکیل ہے، لہذا جب غیر مسلم کو اس کی جائداد کا عوض ہندوستان میں مل گیا تو یہ اس جائداد کی بیع بواسطہ وکیل ہوئی۔

اگر انتقال آبادی و معاوضہ املاک کے اس معاہدہ کا اعتبار نہ کیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے تو املاک متروکہ بحکم فیء ہونے کی وجہ سے ملک کفار سے خارج ہو گئیں، لہذا بہر کیف متروکہ املاک میں حکومت کی اجازت سے تعمیر مساجد بلا شبہ جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۱۴۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک شخص کی زمین شہر دریا خاں مری سے متصل ہے، اس مالک زمین اور دوسرے مسلمانوں کو مسجد محلہ کی ضرورت ہے، مالک زمین کہتا ہے کہ اس زمین سے میں مسجد کے لئے حسب ضرورت قطعہ وقف کرتا ہوں، مگر اس زمین میں ہندو میرا شریک ہے جو ہندوستان چلا گیا ہے، اس کا حق یوں ادا کروں گا کہ اس زمین سے اسے اس کا حصہ دیدوں گا یا نقد رقم۔ تو اس صورت میں اس زمین میں تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حکومت کو درخواست دیکر اس زمین کو تقسیم کر دیا کر اپنے حصہ میں مسجد تعمیر کروائی جائے مزید زمین کی ضرورت پڑے تو ہندو شریک کا حصہ بھی حکومت کی اجازت سے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ذی حجه سنہ ۱۴۱ھ

سوال مثل بالا :

سوال : پاکستان میں غیر مسلم کی متروکہ زمین پر مسجد طیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا اتجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

متروکہ املاک پر حکومت کا قبضہ خواہ بطور استیلا رکھا جائے یا بطور انتظام بمنزلۃ
الوکالۃ عن المالك وهو الظاهر۔ بہر کیف حکومت کے اذن سے متروکہ زمین میں تعمیر مسجد
جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۲ھ

کافر کا مسجد بنانا :

سوال : کافر اگر مسجد تعمیر کرے یا تعمیر مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے۔
آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ واقف کے
خیال و عقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، راجح قول ثانی ہے،

قال فی الہندیۃ واما سببہ فطلب الزلفی (الی قولہ) واما الاسلام فلیس بشرط
وفی کتاب الوقف من شرح التنویر بدلیل صحۃ من الکافر،
وفی الشامیۃ حتی یصح من الکافر (الی قولہ) بخلاف الوقف فانہ لا بد
فیہ من ان یکون فی صورۃ القرۃ وهو معنی ما یأتی فی قولہ ویشترط ان یکون
قریۃ فی ذاتہ اذ لو اشترط کونہ قریۃ حقیقۃ لم یصح من الکافر (رد المحتار ج ۳)
وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت
وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے

آیہ کریمہ ”ما کان للمشرکین ان یعروا مسجدا للہ“ سے کافر کی تعمیر مسجد کے
عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق و سباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح
ہو جاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایہ حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح
کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں
اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز و عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہذا
”للمشرکین“ میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق و صلاحیت کا ہے، والتفصیل فی بیان القرآن۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق و سباق و شان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا ”فانہ لكل فن رجال“

خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر پہنچتی ہے؟
فیہا حدیث بعلاہ یؤمنون -

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار و اظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۱۴۵۵ھ

مسجد میں خرید و فروخت کرنا :

سوال : ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں بیع جب مکروہ ہے کہ بیع بہت زیادہ ہو اور مسجد میں بیع بازار کی طرح عموماً کی جائے۔ اگر کسی چھوٹی چیز کی بیع کبھی مسجد میں کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں دلیل میں عبارت ذیل پیش کرتے ہیں :

وذلك النهی عن البيع فيه هو الذي يغلب عليه حتى يكون كالسوق
لأنه صلى الله عليه وسلم لم ينه عن بيعا رضى الله تعالى عنه عن خصف النعل
فيه مع انه لو اجتمع الناس لخصف النعال فيه كره فكذا لك البيع والنشاد
الشعر والتحلق قبل الصلوة فما غلب عليه كره وما لا فلا اه

(دالمختار ص ۶۱۸ ج ۱)

نیز کہتے ہیں کہ بذل المجہود شرح ابنی داود میں اس سے بھی زیادہ جواز کی تصریح اور تشریح ہے نیز شامیہ باب الاعتکاف میں ہے :

ان المبيع لو لم يشغل البقعة لا يكره احضاره كذا هو يسيرة او كتاب
ونحوه (الى قوله) ان احضار الثمن والمبيع الذي لا يشغل جائز اه

(دالمختار ص ۸۸۲ ج ۲)

کیا مولوی صاحب کا یہ خیال اور استدلال درست ہے۔ بدینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

شامیہ باب الاعتکاف کا جزئیہ تو صرف معتکف سے متعلق ہے، اس میں بیع کے جواز یا عدم جواز سے متعلق کوئی بحث نہیں، بلکہ صرف احضار مبیع فی المسجد للمعتکف کی تفصیل ہے، معتکف کے لئے بیع اشیاء ضروریہ تو ویسے ہی جائز ہے، صرف احضار مبیع میں تفصیل ہے۔

غیر معتکف کی بیع کے متعلق مطلقاً کراہت تحریمیہ کی تصریح عبارت مذکورہ کے ساتھ ہی شرح التنویر اور شامیہ میں موجود ہے :

قال فی شرح التنویر وکراہی تحریماً لانہا محل اطلاقہم احضار المبیع فیہ کما کراہ فیہ مبايعۃ غیر المعتکف مطلقاً للنہی۔

وفی الشامیۃ (قوله مطلقاً) ای سواء احتاج الیہ لنفسہ او عیالہ او کان للتجارۃ احضارہ اولیٰ ما یعلم مما قبلہ ومن الزیلعی والبحر (رد المحتار ص ۱۸۴) اور شامیہ باب احکام المساجد میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تحقیق نہیں بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق نقل کی ہے، اگرچہ اس جگہ آپ نے اس پر سکوت کیا ہے، مگر باب الاعتکاف میں مطلقاً کراہت تحریمیہ کو ثابت کیا ہے، کما مر، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور مذہب مشہور کے خلاف ہے، جیسا کہ سور الہرۃ وغیرہ متعدد مسائل میں آپ کی تحقیق مذہب مشہور کے خلاف ہے۔ چنانچہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق مذکور کے متعلق فرماتے ہیں :

(قوله وكذلك النهی عن البیع فیہ هو الذی یغلب علیہ الخ) ہذا خلاف المشہور فان المشہور کراہۃ البیع فی المسجد وان لم یغلب علیہ (التحذیر المختار ص ۸۶ ج ۱) بذل المجہود میں بھی امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کو بایں طور نقل کیا ہے :

قال الشوکانی اما البیع والشراء فذهب جمهور العلماء الى ان النهی محمول علی الکراہۃ (الی قولہ) وفراق اصحاب ابی حنیفۃ بین ان یغلب ذلک ویکثر فیکرہ او یقل فلا کراہۃ وهو فرق لادلیل علیہ انتہی قلت وهذا الذی عزاہ الی اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ هو الذی ذکرہ الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی معانی الاشارۃ

(بذل المجهود ص ۱۸۶ ج ۲ باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلوة)

اس عبارت سے مزید معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حنفیہ میں سے اس تحقیق میں متفرد ہیں، اسی لئے شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا محمل امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا۔

غرضیکہ حنفیہ کا مذہب مشہور اور مفتی بہ یہی ہے کہ بیع فی المسجد بہ صورت غیر معتکف کے لئے مکروہ تحریمی ہے اور واجب الرد ہے۔

قال فی شرح التنویر واعلم ان فسخ المکروه واجب علی کل واحد منهما ایضاً بحر وغیرہ لرفع الاثم۔

وفی الشامیة (قوله ایضاً) ای کما فی البیع الفاسد وقد مناعن الدار ان لا یجب فسخه وما ذکره الشارح عزاء فی الفتح اول باب الاقالة الی النہایة ثم قال وتبعه غیره وهو حق لان رفع المعصیة واجب بقدر الامکان اه قلت ویمكن التوفیق بوجوه علیهما دیانۃ بخلاف البیع الفاسد فانهما اذا اصر علیہ یفسخه القاضی جبراً علیہما ووجه ان البیع هنا صحیح قبل القبض ویجب فیہ الثمن لا القيمة فلا یای القاضی فسخه لحصول الملك الصحیح (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۲)

جب یہ بیع واجب الرد ہے تو اس مبیع میں تصرف اکل وغیرہ حرام ہوگا، مگر یہ مبیع خود حرام نہیں، یعنی اکل حرام ہے ماکول حرام نہیں۔

قال فی شرح التنویر اشتری مکیلاً بشرط الکیل حرم ای کوه تحریم بایعه و اکلہ حتی یکیلہ وقد صرحوا بفسادہ وبأنه لا یقال لأکلہ انما کل حراماً لعدم التلازم کما بسطہ الکمال۔

وفی الشامیة تحت (قوله کما بسطہ الکمال) لو اکلہ وقد قبضہ بلا کیل لا یقال انما کل حراماً لانه اکل ملک نفسه الا انه اثم لتركه ما امر به من الکیل فكان هذا الکلام اصلاً فی سائر المبیعات بیعاً فاسداً اذا قبضها فملکها ثم اکلها (الی قولہ) وحاصله انہ اذا حرم الفعل وهو الاکل لا یلزم منه ان یكون اکل حراماً (الی قولہ) وكذا لو غصب شیئاً واستهلكه بخاطه ونحوه حتی ملکه ولم یؤد ضمانه یحرم علیه التصرف فیہ باکل ونحوه وان کان ملکه (رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم — ۱۸ صفر سنہ ۱۴۶۶ھ

مسجد پر مدرسہ بنانا :

سوال : مسجد کے اوپر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا
الجواب باسمہما هما الصواب

قال في التنوير واذا جعل تحت سرداب المصالحه اى المسجد جازك مسجد المقدس
(رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)

وقال الرافعي رحمه الله تعالى (قول المصنف لمصالحه) ليس بقيد بل لحكم
كذلك اذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما افاده في غاية البيان حيث قال
اورد الفقيه ابوالليث سؤالا وجوابا فقال فان قيل اليس مسجد بيت المقدس
تحت مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل اذا كان تحت شئ ينتفع به
عامة المسلمين يجوز لانه اذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالى ايضا اه
ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصر التي تحتها صهاريج ونحوها
(التحرير المختار ص ۸۰ ج ۲)

وفي الهندية ومن جعل مسجدا تحت سرداب او فوقه بيت وجعل باب
المسجد الى الطريق وعزله فله ان يبيعه وان مات يورث عنه ولو كان السرداب
لمصالح المسجد جازك في مسجد بيت المقدس كذا في الهلاية (عالمگیری۵۵۵ ج ۴)
عبارت اولی و ثانیہ کا ظاہر عدم جواز پر دل ہے لان مفہوم الفقہاء رحمہم اللہ
تعالیٰ حجتہ بالاتفاق۔ اور روایت ثانیہ میں جواز کی تصریح ہے، اس لئے بوقت ضرورت
شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتداء ہی سے
مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتداء ارادہ نہ تھا بلکہ مسجد کی
حدود متعین کر کے اس رقبہ کے بارے میں زبان سے کہہ دیا کہ یہ مسجد ہے، اسکے بعد
اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوا تو جائز نہیں۔

قال في شرح التنوير لو بنى فوقه بيتا للام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت
المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عذبت ذلك لم يصدق (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)
والله تعالى اعلم

۳ ربيع الاول سنة ۱۴۶۶ھ

مسجد پر امام کا مکان بنانا :

سوال : امام کی سکونت کے لئے مسجد کے اوپر مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

زمین کے جتنے قطعہ کو ایک بار مسجد شرعی قرار دے دیا گیا اس کے اندر اور نیچے اوپر کوئی دوسری چیز بنانا جائز نہیں، مسجد شرعی قرار دینے سے قبل امام کیلئے مکان یا صالح مسجد کے لئے اور کچھ بنانا طے کر لیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کر دی ہو تو جائز ہے، مسجد شرعی ہو جانے کے بعد اگر متولی نے شروع ہی سے نیت کا دعویٰ کیا تو یہ قبول نہ ہوگا۔

قال فی شرح التنویر: لو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تممت المسجداً ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاخر خانیة (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم سنہ ۱۳۸۶ھ

رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا :

سوال : ناظم آباد میں ایک خالی پلاٹ پڑا ہے جو اہل محلہ کے رفاہ کے لئے مخصوص ہے، بارہ تیرہ برس سے مقامی لوگ اسے اپنی انفرادی یا اجتماعی تقاریب میں استعمال کرتے آرہے ہیں، قریب میں کوئی مسجد نہ تھی، اس لئے ضرورت کے تحت اسی پلاٹ کے ایک کونے میں خام چبوترہ بنا کر اس میں نماز پنجگانہ کی جماعت شروع کی گئی جو آج تک جاری ہے بلکہ جمعہ بھی پابندی سے ہو رہا ہے، اس کارروائی سے پہلے مقامی حکام سے اجازت حاصل نہیں کی گئی، اب اس کی کوشش جاری ہے، کیا اہل محلہ اس طرح مسجد تعمیر کر سکتے ہیں؟ بیسوا تو جدوا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بوقت ضرورت اہل محلہ راستہ کو بھی مسجد بنا سکتے ہیں بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ایذا نہ ہو، اس لئے کہ راستہ بھی انہی لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے لہذا وہ اس میں تصرف کرنے کے مجاز ہیں، بنائے علیہ خالی پلاٹ میں جو اہل محلہ ہی کے مفاد اور راحت کیلئے چھوڑا گیا ہے،

اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے مسجد کی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہے، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے، حکومت پر ان لوگوں سے تعاون ضروری ہے نہ یہ کہ وہ اس کام میں رکاوٹ پیدا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ شوال سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد میں کپڑے سکھانا :

سوال : کپڑے دھو کر مسجد کے صحن یا دیوار پر سکھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کے صحن یا دیوار پر کپڑے سکھانا جائز نہیں، مؤذن اور خادموں وغیرہ کے لئے اگر کوئی دوسری جگہ کپڑے سکھانے کی نہ ہو تو مسجد سے باہر ملحق جگہ میں سکھا سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد میں چندہ کرنا :

سوال : ایک مسجد میں کئی ہزار روپے پہلے سے جمع ہیں مگر پھر بھی حسب عادت جمعہ کے روز نمازیوں کے آگے پیٹی گھا کر چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ کام درست ہے ؟

الجواب باسمہم الصواب

ضرورت ہو تو بھی اس طریقہ سے چندہ مانگنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں :

① نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

② نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے صف کو پھلانگ کر جانا جائز ہے۔

③ کسی کے سامنے پیٹی کرنا چندہ دینے کے لئے خصوصی خطاب ہے جو جائز

نہیں، اس لئے کہ اس میں دینے والے کی طیب خاطر معلوم نہیں، خصوصاً دوسروں کے سامنے خصوصی خطاب میں جبر و اکراہ ظاہر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا حلال نہیں۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بذریعہ خطاب عام ترغیب دی جائے۔

اس کی تفصیل رسالہ ”صيانة العلماء عن الذل عند الاغنياء“ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غزوہ ذی القعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد کی بجلی کا بے جا استعمال :

سوال : مسجد کے قریب سڑک پر جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے، جس میں ایک بزرگ عالم دین کا وعظ ہوگا، شاید رات کے بارہ ایک بجے تک جلسہ کی کارروائی جاری رہے، اس ضرورت سے مسجد کی بجلی تار کے ذریعہ لے جا کر استعمال کرنا درست ہوگا جبکہ منتظمہ سے اسکی اجازت بھی لے لی جائے؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کی بجلی مسجد ہی کے لئے خاص ہے، کسی ایسے کام کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں جو مصالح مسجد میں داخل نہیں ہو کہ وہ کام اپنی جگہ کتنی ہی نیکی کا ہو، جب مسجد کی اشیاء کا استعمال دوسری مسجد میں بھی جائز نہیں تو عام جگہوں کے لئے کیونکر روا ہوگا، منتظمہ کی ایسی بے موقع بلکہ خلاف شرع اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال ۱۳۸۶ھ

سوال مثل بالا :

سوال : مسجد کی بجلی امام یا مؤذن کے حجرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ملحقہ مدرسہ میں منتظمہ کی اجازت سے اسے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

امام و مؤذن کا حجرہ چونکہ متعلقات مسجد میں سے ہے لہذا اس کے لئے مسجد کی بجلی منتقل کرنا جائز ہے، اسی طرح مدرسہ بھی اگر مسجد کے تابع ہے اور عام طور پر لوگوں کو اس کا علم ہے اور چندہ دہندگان بھی اسکی کوئی تصریح نہیں کرتے کہ ان کا چندہ مدرسہ میں خرچ نہ کیا جائے تو اس صورت میں ملحقہ مدرسہ میں بھی بجلی دی جاسکتی ہے۔

اگر مدرسہ مسجد کے تابع نہیں تو اس کو مسجد کی بجلی دینا جائز نہیں، مسجد کی کوئی چیز کسی دوسری جگہ خواہ وہ دوسری مسجد ہی ہو، منتقل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : لکن علمت ان المفتی نہ قولہ فی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر کما مر عن الحاوی، (رد المحتار ص ۳۸۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

مسجد کے نل سے نہانا :

سوال : مسجد کا نل ہے، اس کے پانی سے غسلخانہ میں غسل کرنا یا کپڑے دھونا جائز ہے یا نہیں؟ بیاد توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب .

غسلخانہ اگر حد و مسجد میں ہے تو عام لوگوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، صرف امام، موذن اور خدمت مسجد سے متعلقہ افراد ہی اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

اور اگر ضرورت مسجد کے لئے زمین کا وقف تام ہونے سے پہلے رفاہ عام کے لئے رکایا گیا ہے تو ہر شخص کو پانی لے جانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مسجد کی تلویث نہ ہو اور اس سے نمازیوں کو تشویش و انداز نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

امام کو پیشگی تنخواہ دینا :

سوال : امام مسجد اپنے اہل و عیال کے لئے مکان بنانا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہوگا کہ منتظمہ پیشگی اسے یہ پوری رقم دیدے اور تنخواہ سے ماہوار مثلاً دس روپے منہا کرتی رہے؟ بیاد توجروا

الجواب باسمہم الصواب

عام عرف کے مطابق پیشگی تنخواہ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ ملازمت چھوڑنے کی صورت میں بقیہ رقم واپس لینے اور بصورت وفات ترکہ سے وصول کرنے کی قدرت ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۶ھ

مسجد میں سونا :

سوال : طلبہ علم کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ بیاد توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کی بنا و ذکر و عبادت کے لئے ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں، اس لئے عام حالات میں تو کسی کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں، خواہ طالب علم ہو یا کوئی اور اگر بامجبوری طلبہ کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے :

① مسجد کے سوا اور کوئی عارضی یا مستقل قیامگاہ موجود نہ ہو، نہ متولی منتظم اس کا انتظام کر سکتے ہوں۔

② مسجد کے آداب کا پورا لحاظ رکھیں کہ شور و غوغا، ہنسی مذاق اور لابیعی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں۔

③ نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اٹھ جائیں اور نمازوں کے بعد بھی جب تک لوگ سنن و نوافل یا ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں ان کی عبادات میں خلل نہ ڈالیں۔

④ طلبہ بارش یا کم از کم آداب مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کمسن بے شعور بچوں کو مسجد میں سلانا جائز نہیں۔

(الغرض ممکن حد تک اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، مجبوری کی بات الگ ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۷ھ

سوال مثل بالا :

سوال : کسی مقیم شخص کے لئے مسجد میں چار پائی ڈال کر یا بلا چار پائی لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز آجکل دستور ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مسجد میں لیٹتے، مسجد ہی میں کھاتے پیتے اور دوسرے معمولات پورے کرتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ بیہنو توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

معتکف اور مسافر کے لئے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے لہذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے، اس لئے کہ اہل تبلیغ بھی عموماً مسافر ہوتے ہیں، معہذا بہتر ہے کہ اعتکاف کی نیت بھی کر لیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق اگر کوئی حجرہ وغیرہ ہو جس میں تمام سہولتیں سمیت ہو تو مسجد میں نہ سوئیں اور کھانا بھی باہر کھائیں، اور مسجد میں چار پائی بچھنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصنفی رحمہ اللہ تعالیٰ : واکل ونوم الامعتکف وغریب الخ

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله واکل ونوم) واذا اراد ذلك

ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل ويدكر الله تعالى بقدر ما نوى او يصلي
ثم يفعل ما شاء فتاوى هندية (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱) والله تعالى اعلم
۲۴ ربیع الاول سنہ ۸۹ ھ

دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا :

سوال : ایک شخص مسجد محلہ کی جماعت چھوڑ کر دوسرے محلہ میں جا کر نماز ادا کرتا ہے
اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہما الصواب

اگر مسجد محلہ کا امام صحیح العقیدہ ہے اور بھی کوئی شرعی یا طبعی مانع اس میں موجود نہیں
تو اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری جگہ کا رخ کرنا صحیح نہیں، مسجد محلہ کا اتنا حق ہے کہ اگر
اس میں داخل ہونے کے بعد کسی کی جماعت بھی فوت ہوگئی تو طلب جماعت میں
دوسری مسجد جانے کی بجائے مسجد محلہ میں ہی انفراداً نماز ادا کرنا افضل ہے، غرض اس
شخص کا یہ عمل حد سے افراط اور خلاف شرع ہے، مگر اہل محلہ کو اس قسم کے شخص سے سو رن
رکھنا یا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں، عموماً اس قسم کا طرز عمل مسائل شرعیہ سے
ناواقفیت یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے شفقت و ہمدردی سے اسکی اصلاح
ضروری ہے، اگر سمجھانے سے نہ سمجھے تب بھی اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس قسم
کے لوگوں سے الجھنے کی بجائے ایسے لوگوں پر محنت کیجائے جو سرے سے نماز ہی سے
آزاد ہیں اور کسی مسجد میں بھی قدم نہیں رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الآخر سنہ ۸۷ ھ

مسجد کے چندہ کا مبادلہ :

سوال : مسجد کے چندہ سے اگر کوئی ریزگاری لے لے اور نوٹ دیدے تو یہ لین
دین مسجد کے اندر یا مسجد سے باہر جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسمہما الصواب

مسجد سے باہر جائز ہے، اندر جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ ھ

مسجد کی کتاب کو باہر نکالنا :

سوال : ایک شخص مسجد میں رکھی ہوئی کتاب مضمون سنانے کے لئے گھراٹھا کر لے گیا اور سنانے کے بعد کتاب پھر مسجد میں پہنچا دی، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر کتاب مسجد پر وقف ہے تو اس کا کسی دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں، مسجد کی حدود میں ہی اس سے انتفاع کیا جائے۔

کذا حرر العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۳۸۷ ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم

رمضان سنہ ۱۴۰۷ھ

اذان کے بعد افرادِ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنا :

سوال : کسی شخص کو اگر جلدی ہو، مثلاً سفر در پیش ہو یا کوئی اور ضروری کام، تو اذان کے بعد مسجد کے اندر نماز پڑھ کر جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے۔

قال فی التنویر : فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار

القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۷ھ

مسجد کی چیز ذاتی استعمال میں لانا :

سوال : مسجد کا متولی یا اس کے رشتہ دار اور پڑوسی مسجد کی کون کون سی چیزیں اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

جب ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے لئے بھی استعمال کرنا جائز نہیں تو متولی یا غیر متولی مسجد کی چیز کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ کسی کو یہ اختیار بھی نہیں کہ مسجد کا چراغ اپنے گھر لیجائے۔

قال فی الهندیة ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی بلیتہ (عالمگیریۃ ص ۱۱ ج ۱)
واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ صفر سنہ ۱۳۸۹ ھ

مسجد میں لالٹین جلانا :

سوال : زید نماز عشاء کے بعد آدھا گھنٹہ درس حدیث دیتا ہے، اس دوران اگر بجلی بند ہو جائے اور ہوا تیز ہونے کی بنا پر چراغ یا موم بتی روشن کرنا ممکن نہ ہو تو لالٹین میں مٹی کا تیل ڈال کر مسجد میں جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح نماز کے دوران لالٹین جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بدینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

حدیث میں ہے کہ کچی پیاز یا لہسن کھانے والا مسجد کے قریب نہ آئے، اور مٹی کے تیل کی بوتلوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے، لہذا اسے مسجد میں جلانا جائز نہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۹ ھ

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا :

سوال : ایک مسجد وسط محلہ میں واقع ہے، پانی کی بڑی دقت ہے، نمازیوں کو نماز ادا کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہے، دریں حالات اس مسجد کو یہاں سے ہٹا کر ایسی جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے جس میں اس قسم کی دشواریاں نہ ہوں اور نماز بسہولت ادا کی جاسکے؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کو کسی حال میں بھی منتقل کرنا جائز نہیں، جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، بالفرض مسجد ویران ہو جائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ رہے تو بھی اس کا ابقاء واجب ہے، البتہ ویران مسجد کے سامان پر خطرہ ہو تو اس کو دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۱۴۰۹ ھ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک غیر مسلم کارخانہ دار نے کارخانہ میں مسجد تعمیر کرائی، مسلمان چھ سات سال تک اس میں نمازیں ادا کرتے رہے، پھر غیر مسلم نے کارخانہ ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا، اس کے بعد بھی سات، آٹھ ماہ تک اس مسجد میں نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی، لیکن اب مسلمان کارخانہ دار کہتا ہے کہ میں مسجد یہاں سے ہٹا کر دوسرے کناے پر بناؤں گا، اور یہاں ذاتی عمارت بنوانا چاہتا ہوں۔ کیا اسکا یہ اقدام درست ہے؟
بیدنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیکی سمجھ کر ہی یہ مسجد تعمیر کروائی ہے، لہذا یہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اب مسلمان کارخانہ دار کا اسے ہٹانا جائز نہیں۔

اگر غیر مسلم کا وقف صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو بھی مسلمان کارخانہ دار کے سامنے سات آٹھ ماہ مسلسل اس جگہ نماز باجماعت ہوتی رہی اور وہ خاموش رہا یہ خاموشی بھی دلیل رضا ہے، لہذا خود اس کی رضا سے بھی یہ شرعی مسجد قرار پائی، اب اسے ہٹانا جائز نہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۹ھ

مسجد میں چارپائی بچھانا :

سوال : فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ مسافر اور مقیم کو مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا جائز ہے، اس مسئلہ کو دیکھ کر کچھ الجھن پیدا ہو گئی کہ مقیم کو تو مسجد میں سونا جائز نہیں، اس کی تشریح فرمادی جائے۔ بیدنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ :

جائز است چہ برائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد سریر سے نہادہ شدے و برائے

درایام اعتکاف آرام می فرمودند کما فی سفر السعادة و ابن ماجہ از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کردہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح له فراشه او یضع له سریرہ و راء اسطوانة التوبة واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۱۵)
 بنص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ غیر مسافر و معتکف کے لئے مسجد میں سونا مکروہ ہے بجا
 ضرورت شدیدہ یہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے کہ پہلے بنیت اعتکاف داخل ہو کر کچھ عبادت کرے
 قال العلامة المحضی رحمہ اللہ تعالیٰ: واکل ونوم الا لمعتکف وغریب الخ
 وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله واکل ونوم) واذا اراد ذلك
 ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی ویصلی ثم یفعل
 ماشاء فتاویٰ ہندیہ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱)

در اصل ادب یا بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چار پائی
 بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائیگی۔
 وہ چار پائی پر قیاس کر کے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کر دیں گے، لہذا اب معتکف
 کے لئے بھی چار پائی بچھانا جائز نہیں، جیسے پہلے پاک جوتا پہن کر مسجد میں آنا اور نماز
 پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا، مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بے ادبی سمجھا جاتا ہے
 اگر کوئی پاک جوتا پہن کر مسجد میں آجائے تو عوام اس پر ہنگامہ برپا کر دیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ

مسجد میں اگالہ ان رکھنا :

سوال : ایک آدمی بیمار ہے جو مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، اس کو بلغم بہت آتا ہے
 اگر شخص تھوکنے کے لئے ایک ڈبہ مسجد کے کسی گوشے میں رکھ دے اور بوقت ضرورت
 اس میں تھوکتا رہے، پھر اسے باہر پھینک دے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جو
 الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، وضو خانہ میں تھوک کر پانی بہائے، یہ مشکل ہو تو رومال وغیرہ میں بلغم
 نکالے اور اس کپڑے کی صفائی کا اہتمام رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ

مسجد کی آمدن سے مسجد کی اشیاء خریدنا :

سوال : ایک صاحب کہتے ہیں کہ مسجد کی عام آمدن سے مسجد کے لئے چٹائی، لوٹا وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے اور حوالہ دیتے ہیں کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نفع المفقی میں ایسا ہی لکھا ہے، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچندہ دینے والوں کا اذن صراحتاً یا دلالتاً موجود ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز، نفع المفقی میں تلاش کرنے سے یہ مسئلہ نہیں ملا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر سنہ ۱۴۰۹ھ

کافر کی زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا :

سوال : ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی، اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بیٹو! توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔
کذا فی الشامیۃ قبیل باب الاذان،
اس لئے ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات الصلوۃ : والصلوۃ جائزۃ فی جمیع ذلک (استجماع شرائطها وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وهو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراہۃ (ہدایۃ ص ۱۴۳ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر سنہ ۱۴۰۹ھ

مسجد میں آتے جاتے سلام کہنا :

سوال : جب مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لوگ اس وقت عموماً ذکر و تسبیح یا نماز میں مشغول ہوتے ہیں، البتہ ایک آدھ آدمی فارغ بھی بیٹھا ہوتا ہے۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں آنے والے لوگ مختلف عبادات میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے انکو

سلام کہنا جائز نہیں اور ایسے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للحموی یا ثمر بالسلام
على المشغولين بالخطبة أو الصلوة أو قراءة القرآن أو مذاکرۃ العلم الخ
ونقل عن الزیلعی : ولو سلم علیہم لا یجب علیہم الرد لانہ فی غیر محلہا
(رد المحتار ص ۵۷۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۲۹۱ھ

مسجد میں وضو کرنا :

سوال : ایک مسجد کا صحن توڑ کر از سر نو بنایا جا رہا ہے ، اس میں بھراؤ کر کے اسے
نئے سرے سے پختہ کیا جائے گا ، دریں حالت اس صحن میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
اور اس صحن پر جو تلوں کے ساتھ چلنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ دوسری جگہ وضو کے لئے نہ ہو
اور اس کی کچی زمین میں پانی جذب ہو جاتا ہو ۔ بیٹو! توجروا ۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد میں وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ وضو کا پانی ایک روایت پر نجس ہے ، اور مفتی بہ
قول پر اگرچہ نجس نہیں مگر خبیث ضرور ہے ، علاوہ ازیں بوقت وضو لوگ لعاب ، بلغم
اور ناک کی رطوبت پھینکیں گے ، منڈیر پر اس طرح بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں کہ پانی باہر گرے
جو تا پہن کر جانا بوقت ضرورت جائز ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۱۲۹۲ھ

مسجد کے قرآن طلبہ کو دینا :

سوال : آجکل مساجد میں لوگ عموماً بلا اجازت قرآن مجید اتنی کثرت سے لکھ جاتے ہیں
کہ قرآن مجید کے ڈھیر لگ جاتے ہیں جو یونہی مدتوں رکھے رہتے ہیں ، انھیں نہ کوئی
اٹھاتا ہے نہ تلاوت کرتا ہے ، بالآخر بو سیدہ ہو جانے کے بعد ان کو دفن کرنا پڑتا ہے ۔
اگر یہ قرآن مجید ان نادار بچوں کو دیدیے جائیں جو مکتب یا مدرسہ میں پڑھتے ہیں تو
جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹو! توجروا ۔

الجواب باسمہم الصواب

کسی کی ملک میں دینا جائز نہیں ، نہ ہی مدرسہ میں دیئے جاسکتے ہیں ، البتہ بحت

استغناء دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کرنے کی اجازت ہے۔
اگر مسجد سے باہر یہ تختی لگادی جائے کہ یہاں قرآن مجید بلا اجازت رکھنا ممنوع ہے
کوئی رکھے گا تو وہ مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دیدیا جائے گا، پھر بھی کوئی رکھ جائے تو
منتظم کو مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۹۲ھ

پرانی مسجد کو مکتب بنانا :

سوال : پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز
پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں، البتہ اسکی مسجدیت اور ادب و
احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے :

① معلم اجرت لیکر نہ پڑھائے، بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

② چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

③ مسجد کے احکام اور ادب و احترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال فی التنویر : ولو خرب ما حوله واستغنی عنہ ببقی مسجدًا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ولا يجوز نقله ونقل ماله الى
مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وهو الفتوى حاوی القدسی واکثر المشائخ
علیہ عجبتی وهو الوجه فتح اھ بحر (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جمادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا :

سوال : مسجد میں دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ نیز دنیوی علم حاصل کرنے لئے مسجد
میں بیٹھ کر مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد محض عبادت الہیہ کے لئے ہے، اس میں کوئی دنیوی کام کرنا اور بلا ضرورت
دنیوی باتیں کرنا یا فضول بات چیت کرنا مسجد کی سخت بے حرمتی ہے، اس لئے ناجائز ہے

البتہ بقدر ضرورت معمولی بات کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

مسجد میں افطار کرنا :

سوال : رمضان میں روزہ داروں کو مسجد میں بیٹھ کر افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟
بیدنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل جس طرح مساجد کے اندر افطار کرنے کا دستور ہے اس میں مسجد کی تلویش اور بے حرمتی ہوتی ہے لہذا یہ جائز نہیں؛ مسجد کی منتظمہ پر ضروری ہے کہ اذان کے بعد اتنا وقفہ دے کہ محلہ کے نمازی گھروں میں اطمینان سے افطار کر کے مسجد میں پہنچ سکیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ رجب سنہ ۹۲ھ

مسجد میں جگہ روکنا :

سوال : کیا مسجد میں رومال یا ٹوپی رکھنے سے اس جگہ کا آدمی مستحق ہو جاتا ہے؟ اور کسی دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہوتا؟ مؤذن کے لئے عموماً جگہ روک کر امام کے پیچھے الگ مصلیٰ بچھایا جاتا ہے اور اس جگہ کسی دوسرے شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بیدنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کوئی شخص مسجد میں کسی جگہ کچھ دیر عبادت کرے پھر کسی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لئے جانا چاہے اور رومال وغیرہ رکھ کر جگہ روک لے تو جائز ہے، کسی جگہ کچھ وقت ٹھہرے بغیر صرف رومال رکھ جانے سے اس جگہ کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

یہی حکم مؤذن کے لئے ہے اسکے لئے جگہ مخصوص کرنے اور الگ مصلیٰ بچھانے کی رسم صحیح نہیں، مسجد میں پہلے پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی حقدار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ رمضان سنہ ۹۲ھ

مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا :

سوال : بعد نماز فجر تا وقت نماز اشراق نمازیوں کی آمد اور نماز کا سلسلہ جاری

رہتا ہے، اس اثناء میں کسی کو بلند آواز سے مسجد کے اندر قرآن شریف کی تلاوت کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ تلاوت کی آواز سے نمازیوں کو تشویش لاحق ہوتی ہے۔ بدینواتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

ایسی حالت میں نماز میں مغل ہونے کی وجہ سے بلند آواز سے تلاوت جائز نہیں۔
نیز ایک قول کے مطابق قرآن کا سننا بہر حال واجب ہے اور حالت نماز میں سننا ممکن نہیں، لہذا قاری گنہگار ہوگا۔

قال فی العلانیۃ : (فروع) يجب الاستماع للقراءة مطلقا لان العبرة لعموم

اللفظ -

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ای فی الصلوۃ وخارجھا
لان الآیۃ وان كانت واردة فی الصلوۃ علی ما مرّ فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص
السبب -

وقال بعد سطرین : وفي الفتح عن الخلاصة رجل يكتب الفقه ومجذبه
رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فلا تسمع على القاري (رد المحتار ص ۵۹۹)
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۳ھ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا :

سوال : جو مدرسین تنخواہ پر قرآن مجید یا عربی کتابوں کا درس دیتے ہیں کیا انکو کسی
مسجد کے اندر درس دینا درست ہے؟ بدینواتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا جائز نہیں،

صرح بہ فی الہندیۃ -

وفي العلانیۃ : ويمنع منه وكذا كل مؤذ ولو بلسانه وكل عقد اللمعتكف

بشرطه (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱)

اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھانا بشرط ذیل جائز ہے :

① مدرس تنخواہ کی ہوس کی بجائے گزر اوقات کے لئے بقدر ضرورت وظیفہ پر

اکتفاء کرے۔

- (۲) نماز اور ذکر و تلاوت قرآن وغیرہ عبادات میں مغل نہ ہو۔
 (۳) مسجد کی طہارت و نظافت اور ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جائے۔
 (۴) کسمن اور نا سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ لایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۳ھ

مسجد کے حجرہ میں انگریزی پڑھنا :

سوال : مسجد میں مؤذن کو رہائش کے لئے کمر دیا گیا ہے وہ اس میں انگریزی تعلیم کسی استاذ سے پڑھتا ہے اور بجلی بھی استعمال کرتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
 بیوقوف توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر انگریزی پڑھنے کی وجہ سے بجلی کے مصارف عام دنوں سے زائد نہ ہوتے ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۹۳ھ

مسجد کی دیوار پر نقش و نگار کرنا :

سوال : مسجد کی آمدن سے اس کی زیب و زینت نقش و نگار گنبد اور برجیاں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش و نگار جائز ہے۔ اندر کے حصے میں محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش و نگار مکروہ ہے اور دائیں بائیں کی دیواروں کے متعلق بھی ایک قول کراہت کا ہے۔ بہر کیف اندر کے حصے میں عقبی حصے پر اور چھت پر نقش و نگار درست ہے، سامنے کی دیوار اور دائیں بائیں کی دیواروں پر بھی اگر اس قدر اوپر کر کے نقش و نگار کیا جائے کہ نمازی کی نظر وہاں نہ پڑے تو جائز ہے۔ مگر اسمیں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے :

(۱) اس میں بہت زیادہ تکلف نہ کیا جائے۔

(۲) وقف کا مال نہ لگایا جائے، اگر لگادیا تو متولی ضامن ہوگا۔

ان شرائط سے بھی یہ کام صرف جائز ہے مسنون یا مستحب نہیں، اس کی بجائے یہ

پیسہ مساکین پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔
فی حظر الہندیۃ عن المضمرات والصرف الی الفقراء افضل وعلیہ
الفتویٰ (رد المحتار ص ۶۱۶ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۴ھ

مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ لینا :
سوال : تعمیر مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟ بدینواتوجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب
قطعاً حرام ہے، قادیانی زندقہ ہیں، اس لئے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاملہ جائز
نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب سنہ ۱۳۹۵ھ

مسجد کی زمین پر ذاتی مکان بنانا :
سوال : ایک مسجد کی غیر آباد زمین پر زید ایک مکان مسجد کے لئے تعمیر کرنا
چاہتا ہے اور اس مکان کے عوض اسی زمین پر اپنے لئے ایک مکان مزید تعمیر کرنا چاہتا ہے،
کیا یہ فعل جائز ہے؟ بدینواتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب
مسجد کی زمین پر اپنا مکان تعمیر کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۶ ربذی قعدہ سنہ ۱۳۹۵ھ

مسجد میں سوال کرنا :
سوال : بسا اوقات مسجد میں سلام پھیرنے کے بعد فوراً کوئی سائل سوال کرتا ہے
جس سے دعا میں خلل آتا ہے، کیا اس کو روکنا جائز ہے؟ بدینواتوجروا۔
الجواب باسم ملہم الصواب

جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو یا کمانے پر قدرت ہو اس کے لئے
سوال کرنا اور اسے دینا حرام ہے، مسجد میں سوال کرنا یا سائل کو دینا دہرا گناہ ہے،
لہذا مسجد میں سوال کرنے والے کو روکنا فرض ہے، باز نہ آئے تو مسجد سے نکال دیا
جائے، مگر یہ حکم مسجد کے منتظمین یا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر قادر ہوں، یہ

بھی ضروری ہے کہ تمام نمازیوں کے سامنے یہ مسئلہ کھول کر بیان کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۵ھ

پرانی عید گاہ پر مدرسہ بنانا :

سوال : نئی عید گاہ بننے کے بعد پرانی عید گاہ بالکل ویران ہے، آیا اسے مفت یا قیمتہ خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ بدینواتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اس میں اختلاف ہے کہ عید گاہ حکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے، اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : اعلم ان الاستبدال علی ثلاثہ وجوہ الاول ان یشرطہ الواقف لنفسہ او لغيرہ او لنفسہ و غیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشرطہ سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شیء اصلا ولا یفی بمؤنتہ فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ والثالث ان لا یشرطہ ایضا و لکن فیہ نفع فی الجملة ویدلہ خیر منہ ریعاً ونفعاً وهذا لا یجوز استبدالہ علی الاصح المختار کذا حررہ العلامة قنالی زادہ فی رسالۃ الموضوعۃ فی الاستبدال واطنب فیہا علیہ الاستدلال وهو مأخوذ من الفتح ایضاً کما سند کثر عند قول الشارح لا یجوز استبدال العاصم الا فی اربع ویأتی بقیۃ شروط الجواز الخ (رد المحتار ص ۳۹۹ ج ۳)

تحقیق مذکور کے مطابق معطل عید گاہ کی جگہ مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس عید گاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمت زمین کسی قریب تر شہر میں عید گاہ کیلئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو اور اس کے فقدان کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ محرم سنہ ۱۳۹۶ھ

محراب وسط میں نہ ہو تو صفیں کیسے بنائیں؟ :

سوال : ایک مسجد کا محراب قبلہ کی دیوار سے بالکل درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس

کے ایک طرف چھ فٹ چار انچ زیادہ ہے، ظاہر ہے کہ اس سے صفوں میں فرق پڑتا ہے، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر یہ محراب سہولت سے درست کیا جاسکتا ہو تو بہتر ہے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے، مگر امام کے لئے ضروری ہے کہ محراب چھوڑ کر وسط صف میں کھڑا ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ھ

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا :

سوال : معتکف کو مسجد میں حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض کرتا ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت پر کام کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا :

سوال : مسجد کی چھت پر جماعت کرنا کیسا ہے؟ اگر گرمی یا کسی اور غدر کی وجہ سے ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کی چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے خواہ گرمی کی وجہ سے ہو یا کسی اور غدر سے، البتہ مسجد تنگ ہو تو زائد نمازی چھت پر جاسکتے ہیں۔

قال فی الہندیۃ : الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الخرائب (عالمگیریہ ص ۳۲۲ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شعبان سنہ ۱۳۹۷ھ

مسجد کے پنکھے امام کے مکان میں لگانا :

سوال : مسجد میں کسی صاحب نے دو پنکھے دیئے جن کو امام صاحب اور مؤذن کے رہائشی مکانوں میں لگا دیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بیذواتوجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر مسجد کے اندر لگانے کے لئے پنکھے دیئے تھے تو انھیں مسجد سے باہر کسی کام میں لانا جائز نہیں اور اگر مطلق مسجد کے نام پر دیئے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ رمضان سنہ ۱۴۰۷ھ

مسجد کی رقم تجارت میں لگانا :

سوال : زید متولی نے بکر کو مسجد کی رقم مضاربت پر دیدی کہ جو نفع آئے وہ مسجد کے کام میں لگا دیا جائے کیا یہ شرعاً درست ہے؟ بیذواتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر نفع کی توقع غالب ہو تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۱۴۰۸ھ

مسجد پر چوری کا گارڈ لگا دیا :

سوال : فرنگی حکومت کا گارڈ کسی شخص نے اس کے دور اقتدار میں چوری کیا تھا، اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے ورثہ نے اسے مسجد کی چھت پر ڈال دیا ہے، ایسی مسجد نماز جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر بعینہ یہی صورت ریلوے لائن کے گارڈ میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟ یعنی حکومت برطانیہ کے وقت کسی نے ریلوے لائن کا گارڈ چوری کیا اس کے مرنے پر ورثہ نے اسے مسجد پر ڈال دیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس صورت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ گارڈ تو چھت میں ہے، نیچے زمین پر تو اس کا کچھ اثر نہیں، لہذا اس مسجد میں نماز جائز ہے۔

اور کیا یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ یہ گارڈ اب مالک تک واپس نہیں ہو سکتا کہ حکومت تبدیل ہو چکی ہے لہذا اب اگر گارڈ کسی فقیر کو ہبہ کر دیں اور وہ فقیر اسے مسجد میں لگا دے تو جائز ہے۔ بیذواتوجروا۔

الجواب باسم علامہ الصواب

ایسی مسجد میں نماز پڑھنا بلکہ اس کے مستقف حصہ میں داخل ہونا بھی جائز نہیں، تقسیم ملک سے فرنگی حکومت کا مال فی بن کر حکومت پاکستان کی ملک میں داخل ہو گیا، لہذا حکومت سے اجازت لینے کے بعد اس کا استعمال جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

تعمیر مسجد کا چندہ غسل خانہ وغیرہ پر خرچ کرنا:

سوال: ایک مسجد زیر تعمیر ہے، اس کے لئے جو چندہ ہو رہا ہے اس سے مسجد کے لئے گودام یا امام و مؤذن کے لئے مکان یا مسجد کے لئے غسل خانے اور پیشاب خانے وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بیذواتوجروا۔

الجواب باسم علامہ الصواب

غسلخانہ اور پیشاب خانہ مصالح مسجد میں سے نہیں بلکہ مسجد کے قریب بھی ان کی تعمیر مسجد کی بے حرمتی اور عبادت میں خلل کا موجب ہے، اس لئے ان کی تعمیر پر مسجد کی رقم لگانا جائز نہیں، استنجار خانے بھی درحقیقت پیشاب خانے ہی ہوتے ہیں، ان میں لوگ استنجار کے بہانے پیشاب بلکہ پاخانہ تک کر دیتے ہیں اور ان کی بدبو مسجد تک پہنچتی رہتی ہے اس لئے ان کا بھی وہی حکم ہے جو پیشاب خانوں کا لکھا گیا، البتہ باقی اشیاء مصالح مسجد میں داخل ہیں اس لئے ان پر مسجد کے چندہ کی رقم لگانا جائز ہے، ہاں اگر کوئی چندہ دیتے وقت یہ تصریح کر دے کہ اس کی رقم صرف مسجد ہی پر لگائی جائے تو اس کو دوسرے مصرف پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ شوال سنہ ۹۸ھ

نااہل کو انتظامیہ کا صدر بنانا:

سوال: ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کا صدر بنانا جائز ہے یا نہیں جو بجائے مسجد تھانہ کچہری میں آتا جاتا اور مقدمہ بازی میں الجھا رہتا ہے، نمازی اس کے ان اعمال سے بد دل ہو رہے ہیں، نیز دینی مسائل اپنے اجتہاد سے گھڑ گھڑ کر بیان کرتا ہے، امام حباب نے ماہ رمضان میں اعتکاف بیٹھنے کے فضائل بیان کئے، مگر مسجد کی انتظامیہ نے مسجد

میں اعتکاف کا کوئی انتظام نہیں کیا، یہ کہہ کر کہ یہ مسجد محلہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کو مسجد کا عہدہ دار صدر یا سکریٹری مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ عدالتی فیصلہ سے پہلے ہم شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بدینواتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر عدالت میں اس کی آمد و رفت کسی ناجائز مقدمہ کی بناء پر ہے اور نمازیوں کی بددلی بھی اس کی بے دینی اور مسجد سے بے رغبتی کی بناء پر ہے تو ایسے شخص کو مسجد کی انتظامیہ کا صدر، ناظم بلکہ رکن بنانا بھی جائز نہیں، بن جانے کے بعد اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے ورنہ واجب العزل ہے۔

قال اللہ تعالیٰ : انما یعمر مسجدا اللہ من امن باللہ والیوم الآخر و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و لم یحش الا اللہ الایۃ - واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۱۳۹۹ھ

عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا :

سوال : اس زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟ صحیح مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ کی باندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو۔ اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے، مگر آگے صحیح مسلم ہی میں بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مانعت وعدم جواز معلوم ہوتا ہے، ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے دی جائے؟ بدینواتوجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق ظاہر حدیث اول سے اباحت لعینہ ثابت ہوتی ہے اور حدیث ثانی سے خطر لغیرہ یعنی فساد زمانہ کی وجہ سے مانعت ہے، جب دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا گیا تو اس دور فتنہ و فساد میں اسکی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۹ھ

متولی کو چندہ قبول نہ کرنیکا اختیار ہے :

سوال : ایک آدمی مسجد کی تعمیر میں اہل قریہ کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے ، مگر اس سے چندہ لینے سے امن عامہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہے ، کیا اس سے چندہ لینے سے انکار کر دینا جائز ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسمہم الصواب

مسجد کے متولی اور منتظم کو اختیار ہے کہ کسی کا چندہ کسی دینی مصلحت کے پیش نظر قبول نہ کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ

مسجدیت کے لئے افراز طریق شرط نہیں :

سوال : ایک شخص نے اپنے کارخانہ میں مسجد تعمیر کی مگر اس کے لئے مستقل راستہ وقف نہ کیا ۔ کیا یہ جگہ شرعی مسجد کہلائے گی ؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

یہ مسئلہ حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین مختلف فیہا ہے ، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستقل راستہ کی تعیین کئے بغیر وقف تام نہیں ہوتا ، اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں راستہ کا افراز صحت وقف کے لئے شرط نہیں ، اس کے بغیر بھی وقف صحیح ہو جائے گا اور راستہ بدون تصریح از خود ثابت ہو جائے گا ، چونکہ قضاء اور وقف میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول فتویٰ کیلئے متعین ہے اس لئے بدون افراز طریق بھی یہ جگہ شرعی مسجد ہو جائے گی ۔

قال فی التنویر و شرحہ : ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ

جعلتہ مسجداً عند الثانی و شرط محمد والامام الصلاة فیہ بجماعة ۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله بالفعل) لكن

عندہ لا بد من افرازة بطريقة ففي النهر عن القنية جعل وسط دار مسجد

واذن للناس بالدخول والصلاة فيه ان شرط معه الطريق صار مسجداً فی

قولہم جمیعاً والا فلا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال لا یصیر مسجداً و یصیر

الطریق من حقہ من غیر شرط کما لو اجر ارضہ ولم یشرط الطريق ھ ۔

وقال تحت قوله وشرط محمد الخ) وفي الدر المنثور وقدّم في الدرر والوقاية
وغيرها قول أبي يوسف رحمه الله تعالى وعلمت ارجحية في الوقف والقضاء اه
(رد المحتار ص ۳۸۱) والله تعالى اعلم۔

۲۵ جادی الآخرۃ سنہ ۱۲۹۹ھ

چندہ لانے والے کی اجرت اسی چندہ سے :

سوال : کئی جگہ پر ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے چندہ کے لئے کسی آدمی کو مقرر کیا جاتا ہے پھر اسی چندہ میں سے مقررہ حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا کچھ مقرر کئے بغیر حق الخدمت کے عنوان سے اسے کچھ دیدیا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بظاہر تو یہ ناجائز ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ چندہ دہندگان تو مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے ہی چندہ دیتے ہیں لہذا یہ اجرت یا حق الخدمت ان کی رضا و منشا کے خلاف ہے، نیز حصہ مقرر کر کے دیا جائے تو یہ قفیز طمان کے مشابہ ہے جسے تمام کتب فقہ میں ناجائز لکھا ہے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔

اور اگر چندہ مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے نہ ہو صرف مصالح مسجد کے لئے ہو تو یہ سفیر کی اجرت مصالح میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

عالمگیر یہ کتاب الوقف میں تصریح ہے کہ قیم مال مسجد کو مشرف پر خرچ نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر قیم حساب کتاب سے عاجز ہو تو کاتب کی اجرت بھی مال مسجد سے لینا درست نہیں۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چندہ کی اجرت بھی جائز نہیں ہیں تو جوا
الجواب باسمہم الصواب

مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کی اجرت خواہ طے شدہ ہو یا حق الخدمت کے عنوان سے، بہر کیف وہ اجرت ہی ہے نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔

کما ورد فی الحدیث : انہم یسمون المحرمات بغیر اسمہا ویستحلونہا۔
بہر حال ! حق الخدمت کے عنوان سے جو اجرت دی جاتی ہے یہ جہالت اجرت کی بنا پر اجارہ فاسدہ ہے اس لئے ناجائز ہے۔

اور اگر جمع کردہ چندہ میں سے اس کی اجرت طے ہو تو یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ
اجیر قادر علی العمل نہیں۔

ہاں ! اگر مطلقاً اس کی تنخواہ مقرر کی جائے خواہ چندہ وصول ہو یا نہ ہو اور قلیل ہو یا کثیر تو یہ صورت جائز ہے ۔

عالمگیریہ کے جس جزئیہ کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ مال وقف لعمارة المسجد ہو ۔

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد مشرفاً من ذلک (ص ۶۲۲)
دوسرے جزئیہ میں بھی مال المسجد سے مراد یہی وقف لعمارة المسجد معلوم ہوتا ہے ۔ لہذا چندہ وصول کرنے والے کی اجرت اسی چندہ سے ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسی رقم میں سے کوئی حصہ مشروط نہ ہو، ورنہ یہ اجارہ فاسدہ ٹھہریگا، کماہر ۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد کوتالا لگانا :

سوال : ① مسجد کو غیر اوقات نماز میں تالا لگانا جائز ہے یا نہیں ؟
② اگر دو فریقوں (مثلاً دیوبندی و بریلوی) کا جھگڑا ہو جائے تو اس خوف سے کہ جھگڑا مزید نہ بڑھ جائے حکومت یا انتظامیہ کا مسجد کو مقفل کر دینا جائز ہے ؟
بیدنوا توجروا ۔

الجواب باسمہم الصواب

① اصل حکم تو یہ ہے کہ مسجد کو چوبیس گھنٹہ کھلا رکھا جائے تاکہ کوئی مسلمان کسی وقت بھی عبادت کے لئے آئے تو اسے دشواری نہ ہو، مگر آجکل کھلا رکھنے میں کمی منافست مثلاً :

- ① مسجد کا سامان چوری ہو جاتا ہے ۔
 - ② لوگ مسجد کا پانی بھر کر لے جاتے ہیں ۔
 - ③ کئی بیکار لوگ مسجد میں آکر لیٹ جاتے ہیں اور پنکھے چلا کر کئی کئی گھنٹے پڑے رہتے ہیں ۔
 - ④ کئی لوگ فاسخ بیٹھ کر دنیوی باتیں شروع کر دیتے ہیں ۔
- ان مفاسد کا سد باب اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نمازوں کے سوا بقیہ اوقات میں مسجد کو بند رکھا جائے ۔

(۲) بحالت اضطرار و مجبوری یہ اقدام جائز ہے، مگر ان حالات میں پورے محلہ کا فرض ہے کہ حالات کو معمول پر لا کر مسجد کو کھلوانے کی کوشش کریں، مسجد کا اس طرح ویران رہنا پوری آبادی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ جادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان :

سوال : گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مسئلہ میں بعض علماء کو کچھ اشتباہات ہوئے ہیں اس لئے اسکی تفصیل لکھی جاتی ہے۔
گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنیکی چار صورتیں ہیں :

① مسجد سے باہر گم ہوئی ہو۔

② مسجد سے باہر ملی ہو۔

③ مسجد میں گم ہوئی ہو۔

④ مسجد میں ملی ہو۔

نصوص المذاهب الاربعہ

حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

① قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ : وينبغي ان يعرفها في الموضع الذي اصابها وفي اللجا مع فان ذلك اقرب الى الوصول الى صاحبها (الهداية ص ۱۱۷ ج ۱)

② قال الامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ : وجد رجل لقطة ايام الحج فسأل عنها عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال عرفها في الموسم (الى) وفي هذا دليل على انه ينبغي للملتقط ان يعرفها في الموضع الذي اصابها فيه وان يعرفها في مجمع الناس ولهذا امره بالتعريف في الموسم وهذا لان المقصود ايصالها الى صاحبها وذلك بالتعريف في مجمع الناس في الموضع الذي اصابها حتى يتحدث الناس بذلك بينهم فيصل الخبر الى صاحبها (الى) وانه ينبغي ان يعرفها في الموضع الذي وجدها لان صاحبها يطلبها في ذلك الموضع (المبسوط ص ۳ ج ۲)

③ قال الحافظ العيني رحمه الله تعالى : (قوله في المجمع) اي مجمع الناس كالاسواق وابواب المساجد وفي الشامل والتعريف ان ينادى في الاسواق والمساجد الخ (البنية ص ۹۲ ج ۲)

④ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى : قال في الجوهرية ثم التعريف انما يكون جهر في الاسواق وفي ابواب المساجد وفي الموضع الذي وجدها فيه وفي الجامع (البحر ص ۱۵۲ ج ۵)

⑤ قال العلامة الحموي رحمه الله تعالى : ثم تعريف اللقطة هو المناداة في الاسواق والمساجد والشوارع لان المقصود من التعريف وصوله الى المالك والتعريف في هذه المواضع ابلغ (الاشباه والنظائر ص ۲۹ ج ۱)

⑥ قال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالى : (قوله في المجمع) اي مجامع الناس كالمساجد والاسواق والشوارع الا انه ينادى على ابواب المسجد لافيه (حاشية الطحطاوي على الدرر ص ۵ ج ۲)

⑦ قال الشيخ الانور رحمه الله تعالى : واما انشاد الضالة فله صورتان احدهما ان ضل شيء في خارج المسجد وينشده في المسجد لاجتماع الناس فهو اقبح واشنع واما لو ضل في المسجد فيجوز الانشاد بلا شغب -

(العرف الشذى ص ۱۶۲)

⑧ قال الشيخ محمد زكريا رحمه الله تعالى : واما مكانه وهو الاسواق وابواب المساجد والجوامع في الوقت الذي يجتمعون فيه كادبار الصلوات في المسجد وكذلك في مجامع الناس لان المقصود اشاعة ذكرها واظهارها ليظهر عليها صاحبها فيجب تحري مجامع الناس ولا ينشدها في المسجد لان المسجد لم يبن لهذا (اوجز المسالك ص ۲۹۸ ج ۱۳)

مالكية هم الله تعالى :

⑨ في المدونة الكبرى للإمام مالك بن انس رحمه الله تعالى : (قال) ما سمعت من مالك فيها شيئاً ولكني اري ان تعرف في الموضع الذي التقطت فيه وحيث يظن ان صاحبها هناك وحديث عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه

انه قال له رجل نزلت منزل قوم بطريق الشام فوجدت صرة فيه ثمانون درهما
فذكرتها لعمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فقال له عمر رضي الله تعالى عنه عرفها
على ابواب المساجد فأرى ان يعرف اللقطة من التقطها على ابواب المساجد وفي
موضعها وحيث يظن ان صاحبها هناك (المدونة الكبرى ص ۱۴ ج ۱۵)

⑩ قال امام المالكية الشهير بالخطاب رحمه الله تعالى : قال في المدونة و
تعرف اللقطة حيث وجدها وعلى ابواب المساجد وحيث يظن ان رباها هناك
او خبره انتهى وفي سماع اشهب من كتاب اللقطة وسألتني يعني مالك رحمه الله تعالى
عن تعريف اللقطة في المسجد فقال لا احب رفع الصوت في المسجد وقد بلغني ان
عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه امر ان تعرف اللقطة على ابواب المساجد واحب
الى ان لا تعرف في المسجد ولو مشى هذا الى الخاق في المسجد يخبرهم بالذي وجد ولا
يرفع صوته لم أر بذلك بأسا ه قال ابن الحاجب في الجوامع والمسجد قال في التوضيح
ظاهرة ان التعريف يكون فيها ولعل ذلك مع خفض الصوت ويحتمل ان يكون على حذف
مضاف اى باب الجوامع والمسجد وهو حسن لانه كذا في المدونة وغيرها و
للحديث انتهى (المواهب الجليل ص ۶ ج ۶)

⑪ قال العلامة الخرشى رحمه الله تعالى : ان تعريف اللقطة انما يكون
بالمواضع التي يظن بها ويقصد ان يطلبها اربابها فيها كابواب المساجد وما
اشبه ذلك واما داخل المسجد فانه لا يعرفها فيه ويجب على الملتقط ان
يعرفها الخ (الخرشى ص ۱۲ ج ۷)

⑫ قال العلامة صالح عبد السميع الأبي الأزهري رحمه الله تعالى :
ويكون التعريف بمكان اى المواضع التي يظن ان صاحب اللقطة يطلبها بها بكباب
مسجد ومواضع العامة واجتماع الناس (جواهر الاكليل ص ۲۱۸ ج ۲)

⑬ قال خاتمة المحققين الشيخ محمد عيش رحمه الله تعالى : (بكباب مسجد)
فيها يعرف اللقطة حيث وجدها وعلى ابواب المساجد ابن القاسم يعرف حيث
يعلم ان صاحبها هناك (الى ان قال) فقال ما احب رفع الصوت في المسجد
وانما امر عمر رضي الله تعالى عنه ان تعرف على باب المسجد ولو مشى هذا الذي

وجدناها الى الخلق في المسجد يخبرهم بها ولا يرفع صوته لمأربه بأسا وفي التمهيد التعريف عند جماعة الفقهاء فيما علمت لا يكون الا في الاسواق وابواب المساجد ومواضع العامة واجتماع الناس (شرح منہ المجلیل ص ۱۲ ج ۲)
شافعية رحمهم الله تعالى :

(۱۴) قال العلامة القسطلاني رحمه الله تعالى : ويكون في الاسواق ومحامع الناس وابواب المساجد عند خروجهم من الجماعة ونحوها لان ذلك اقرب الى وجود صاحبها لا في المساجد كما لا تطلب اللقطة فيها، نعم يجوز تعريفها في المسجد الحرام اعتبارا بالعرف ولانه مجمع الناس وقضية التعليل ان مسجد المدينة والاقصى كذلك وقضية كلام النووي في الروضة تحريم التعريف في بقية المساجد (الى ان قال) اما لو سأل الجماعة في المسجد بدون ذلك فلا تحريم ولا كراهة و يجب التعريف في محل اللقطة (شرح القسطلاني ص ۱۲ ج ۲)

(۱۵) قال العلامة الرملي الشهير بالشافعي الصغير رحمه الله تعالى : ثم يعرفها في الاسواق وابواب المساجد عند خروج الناس منها لانه اقرب الى وجدانها ويكره تنزيها كما في المجموع لا تحريما خلافا لجمع مع رفع الصوت بمسجد كالنشادها في الا المساجد الحرام (نهاية المحتاج الى شرح المنهاج ص ۲۳ ج ۲)
حنابلة رحمهم الله تعالى :

(۱۶) قال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالى : في مكانه وهو الاسواق وابواب المساجد والجوامع في الوقت الذي يجتمعون فيه كادبار الصلوات في المسجد وكذلك في مجامع الناس لان المقصود اشاعة ذكرها واظهارها ليعلم عليها صاحبها فيجب تحريم مجامع الناس ولا ينشدها في المسجد لان المسجد لم يبين لهذا وقد روى ابو هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال "من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله اليك فان المسجد لم يبين لهذا" وامر عمر رضي الله تعالى عنه واجد اللقطة بتعريفها على باب المسجد (المغني ص ۵ ج ۶)

(۱۷) قال الامام برهان الدين ابراهيم بن محمد رحمه الله تعالى تحت

قول المقنع (بالنداء عليه في مجامع الناس كالاسواق وابواب المساجد في اوقات الصلوات) وروى عن عمر رضي الله تعالى عنه انه امر وابد اللقطة لتعريفها على ابواب المساجد وعلم منه انه لا يفعل ذلك في المسجد وان كان مجمع الناس بل يكره وفي عيون المسائل لا يجوز (المبدع شرح المقنع ص ۱۸۱) (۱۸) قال شيخ الاسلام موسى الحجاوي المقدسي رحمه الله تعالى: وتعريفه على الفور حيوانا كان او غيره بالنداء عليه بنفسه او بنائبه في مجامع الناس كالاسواق والحمامات وابواب المساجد اذ بار الصلوات ويكره فيها ويكثر منه في موضع وجد انها (الاقناع ص ۲ ج ۲)

(۱۹) وقال ايضا (وطريقه التعريف) ويكون التعريف بالنداء عليه اي الملتقط بنفسه اي الملتقط او بنائبه ويكون النداء في مجامع الناس كالاسواق والحمامات وابواب المساجد اذ بار الصلوات لان المقصود اشاعة ذكرها ويكره النداء عليها فيها اي في المساجد لحديث ابی هريرة رضي الله تعالى عنه مرفوعا من سمع ينشد ضالة الخ والانشاد دون التعريف فهو اولي ويكثر منه اي التعريف في موضع وجد انها لانه مظنة طلبها (كشف القناع عن مآل الاقناع ص ۲۱۲ ج ۲) (۲۰) قال البهوتي رحمه الله تعالى: وانشاد الضالة اي تعريفها ونشدانها اي طلبها وليس لسامعه اي سامع نشد ان الضالة ان يقول لا وجدتها ولا ردها الله عليك لحديث ابی هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك ان المساجد لم تبين لهذا، رواه مسلم (كشف القناع ص ۳۶۹ ج ۲)

نصوص بالا سے پہلی اور دوسری صورت کا عدم جواز واضح ہے، تیسری اور چوتھی صورت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نظر سے نہیں گزرا، مراجعہ کتب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تحلیل ”ان المساجد لم تبين لهذا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا اعلان بھی مسجد کے دروازہ پر کیا جائے۔

عبارات بالا میں سے جن میں اسواق و مجامع کے ساتھ مساجد کا ذکر ہے، ان سے جواز کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن یہ بوجہ ذیل صحیح نہیں:

- ① یہ ممانعت کی دوسری عام تصریحات کے خلاف ہے۔
- ② بعض نے خود اس سے ابواب مساجد مراد ہونے کی تصریح فرمادی ہے جیسا کہ ”طحطاوی علی الدر“ اور ”اوجز المسالك“ میں ہے۔
- ③ علامہ خطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”توضیح“ سے اس کی توجیہ یہ نقل فرمائی ہے کہ یہ عبارات حذف مضاف پر محمول ہیں اور اس سے ابواب مساجد ہی مراد ہیں۔
- البتہ بدون اعلان انفراداً لوگوں سے پوچھنا یا وجدان نقطہ کی اطلاع دینا بلاشبہ جائز ہے،
کما مرعن مواہب الجلیل نص الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وكذا عن شرح القسطلانی
والعرف الشذی، ویسے بھی یہ دنیوی کلام کے زمرہ میں آتا ہے جو ضرورۃً مسجد میں جائز ہے۔

تنبیہ :

روایات مذکورہ میں سے بعض میں مساجد ثلاثہ میں ضرورۃً جوار انشاد تحریر ہے،
مگر اب حکومت کی طرف سے معقول انتظام کی وجہ سے ضرورت نہیں رہی، لہذا ان میں
بھی جائز نہیں۔

دوسری مساجد میں بھی ایسا ہی انتظام کرنا لازم ہے کہ گمشدہ چیز پہنچانے اور لینے
کے لئے کوئی جگہ متعین کر دی جائے، اس تدبیر سے مسجدیں ہر وقت اعلان پر اعلان
کے شور و شغب سے محفوظ رہیں گی، چنانچہ پولیس تھانہ میں یونہی ہوتا ہے وہاں کوئی اعلان
نہیں کیا جاتا، افسوس کہ آج کے مسلمانوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظمت
پولیس تھانہ جیسی بھی نہ رہی، واللہ المہادی الی سبیل الرشاد

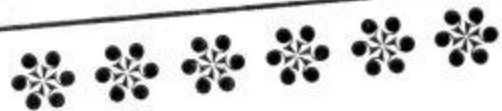
۱۹ صفر ۱۴۱۲ھ



کتاب البیوع



فی بیوت ذن اللہ ان ترفع وینکر فیہا اسمہ
 یسبح له فیہا بالغدو والاصال رجال لاتلہیہم
 تجارة ولا بیع من ذکر اللہ وراقم الصلوة وابتاء
 الزکوة یخافون یوما تنقلب فیہ القلوب والابصار
 لہ جزیہم اللہ احسن ما عملوا ویزیدہم من فضلہ
 واللہ رزق من یشاء بغیر حساب ○ (۲۴: ۳۶ تا ۳۸)



کتاب البیوع

زمین اس طرح فروخت کی مشتری اسکے عوض بائع کو سرکاری زمین خرید کر دے :
سوال : ایک شخص کی کچھ زمین ہے ، اس نے دوسرے سے کہا کہ فلاں زمین سرکاری مجھے لے دو ، اس کے مقابلہ میں اپنی زمین تجھے دوں یا دیدی ، اس دوسرے شخص نے یہ بات قبول کر لی اور زمین سرکاری اسے لے دی ۔ اس کے بعد ہر ایک شخص تبادلہ کی ہوئی زمین پر کئی سال تک قابض رہا اب ان میں سے ایک سودے سے پھر گیا ہے ۔ کیا یہ پھرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اور بیع شرعاً جائز ہوئی یا نہیں ؟ بیئوا بالبرہان اجرکم الرحمن ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لفظ ”تجھے دوں“ کہا تھا تو یہ بیع نہیں ہوئی ، فقط وعدہ بیع ہے ۔ جب اس نے یہ زمین خرید کر دوسرے کو دیدی اور اس کی زمین پر خود قبضہ کر لیا تو بیع بالتعاطی ہو گئی ۔

قال فی التنوین ویکون بقولہ او فعل (الی ان قال) اما الفعل فالتعاطى فی

نفیس وخسیس (رد المحتار ص ۵ ج ۴)

اور اگر ”دیدی“ کہا تھا تو یہ بیع باطل ہوئی ، بعد میں تعاطی سے بھی صحیح نہوگی ۔

قال فی الشبامیۃ فی فصل فی الفضولی تحت (قوله الا فی هذه الخمسة) قلت ویزاد ما فی جاء مع الفصولین باع ملک غیرہ فشرای من مالک وسلم الی المشتري والبیع باطل لا فاسد وانما یجوز اذا تقدم سبب ملکہ علی بیعہ حتی ان الغاصب لو باع المفضوب ثم ضمنه المالك جاز بیعہ اما لو شرای الغاصب من مالک او وهبه له او ورثه منه لا ینفذ بیعہ قبلہ (الی قوله) فهاتان مسألتان الخ (رد المحتار ص ۱۵۳ ج ۴)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله فهاتان مسألتان الخ) فیہان ہاتین المسألتین لیستامانحن فیہ اذ ہونی بطلان بیعہ ابتداءً وبطلان فیہما بطریق الطرؤ للبات علی الموقوف (التحریر المختار ص ۱۴۷ ج ۲)

وايضاً في الشامية في مطلب اذا طرأ ملك يات على موقوف ابطله - واما عدم
نفاذ البيع فليطْلان بالاجازة لانه يثبت بها الملك للمشتري باتاً والملك البات
اذا ورد على الموقوف ابطله وكذا الورع مولاة للغاصب او تصدق به عليه او
مات ورثته فهذا كله يبطل الملك الموقوف واورد عليه ان بيع الغاصب ينفذ باداء
الضمان مع انه طرأ ملك بات للغاصب على ملك المشتري الموقوف واجيب بات
ملك الغاصب ضروري ضرورة اداء الضمان فلم يظهر في ابطال ملك المشتري بحر
واجاب في حواشي مسكين بان هذا غير وارد لان الاصل المذکور ليس على اطلاق لما
في البرازية عن القاعدی ونصه الاصل ان من با شرعاً في ملك الغير ثم ملكه ينفذ
لزوال المانع كالغاصب باع المصوب ثم ملكه وكذا اوباع ملك ابيه ثم ورثته نفذ
وطرو البات انما يبطل الموقوف اذا حدث لغير من باشر الموقوف كما اذا باع المالك
ما باعه الفضولي من غير الفضولي ولو من اشترى من الفضولي اما ان باعه من
الفضولي فلا اه (رد المحتار ص ۱۵۹ ج ۲)

وقال الراجح رحمه الله تعالى: (قوله واجاب في حواشي مسكين الخ) ما في حواشي
مسكين لا يوافق ما مشى عليه في الفصولين من التفصيل وهو جواز بيع الغاصب
بالاجازة له وبتقديم سبب ملكه على بيعه وعدم جواز اذا تأخر ومقتضى ما في
حواشي مسكين ايضاً جواز البيع الثاني باجازة المالك الاول لان البات حدث
لمن باشر الثاني الذي هو المشتري الاول ومخالف لما في المصنف من عدم جواز
الثاني باجازة الاول ومقتضاه ايضاً انه لو ضمن الغاصب نفذ البيع الاول وهو موافق
لما في الفصولين ومخالف لكلام المصنف وانه لو ضمن المشتري منه ينفذ الثاني لطر
الملك البات لمباشرة وهو غير مساهم لمخالفة للمصنف فالظاهر الجواب الذي في البحر
العدم مخالفة ما في المتن الخ (التحوي والمختار ص ۱۲۹ ج ۲)

بيع باطل یا فاسد کے بعد تعاظم سے بیع صحیح نہیں ہوتی۔

قال في العلائقية: وصرح في البحر بان الاجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ينعقد
بهما البيع قبل متاركة الفاسد ففي بيع التعاظم بالاولى۔

وفي الشامية: (قوله كما لو كان) اي البيع بالتعاظم بعد عقد فاسد وعجالة

المخلاصة اشترى رجل (الی قوله) لا یصیر هذا بیعاً بالتعاطی لانہما یسلمان بحکم ذلک البیع السابق وانه وقع باطلاھ وعبارة النزائیة والتعاطی انما یکون بیعاً اذا لم یکن بناءً علی بیع فاسد او باطل سابق اما اذا کان بناءً علیہ فلاھ (رد المحتار ص ۱۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ رجب سنہ ۱۲۷۲ھ

احتکار کی تحقیق :

کتاب المخطر والاباحہ میں ہے۔

اس شرط پر زمین بیچی کہ مشتری کے نام انتقال تک پیداوار بائع لے گا :

سوال : شاہ محمد نے حاجی نور محمد کے پاس اس شرط پر چھ ایکڑ زمین فروخت کی کہ جب تک زمین کے انتقال کی منظوری نہ ملے اس وقت تک پیداوار کا حق دار شاہ محمد رہے گا۔ یہ بیع صحیح ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصديق والصواب

اس صورت میں شرط فاسد لگانے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

قال فی التئور فی بیان البیع الفاسد: وبيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه فيه نفع لاحدهما ولم يبيع من اهل الاستحقاق ولم يجز العرف به ولم يرد الشرع بجوازه كشرط ان يقطعه ويخيطه قباء او يستخدمه شهرا او يعتقه الخ

وفی لشامية: (قوله مثال لما فيه نفع للبائع) ومنه ما لو شرط البائع ان يهبه المشتري شيئاً او يقرضه او يسكن الدار الخ (رد المحتار ص ۱۳۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۱۲۷۳ھ

ٹھیکہ پر دی ہوئی زمین کی بیع موقوف ہے :

کتاب الاجارہ میں ہے۔

مکيلات وموزونات کی بیع بالجنس :

باب الربا والقمار میں ہے۔

آزاد عورت کا فروخت کرنا حرام ہے :

سوال : آجکل عموماً علاقہ سندھ میں عورتوں کو خرید کر نکاح کیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً

یہ خرید و فروخت درست ہے۔ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

آزاد مرد اور عورت کی بیع ناجائز اور اس کے عوض کچھ حاصل کرنا حرام ہے۔
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة رجل عطي بي ثمر
 غدور ورجل باع حراً فاكل ثمنه ورجل استأجر اجيراً فاستوفى منه ولم يعط اجرة (بخاری)
 وفي الشامية فوشط المعقود عليه ستة كونه موجوداً لا امتقوفاً مملوكاً في نفسه و
 كون الملك للبايع فيما يبيعه لنفسه وكونه مقدوراً التسليم فلم ينعقد بيع المعلوم وباله
 خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والشرق قبل ظهوره وهذا العبد فاذا هو جارية
 ولا بيع الحر والمدبر وام الولد والمكاتب ومقتق البعض الخ (رد المحتار ص ۶ ج ۲)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۷۳ھ

قبل الدباغ مردار کی کھال کی بیع باطل ہے :

سوال : مردار کی کھال اُتار کر رنگنے سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور ثمن لینا جائز ہے
 یا نہیں ؟ بینوا توجروا من الله العزیز۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قبل الدباغ مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں ، یہ بیع باطل اور اس سے حاصل شدہ ثمن حرام ہے۔
 قال فی شرح التنویر فی باب البیوع الفاسد و جلد مئیتہ قبل الدباغ لو بالعرض ولو
 بالثمن فباطل الخ۔

وفي الشامية: (قوله لو بالعرض الخ) ای ان بیعہ فاسد لو بیع بالعرض وذكر فی شرح
 المجموع قولین فی فساد البیع وبطلانہ قلت وما ذکره الشارح من التفصیل یصلح توفیقاً
 بین القولین لکنہ یتوقف علی ثبوت کونه مالاً فی الجملة كالخمر والمئیتة لا یجحف انفها
 مع ان الزلیعی علی عدم بیعہ بان نجاسة من الرطوبة المتصلة به باصل الخلقة فصار
 فی حکم المئیتة زاد فی الفتح فیکون نجس العین بخلاف الثوب او الدهن المتنجس حیث
 جاز بیعہ لعروض نجاسة وهذا یفید بطلان بیعہ مطلقاً ولذا ذکر فی الشرنبلالیة عن
 البرهان ان الاظهر البطلان تأمل (رد المحتار ص ۱۲۷ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۶ جمادی الآخر سنہ ۱۴۷۳ھ

کنٹرولی نرخ سے زیادہ پر خرید و فروخت :

کتاب المحظر والاباحۃ میں ہے ۔

حرام مال سے خریدا ہوا سامان بھی حرام ہے :

کتاب المحظر والاباحۃ میں ہے ۔

تالاب میں مچھلی کی بیع جائز نہیں :

سوال : تالاب میں مچھلیوں کی بیع جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تجروا ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر یہ تالاب شروع ہی سے مچھلی کے لئے طیار نہیں کیا گیا ، یا مالک نے خود اس میں مچھلیاں نہیں چھوڑیں تو یہ مچھلیاں تالاب کے مالک کی ملک نہیں اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے ۔

اور اگر ابتدا ہی سے تالاب مچھلیاں پکڑنے کے لئے طیار کیا گیا ہے یا اس میں مچھلیاں خود مالک نے چھوڑی ہوں یا نہر وغیرہ سے مچھلیاں تالاب میں آئیں اور تالاب کے مالک نے پانی کا راستہ بند کر کے مچھلیاں تالاب میں محبوس کر لیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک ہیں مگر غیر مقدر التسليم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع فاسد ہے ، البتہ اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدولت تکلیف و حیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے ۔

قال فی شرح التنویر و بیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم وماله خطر العدم

لا بطریق السلم فانه صحیح ۔

والیضا فیہ وفسد بیع سمک لم یصد (الی قولہ) او صید ثم التقی فی مکان لا یؤخذ منه الا بحیلۃ للعجز عن التسليم وان اخذ بدونها صح وله خيار الرؤية الا اذا دخل بنفسه ولم یصد مدخله فلو سده ملکہ (الی قولہ) و بیع طیر فی الهواء لا یرجع بعد ارساله من یدہ اما قبل صیدہ فباطل اصلاً لعدم الملك ۔

وفی الشامیۃ تحت (قولہ وفسد بیع سمک لم یصد الخ) وفیہ ان بیع ما لیس فی ملکہ باطل کما تقدم لانه بیع المعدوم والمعدوم لیس بمال فینبغی ان یکون بیعہ باطلاً ۔ وایضا فیہا : (قولہ فلو سده ملکہ) ای فیصح بیعہ ان امکان اخذہ بلا حیلۃ والا فلا لعدم القدرة علی التسليم والحاصل کما فی الفتح انه اذا دخل السمک فی حظیرۃ فاما ان یعدھا لذلک اولا ففی الاول یملکہ ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکان

اخذہ بلا حیلۃ جاز بیعہ لانہ مملوک مقدور التسليم والا لم یجز لعدم القدرة علی التسليم وفي الشافعی لا یملک فلا یجوز بیعہ لعدم الملك الا ان یسد المحظیۃ اذا دخل فحینئذ یملک ثم ان امکن اخذہ بلا حیلۃ جاز بیعہ والا فلا وان لم یعدھا لذلك لکنہ اخذہ وارسلہ فیھا مملکۃ فان امکن اخذہ بلا حیلۃ جاز بیعہ لانہ مقدور التسليم او بحیلۃ لم یجز لانہ وان کان مملوکا فلیس مقدور التسليم اه (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۵۵ھ

مسلم فیہ دینے سے عجز کا حکم :

سوال : ایک شخص نے بیع سلم ایک روپیہ فی کاسہ کے حساب سے کی ، اب وقت معین پر بیع کے ادا کرنے پر بوجہ افلاس کے قادر نہیں ، تو رب السلم اس سے دو روپیہ فی کاسہ ثمن وصول کرنا چاہتا ہے ، کیا شرعاً اس کے لئے یہ فعل جائز ہے ؟ بیٹنوا تو جروا ۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مدت معینہ تک اگر مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کر سکا تو اس کے عوض کوئی دوسری چیز لینا یا ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں ، لہذا مشتری کو چاہیے کہ سیر تک بائع کو مہلت دے یا اپنا ثمن واپس لے لے ، بائع کی رضا سے بھی استبدال یا ثمن سے زائد لینا جائز نہیں ۔

قال فی الہندیۃ : ولا یجوز الاستبدال بالمسلم فیہ (عالمگیریۃ ص ۱۸۶ ج ۳) وقال فی شرح التنویر : ولو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ رأس مالہ (رد المحتار ص ۲۳۸ ج ۴)

والیضاً فیہ : ولا یجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشركہ و مرابحہ وتولیۃ ولوم من علیہ (الی قولہ) لقولہ علیہ الصلاة والسلام لا تأخذ الاسلام الا رأس مالک ای الاسلام حال قیام العقد اور رأس مالک حال انفساخہ فامتنع الاستبدال ۔

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : وتقدم اول فصل التصرف فی المبیع ان بیع المنقول من بائع قبل قبضہ لا یصح ولا ینتقض بالمبیع الاول بخلاف ہبتہ منہ لانھا عجز عن الاقالۃ (رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

۲۸ شوال سنہ ۱۲۵۳ھ

بیع سلم کی بعض شرائط :

سوال : ایک شخص نے اپنی فصل فروخت کی اس طور پر کہ اس سے جتنی گندم نکلے گی وہ بیس روپے من ہوگی ، ثمن بروقت مشتری نے ادا نہیں کیا ، آیا شرعاً یہ بیع درست ہے ؟
بیٹنوا توجروا

الجواب ومنه الصّدق والصواب

یہ بیع سلم ہے جس میں بیع کی مقدار اور وقت ادا کا معین کرنا نیز کل ثمن کا مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے ، صورت سوال میں یہ تینوں شرائط مفقود ہیں ، لہذا یہ بیع صحیح نہیں ہوئی ، نیز بیع سلم میں مبیع کو خاص زمین اور فصل سے مقید کرنا جائز نہیں۔

قال فی التّنویر : وشرطه بیان جنس ونوع وصفة وقدر واجل واقله شهر (الحی ان قال) وقبض رأس المال قبل الافتراق وهو شرط بقاءه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها۔

وفی الشرح : فی عقد صحیحاً ثم یبطل بالافتراق بلا قبض۔ (رد المحتار ص ۲۳ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۳ھ

مردار کی بدبودار ہڈی کی بیع جائز ہے :

سوال : مردار کی ہڈیوں کی بیع کرنا بالخصوص ایسی ہڈی جس میں تعفن اور بدبو ہو جائز ہے یا نہیں ؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال الامام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ : وبيع جلود الميتات باطل اذا لم تكن مذبوحة او مدبوغة ويجوز بيع عظامها وعصبها وصوفها وظلفها وشعرها وقرنها (خانیة بکھا مش الہندیہ ص ۱۳۳ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۷ھ

باغ پر پھل کی بیع بشرط وزن :

سوال : ہمارے علاقہ میں ایک مسئلہ علماء کے مابین متنازع فیہا بن چکا ہے ،

فریقین کے دلائل پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرما کر محاکمہ فرمائیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی ملک میں سیب کا باغ ہے، جب سیب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ان غیر نچتہ سیبوں کی بیع عمرو کے ہاتھ اس طرح کرتا ہے کہ آپ فی سن ایک سو روپے کے حساب سے یہ پورا باغ لے لیں، پکنے کے بعد میں تول کر پھل آپ کے حوالہ کر دوں گا، عمرو قبول کر کے کچھ رقم اسی وقت زید کو دیدیتا ہے اور بقیہ رقم کا یہ طے ہوتا ہے کہ سیب تلنے کے بعد دی جائے گی۔

بعض مقامی علماء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ بیع ان بیوع مندرجہ ذیل کی طرح ہے جنہیں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔

رجل قال لغيره بعت منك عنب هذا الكرم كل وقرا بكذا قالوا ان كان وقرا العنب معلوما عندهم والعنب جنس واحد ينبغي ان يجوز البيع في وقرا واحد عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وعند صاحبيه رحمهما الله تعالى يجوز البيع في الكل وجعلوا هذه المسألة فرعاً لرجل باع صبرة حنطة فقال بعت منك هذه الصبرة كل قفيز بدوهم، عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى يجوز في قفيز واحد وعندهما يجوز في الكل وان كان عنب الكرم اجناساً قالوا ينبغي ان لا يجوز البيع في شيء في قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى وان كان الوقرا معروفاً وعندهما يجوز في الكل كما لو قال بعت منك هذا القطيع من الغنم كل شاة بكذا عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى لا يجوز البيع اصلاً وعندهما يجوز البيع في الكل والفتوى على قولهما (خانية بھامش الھندیۃ ص ۲۵) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس میں تسلیم مبیع کا وقت مجہول ہوتا ہے مگر یہ جہالت یسیرہ ہے۔

دوسرے علماء اس کو بوجہ ذیل بیع فاسد کہتے ہیں۔

① اس میں مبیع کی مقدار مجہول ہے، معلوم نہیں کہ کتنا سیب پیدا ہو۔

② جہالت ثمن۔

③ جہالت وقت تسلیم مبیع۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے کے وجہ سے

تسلیم مبیع میں پس و پیش بھی ہو سکتا ہے۔

④ تبعیض ثمن۔

⑤ تاخیر مبیع کی شرط اگرچہ وقت عقد میں ذکر نہیں کی گئی مگر ضمانت تاخیر مبیع اس میں موجود ہے اس لئے کہ جب تک سیدب پختہ نہ ہو جائے تب تک نہ بائع کاٹنے کی اجازت دیتا ہے نہ مشتری کچھ سیدب توڑتا ہے۔

⑥ ایک گونہ بیع الکالی بالکالی لازم آتی ہے اس لئے کہ بقیہ ثمن اور مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد ہی ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں۔

④ مبیع مقدور لتسلیم نہیں ممکن ہے کہ کسی وقت ضائع ہو جائے۔
فریق اول کے دلائل کا فریق ثانی یہ جواب دیتا ہے کہ یہ سب صورتیں مجلس عقد کے ساتھ مقید ہیں یعنی اگر مجلس عقد میں بائع نے تمام صبرہ کو یا انگور کو تول کر دیدیا تو جائز ہے، وکذا فی نظائرہما۔

اگر مجلس عقد میں مبیع کو نہیں تولاتو ہم ان صورتوں کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور یہاں تو مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد تولی جاتی ہے۔

مجلس عقد میں تعیین مبیع ضروری ہونے کے یہ دلائل ہیں :

① (ولہما ان ہذا جہالة بیدہما ازالتھا) بأن یکیلہ فی المجلس

(فتح القدیر ص ۸۹ ج ۵)

② ومن باع صبرة طعام کل قفیز بدہم الخ۔

اس کے تحت فتح القدیر میں لکھا ہے :

ولا جہالة فی القفیز فلزم فیہ واذا زالت بالشیمۃ او الکیل فی المجلس یتثبت الخیار کما اذا ارتفعت بعد العقد بالرؤیۃ اذا المؤثر فی الاصل ارتفاع الجہالة بعد لفظ العقد وکونہ بالرؤیۃ ملغی بخلاف ما اذا علم ذلك بعد المجلس لتقرر المفسد۔

(فتح القدیر ص ۸۸ ج ۵)

اس میں مجلس عقد کے بعد مقدار مبیع کا معلوم ہونا غیر معتبر بلکہ مفسد عقد قرار دیا ہے۔
جانبین کے دلائل ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قابلین فساد عقد کا قول صحیح ہے، وجوہ فساد جو بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح ہیں، البتہ تبعض الثمن بمعنی تعجیل البعض وتأخیر البعض کو مفسدات میں شمار کرنا صحیح

نہیں، اسی طرح احتمال ہلاکت کی وجہ سے مبیع کو غیر مقدمہ قرار دینا بھی درست نہیں، یہ احتمال تو ہر مبیع میں موجود ہے بالخصوص حیوان میں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۱۰ شعبان سنہ ۹۸ھ

باغ کے پھل کی بیع کی مختلف صورتیں :

سوال : باغوں کے پھلوں کی بیع کس صورت میں جائز ہے کس صورت میں ناجائز؟
مفصل جواب مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

قال فی التَّنْوِیْرِ وَشَرْحِهِ : وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةَ بَارِزَةً أَمَّا قَبْلَ الظُّهُورِ فَلَا يَصِحُّ اتِّفَاقًا
ظَهَرَ صِلَاحُهَا أَوْ لَا صِحِّهِ فِي الْأَصَحِّ وَلَوْ بَرَزَ بَعْضُهَا دُونَ بَعْضٍ لَا يَصِحُّ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ
وَصَحِّهِ السَّرْحِيُّ وَافْتَى الْحَلَوَانِيُّ بِالْجَوَازِ لَوْ أَخْرَجَ أَكْثَرُ زَيْلَعِي وَيَقْطَعُهَا الْمُشْتَرِي فِي الْحَالِ
جَائِزًا عَلَيْهِ وَإِنْ شَرَطَ تَرْكُهَا عَلَى الْإِسْتِجَارَةِ فَسَدَ الْبَيْعُ كَشَرَطِ الْقِطْعِ عَلَى الْبَيْعِ حَاضِرًا
وَقِيلَ قَائِلُهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَفْسُدُ إِذَا تَنَاهَتْ الثَّمَرَةُ لِلتَّعَارُفِ فَكَانَ شَرْطًا
يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَبِهِ يَفْتَى بِخَرَجٍ عَنِ الْأَسْرَارِ لَكِنْ فِي الْقَهْطَانِيِّ عَنِ الْمَضْمَرَاتِ أَنَّهُ عَلَى قَوْلِهِمَا
الْفَتْوَى فَتْنِيهِ -

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله ظهر صلاحها أولا) قال في
الفتح لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل ان تظهر ولا في عدم جواز بيعها بعد الظهور
قبل بدو صلاح بشرط الترك ولا في جواز بيعها قبل بدو صلاح بشرط القطع فيما
ينتفع به ولا في الجواز بعد بدو صلاح لكن بدو صلاح عندنا ان تؤمن العاقل
والفساد وعند الشافعي رحمه الله تعالى هو ظهور النضج وبدو الحلاوة والخلاف
انما هو في بيعها قبل بدو صلاح على الخلاف في معناه لا بشرط القطع فعند
الشافعي ومالك واحمد رحمهم الله تعالى لا يجوز وعندنا ان كان بحال لا ينتفع به
في الاكل ولا في علف الدواب فيه خلاف بين المشايخ قيل لا يجوز ونسبه
قاضيخان لعامة مشايخنا والصحيح انه يجوز لانه مال منتفع به في ثانی الحال ان
لم يكن منتفعا به في الحال والحيلة في جوازها باتفاق المشايخ ان يبيع الكثرى اول
ما تخرج مع اوراق الشجر فيجوز فيها طبعاً للاوراق كانه ورق كله، وان كان بحيث

ينتفع به ولو علفا للذواب فالبيع جائز باتفاق اهل المذهب اذا باع بشرط القطع او مطلقاً اهـ (قوله لو الخارج اكثر) ذكر في البحر عن الفتح ان ما نقله شمس الائمة عن الامام الفضلي لم يقيداه عنه بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قال عنه اجعل الموجود اصلاً وما يحدث بعد ذلك تبعاً (قوله ويقطعها المشتري) اي اذا طلب البائع تفريغ ملكه (قوله وبه يفتي) قال في الفتح ويجوز عند محمد رحمه الله تعالى استحساناً وهو قول الائمة الثلاثة رحمهم الله تعالى واختاره الطحاوي لعموم الباي - (قوله فتنبه) اشار به الى اختلاف التصحيح وتخيير المفتي في الافتاء بايهما شاء لكن حيث كان قول محمد رحمه الله تعالى هو الاستحسان يترجم على قولها تأمل (رد المحتار ص ۴۲ ج ۲) اس تفصيل سے احکام ذیل معلوم ہوئے :

① جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے برذر البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلاء عام کی وجہ سے ملحق بالاسلم قرار دے کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورت شدیدہ وابتلاء عام یہاں بھی ہے جس کی وجہ سے الحاق بالاسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

② پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

③ حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

④ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے جواز راجح ہے۔

⑤ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحت یا دلالت

اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آجکل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے

تو ”المعرفۃ بالمشرط“ کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابتداء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الى المنازعة ہے

اور تعامل ابتداء کی صورت میں احتمال منازعة نہیں۔

وهذا ما صرحت به الفقهاء رحمهم الله تعالى في اجارة الصباغ وغيرها من المسائل
ويؤيده ما مر عن نص محمد رحمه الله تعالى بانه لا يفسد اذا تناهت الثمرة للتعارف الخ -
والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۰ رذی القعدہ سنہ ۱۳۸۸ھ

بيع الثمر قبل الظهور :

سوال : باغوں کے پھل کی بیع جبکہ بور میں پھل اس قدر نکلا ہو کہ کالی مرچ یا چنے کے برابر ہو تو اسے قابل انتفاع کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے وقت اسکی بیع درست ہے یا نہیں؟ نیز بعض پھل یک لخت نہیں نکلتے، مثلاً کیلا تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، اسکی بیع کب درست ہوگی؟ اگر جائز نہیں ہے تو جواز کے لئے کوئی حیلہ کارگر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے قبل آنجناب سے استفتاء کیا گیا تھا مگر جواب مختصر ہونے کی وجہ سے خلجان دور نہوا، مقامی علماء میں مسئلہ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف چل رہا ہے، عنقریب فریقین کے لائل آپکے پاس بھی آئیں گے، امید ہے کہ قدرے تفصیل سے بیان فرمائیں گے۔ بدینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہمہ الصواب

اس معاملہ میں ابتلا عام اور اس سے احتراز کے تسر بلکہ تغذر کے پیش نظر اہل فتویٰ پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا کوئی حل نکالیں۔ بعض اہل تقویٰ آم سے پرہیز فرماتے ہیں مگر اس پرہیز سے عامۃ المسلمین کے لئے تو کیا سبیل نکلتی خود ان کے لئے بھی کار آمد نہیں، اس لئے کہ یہ معاملہ صرف آم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس کے ترک سے تقویٰ محفوظ رہے بلکہ سب پھلوں کی بیع میں ہی دستوراً بالخصوص کیلئے کام مسئلہ تو اور بھی زیادہ کٹھن ہے، اس لئے کہ اس کے تو بہت سے پودے ہی بیع کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرحوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے، بلکہ بعض مواقع میں عمل بمذہب الغیر واجب ہو جاتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت و

ضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔

التحریر المختار میں علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

① وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔

② مقدار شمار متعین نہیں۔

③ کوئی اجل متعین نہیں۔

④ اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔

⑤ اکثر شمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

⑥ اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اول کا جواب تو حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ نے خود ہی تحریر فرمادیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں۔

ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جہالة مفضیة الی المنازعة ہے، مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہو گیا۔

فارتفع الفساد لارتفاع العلة كما قالوا في اشتراط الالة على الاجير والصبغ على الصباغ والخيط على الخياط۔

اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تأخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتہد ص ۲ ج ۲، اقرب المسالك مع الشرح الصغير ص ۲۶۲ ج ۳)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں کہ بوقت عقد زبرد مسلم فیہ شرط نہیں، اسلئے مسئلہ زیر بحث میں قول مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار کرنا چاہئے، للزوم التلفیق علی ختیلہ قول الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تأخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی

یہ تدبیر کر سکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں تو بائع ہی سے قرض لیکر اس کو بطور ثمن واپس کر دے۔

یہ تدبیر متعاقبین کے فائدہ کے لئے لکھی ہے، ورنہ عوام پر یہ تجسس و تحقیق لازم نہیں بلکہ یہ تعمق جائز ہی نہیں کہ باغ کی بیع مطابق ہوئی ہے یا بشرط تأخیر ثمن؟ پھر شرط تأخیر تین روز تک ہے یا اس سے زائد؟

ہاں جہاں بدون تجسس تین روز سے زائد شرط تأخیر محقق ہو جائے یا اس کا دستور عام معروف ہو جائے وہاں احترام لازم ہے۔

فائدہ :

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتلا عام و ضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق باسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلا عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو جائے وہاں مذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ للذواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے، کما نقل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الامام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحیح بیع الثمار بعد البروز قبل ان تكون منتفعا بها (رد المحتار ج ۴) حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیع الثمر قبل انفراک الزہر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہو گا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلا عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کر دیں۔

کیلے کے باغ کی بیع اس لئے جائز ہے کہ یہ بیع الاشجار مع الاصول ہوتی ہے، لہذا بیع کے بعد پیدا ہونے والے درخت مشتری کی ملک ہیں، اگر اس بیع میں مدت معینہ کے بعد ترک الاصول للبائع مشروط ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

وهو يثبت ملك المشتري بعد القبض فيحل اكله للمشتري الثاني -
اس سے بھی بہتر حل یہ ہے کہ یہ بیع الاشجار بدون الاصول ہے، اشجار موجودہ کی بیع میں کوئی کلام نہیں اور اشجار غیر موجودہ کی بیع ببيع الاشجار الموجودہ درست ہے۔
والنظر في كتب المذهب خصوصاً في مباحث بيع الاشجار والازهار من رد المحتار۔

شبہہ : بعض الناس کو شبہہ ہوا ہے کہ بیع بشرط التبقیۃ فاسد ہے اور معاملہ مجہودہ میں اگرچہ بیع مطلقاً ہے مگر عرفاً تبقیہ لازم ہے، والمعرفۃ کامل شرط۔
جواب : بحث مذکور میں اس شبہہ کا جواب ہو چکا ہے، یعنی یہ شرط مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے مفسد تھی، مگر عرف عام سے احتمال نزاع منقطع ہو گیا، فارتفع الفساد وانظر تفصیله فی اجارات کتب المذهب۔ فاغتم هذا التحویر الفرید وتشکروا یا ک والتعمق فی الدین واقتحام المضائق ولن یشاد الدین احد الاغلبہ۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ذوالحجہ سنہ ۱۴۹۹ھ

مثل سوال بالا :

سوال : علماء سندھ کے دو متضاد فتوے ارسال خدمت ہیں، فریقین نے اپنے اپنے موقف کے اثبات میں حنفیہ کی معروف و متداول کتب بحر، عالمگیریہ، شامیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے، حضرت والا اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

دونوں فتاویٰ میں کیلے کے باغ کی بیع کے سلسلے میں حیلہ جواز یہ تحریر کیا ہے کہ بوقت بیع اس زمین کو ٹھیکے پر لے لے، مگر آنجناب کے ایک فتویٰ میں جو شہ ۹ھ میں دارالافتار سے جاری ہوا، جواز کے لئے یہ حیلہ لکھا گیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس میں کیلا لگانا چاہتے ہیں چند سال کے لئے ٹھیکہ پر دے دیں۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ علماء سندھ کے فتویٰ میں بوقت بیع یہ حیلہ اختیار کرنے

کا حکم دیا گیا اور آپ کے فتویٰ میں کیلا لگانے سے پہلے - امید ہے کہ قول فیصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے - بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ زیر بحث سے متعلق بندہ نے ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ میں ایک مفصل جواب لکھا تھا جس کی فوٹو کاپی ارسال ہے، مزید آپ کے مسئلہ فتاویٰ میں دو عبارتوں سے متعلق بحث تحریر کی جاتی ہے :

① واما البیع مطلقا فذکر فی الهدایۃ جوازہ واعتراض ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ بان المعروف بالعرف کالمشروط بالشروط فلا یصح البیع مطلقا وکنت مترددا فی هذا حتی ان وجدت فی فتاویٰ ابن تیمیۃ عن ابی حنیفۃ والثوری رحمہما اللہ تعالیٰ انہما اجازا البیع مطلقا اذا اجاز البائع التبرک علی الاشجار فاذن لما وجدت عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فلا ابالی فالحاصل اذا لم یشتط الا بقاء فی صلب العقد یصح البیع وان کان معروفا بالعرف هذا ما حصل فی واللہ اعلم وعلمہ اتم (العرف الشذی ص ۳۸۸)

اس سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں عرف سے کوئی تعرض نہیں، ظن غالب یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں یہ عرف نہیں تھا، اگر یہ عرف ہوتا تو صراحتہً اجازت بائع کی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ عرف کی وجہ سے دلالت اذن بائع موجود ہے، نیز بصورت وجود عرف امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی وضاحت منقول ہوتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسا عرف نہیں تھا، معہذا کسی کو عدم عرف کے ثبوت میں کلام ہو تو کم از کم اسکا احتمال یقیناً ہے، فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال -

② ولو اراد ان یتبرک فی الارض ویکون له الولاية الشرعیۃ فالحمیلة ان یشترى الحشیش و اشجار البطیخ ببعض الثمن ویستأجر الارض ببعض الثمن من صاحب الارض ایما معلومة وینبغی ان یقدم بیع الاشجار و الثمار والحشیش و یؤخر الاجارة فانه لو قدم الاجارة لایجوز کذا فی مختار الفتاویٰ ولوباع اشجار البطیخ واعار الارض یجوز ایضا الا ان الاعارة لا تكون لازمة ویکون له ان یرجع کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریۃ ص ۱۴۹ ج ۳)

اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صفقہ فی صفقہ ہے بوقت بیع شرط اجارہ کی خواہ تصریح نہ ہو مگر جانبین میں معہود ہونے کی وجہ سے بمنزلہ تصریح ہی ہے اور جب اسکا عرف ہو جائے تو ”المعروف بالمشرط“ مسلم ہے اگر تعامل کو اس کا فخلص قرار دیا جائے تو پھر ایسے حیلوں کی حاجت ہی کیا ہے؟ تعامل کے پیش نظر یہ معاملہ بدوں حیلہ ہی جائز ہے، کما حررنا مفصلاً۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۳ھ

بیع بشرط البراءة من کل عیب :

سوال : زید کے پاس ایک گاہن بھینس ہے، جو بچہ دینے کے بعد پانچ سیر دودھ دیتی ہے، اب زید اسے فروخت کرنا چاہتا ہے مگر دودھ دینے کی یہ مقدار اگر ظاہر کر دے تو کوئی بیوپاری خریدنے پر آمادہ نہ ہوگا، کیا یہ بات بتائے بغیر وہ اسے فروخت کر سکتا ہے؟
بیدنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اگر بھینس بچتے وقت خریدار سے یوں کہہ دے کہ میں اس کے ہر عیب سے بری ہوں چاہو تو لے لو ورنہ چھوڑ دو، تو بیع صحیح ہو جائے گی اگرچہ وہ سب عیوب نہ گنائے، پھر کوئی عیب نکل آیا تو زید ذمہ دار نہ ہوگا۔

قال فی التئویس : وصح البیع بشرط البراءة من کل عیب وان لم یسم۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا القول : بان قال بعثاک هذا العبد علی الی بریء من کل عیب (رد المحتار ص ۱ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان سنہ ۱۴۰۷ھ

مبیع میں ظہور عیب :

سوال : ہمارے یہاں مویشیوں کے بیوپاری لوگوں کا دستور ہے کہ اگر بائع بوقت بیع اپنے جانور کا عیب ظاہر نہ کرے تو بعد میں عیب ظاہر ہو جانے پر مشتری اس مویشی کی رقم کم کر کے دیتا ہے، مثلاً بھینس کے ایک تھن میں اگر آدھا سیر دودھ کم ہو، یعنی اس کے چاروں تھن برابر نہ ہوں تو سو روپے قیمت میں سے کم کر دیئے جائیں گے خواہ بائع اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ اس طرح کم کر کے رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیدنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

عیب پر مطلع ہونے کے بعد مشتری کو اختیار ہے چاہے تو کل ثمن کے بدلے اسکو رکھے اور چاہے تو واپس کر دے، معیب جانور کو رکھ کر رجوع بالنقصان کرنا جائز نہیں البتہ اگر مشتری کے پاس آکر اس جانور میں کوئی نیا عیب بھی پیدا ہو گیا تو مشتری رجوع بالنقصان کر سکتا ہے، بائع کی رضا سے واپس بھی کر سکتا ہے۔ واپسی پر بائع کی رضا کے بعد مشتری مبیع کو رکھنا چاہے تو وہ رجوع بالنقصان نہیں کر سکتا۔

قال فی التنویر: من وجد بمشریہ ما ینقض الثمن اخذہ بكل الثمن اور دہ۔

(رد المحتار ص ۸۰ ج ۲)

وقال: حدث عیب أخر عند المشتري رجع بنقصانه وله الرد برضا البائع.

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: الا ان یرضی بالضرر فیخیر المشتري

حینئذ بین الرد والامساك من غیر رجوع بنقصان (رد المحتار ص ۸۹ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۷ھ

مبیع کا عیب چھپانا حرام ہے:

سوال: زید ایک دکاندار ہے، اس کے ہاں ایک قسم گندم اکیس روپے من اور دوسری قسم انیس روپے من بکتی ہے، وہ دونوں قسم کی گندم ملا کر بیس روپے من فروخت کرتا ہے، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ دونوں قسم کی گندم الگ الگ بھی رکھتا ہے، گویا اس کی دکان میں تین قسم کی گندم ہے، انیس روپے من، بیس روپے من، اور اکیس روپے من، خریدار کو تینوں قسمیں بتا دیتا ہے تاکہ اسے جو پسند آئے وہ لے لے اور دو قسم کی گندم ملا کر فروخت کرنے سے اس کا مقصد فریب دہی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ انیس روپے والی گندم کا آٹا اتنا عمدہ نہیں ہوتا جتنا کہ دونوں قسموں کے مجموعہ کا ہوتا ہے، کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جائز ہے، اس لئے کہ دکاندار نے مبیع کا کوئی عیب نہیں چھپایا، عیب چھپانا حرام ہے

قال العلامة الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن

ان الغش حرام ۱۵ (رد المحتار ص ۱۹ ج ۲) * واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۹ھ

ظہور عیب پر مشتری کو خیار فسخ ہے :

سوال : زید نے اپنی ایک زمین جس پر کچھ تعمیر بھی تھی، عمرو کے ہاتھ اٹھارہ ہزار میں فروخت کی، طے یہ پایا کہ دس ہزار عمرو نقد ادا کرے اور آٹھ ہزار مدت معینہ کے بعد، چنانچہ زید نے چھ ہزار نقد وصول کر لئے اور بقیہ چار ہزار عمرو کے پاس امانت چھوڑ دیئے، چند دن گزرنے کے بعد زید کے ایک رشتہ دار بکر نے مذکورہ زمین کے ایک حصہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کر دیا، بعد ازاں زید نے مشتری عمرو سے اپنی رقم طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ پہلے بکر سے تصفیہ کر لو ورنہ مجھے یہ جھگڑے کا سودا منظور نہیں، میری رقم لوٹا دو، بات یوں ہی چلتی رہی، اب کئی ماہ گزرنے پر معلوم ہوا کہ زید یہ زمین کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، سوال یہ ہے کہ شرعاً اب یہ زمین کس کی ملک ہے؟ زید کی یا عمرو کی اور زید کا یہ تصرف درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

مبیع میں نزاع کا وقوع عیب ہے، لہذا عمرو کے نام منظور کرنے سے یہ بیع فسخ ہوگئی۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب سنہ ۱۲۹۸ھ

افیون کی کاشت و بیع جائز ہے :

سوال : افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

زمان سابق میں افیون تداوی میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً تلہی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آج کل افیون دوا کے طور پر کثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد

تک پہنچ گئی ہے، لہذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ تلہی کے طور پر استعمال کریگا اس کے ہاتھ نہ بچنا مکروہ تحریمی ہے۔
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۸۷ھ

سگریٹ کی تجارت جائز ہے :

سوال : سگریٹ کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ربهم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۹۸ھ

بھینس کے نومولود بچہ کی بیع :

سوال : مویشی پالنے والے لوگوں کے ہاں عام دستور ہے کہ گائے یا بھینس کا بچہ پیدا ہوتے ہی قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد دودھ بچانا یا ان بچوں کی دیکھ بھال سے وقت بچانا ہوتا ہے، نتیجتاً یہ گائے بھینس بچوں کے فراق میں کئی کئی روز رانہتی رہتی ہے، کیا ان لوگوں کا یہ طریقہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ربهم الصواب

ایسا کرنا ظلم ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فرق بین والدۃ وولدها فرق اللہ

بینہ و بین احبۃ یوم القیمۃ۔ (ترمذی، مستدرک)

وقال العلامة الباری رحمہ اللہ تعالیٰ : فلا یدخل محرم غیر قریب ولا

قریب غیر محرم ولا مالا محرمیۃ بینہما اصلا حتی لو کان احدهما اخصا رضاعیا

للاخر او کان امۃ والاخر ابنہا رضاعا او کان احدهما ولد عم او خال او

کان احدهما زوج الاخر جاز التفریق بینہما لان النص النافی ورد بخلاف

القیاس لان القیاس یقتضی جواز التفریق لوجود الملك المطلق للتصرف

من الجمع والتفریق کما فی الکبیرین وکل ما ورد من النص بخلاف القیاس یقتصر

على مودۃ ومودۃ الوالدۃ وولدها والاخوان (عناۃ بھما مش فتح القدیر ص ۶۱ ج ۶)

اگرچہ یہ حکم بنی آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوان کے بچے کی بیع واجب الرد نہیں مگر قباحت اور قساوت قاب سے خالی نہیں، عمر کی کوئی قید نہیں، جب تک سخت صدمہ کا احتمال ہو اس وقت تک نہ بیچنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۱۲۸۶ھ

جھینگے کی بیع جائز ہے :

سوال : ایک مسلمان کراچی میں لانچ کے ذریعہ مچھلیاں اور جھینگے پکڑ کر انکی تجارت کرتا ہے، کیا یہ تجارت جائز ہے؟ عموماً ان جھینگوں کا نیلام کراچی میں ہوتا ہے، اسکے بعد انھیں یورپ اور امریکہ وغیرہ برآمد کیا جاتا ہے، غالباً شوافع کے نزدیک تو کیکڑے جھینگے وغیرہ سب سمندری جانور حلال ہیں، تو کیا یہ تجارت جائز ہوگی؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

چونکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک جھینگہ حلال ہے، اس لئے اسکی تجارت جائز ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال سنہ ۱۲۹۷ھ

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے :

سوال : زید نے اپنی گائے کے چھ حصے چھ آدمیوں کے ہاتھ قربانی کے لئے فروخت کئے، ساتواں حصہ اپنے لئے رکھ لیا، کیا ان چھ حصوں کی بیع جائز ہے؟ ظاہر تو عدم جواز ہی ہے کہ یہ بعض حیوان کی بیع ہے، نیز زید کا اپنی شرکت کی شرط لگانا بھی مفسد بیع معلوم ہوتا ہے، بدینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے، نا جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لہذا ایسے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۹ ذوالحجہ سنہ ۱۲۹۲ھ

جانور کے مثانہ کی بیع :

سوال : حلال جانور کے پھکنے (جس میں پیشاب رہتا ہے) کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۱۴۱۵ھ

زندہ مرغی کی بیع وزناً جائز ہے :

سوال : آجکل زندہ مرغی تول کر بیچی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ ہدایہ میں تصریح ہے :

ولا يمكن معرفة ثقله بالوزن لانه يخفف نفسه مرة ويثقل أخرى۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم امکان معرفت وزن کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں۔

بیینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مرغی کے سانس کی وجہ سے اس کے وزن میں کوئی معتد بہ فرق نہیں آتا، لہذا یہ جہالت بسیرہ ہے جو مفضیۃ الی المنازعة نہیں، نیز مرغی کی اس طرح بیع کے عرف عام ہو جانے کی وجہ سے اس میں نزاع کا احتمال نہیں، اس لئے یہ بیع جائز ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۹ صفر سنہ ۱۴۱۹ھ

مروجہ بیوع میں مشتری پر عادیہ وزن کی تحقیق :

سوال : ایک دودھ والے سے ہمیشہ دودھ متعین مقدار میں لیا جاتا ہے وہ دودھ از خود مکان پر دے جاتا ہے مگر ہمارے روبرو وزن نہیں کرتا بلکہ وزن کر کے لاتا ہے اور ہمارے برتن میں ڈال جاتا ہے، ہمیں اس کے وزن پر اعتماد ہے اس لئے ہم اس دودھ کو وزن نہیں کرتے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدوں وزن کئے اس دودھ کو ہستعل میں لانا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب بائع مبیع کا وزن کرے تو اس موقع پر مشتری کا وجود و رویت شرط ہے یا اتنا بھی کافی ہے کہ وہ اپنا برتن چھوڑ جائے یا کسی کو اپنا وکیل بنادے؟ آجکل کثرت مشاغل کی بنا پر شہری لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے کہ دکاندار کو فون پر کہہ دیا کہ فلاں فلاں اشیا اتنی اتنی مقدار میں تول کر رکھ دو۔ پھر کسی ذریعے سے وہ

تلی ہوئی اشیاء منگواتے ہیں یا دوکاندار خود پہنچا دیتا ہے اور مشتری دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟ بیدنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

ان دونوں صورتوں میں بیع بالتعاطی ہے اس لئے خریدار پر دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں، ان اشیاء کی قیمت اگرچہ بعد میں مہینہ گزرنے پر ادا کرتے ہوں تو بھی یہی حکم ہے، بالمشافہہ خرید و فروخت بھی عموماً بالتعاطی ہی ہوتی ہے۔

قال فی التنویر: اشتری مکيلاً بشرط الكيل حرم بيعه واكله حتى يكيله
ومثله الموزون والمعدود وغير ذلك منهم والدنانير۔

وفی الشرح: لجواز التصرف فيهما بعد القبض قبل الوزن كببيع التعاطي
فانه لا يحتاج في الموزونات الى وزن المشتري ثانياً لانه صار بيعاً بالقبض بعد
الوزن قنية وعليه الفتوى خلاصة۔

وفی الحاشية: (قوله كببيع التعاطي) عبارة البحر وهذا كله في غير بيع
التعاطي اما هو فقال في القنية ولا يحتاج الخ وظاهر قوله وهذا كله انه لا يتقيد
بالموزونات بل التعاطي في المكيلات والمعدودات كذلك وهو مفاد التعليل ايضاً
بأنه صار بيعاً بالقبض فانه لا يخص الموزونات لكن فيه ان مقتضى هذا انه لا يصير
بيعا قبل القبض ولعله مبني على القول بأنه لا بد فيه من القبض من الجانبين
والاصح خلافه وعليه فلو دفع الثمن ولم يقبض صح وقد منافي اول البيوع
عن القنية دفع الى بائع الحنطة خمسة دنانير ليأخذ منه حنطة وقال له بكم
تبيعها فقال مائة دنانير فسكت المشتري ثم طلب منه الحنطة ليأخذها
فقال البائع غداً ادفع لك ولم يجز بينهما بيع وذهب المشتري فجاء غداً
ليأخذ الحنطة وقد تغير السعر فعلى البائع ان يدفعها بالسعر الاول اهو
تمامه هناك فتأمل (رد المحتار ص ۱۸۴ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۲ صفر سنہ ۱۳۹۸ھ

متعین وزن کے ڈبوں کی بیع :

سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی نے کچھ اناج گھی، تیل وغیرہ کچھ نرخ

طے کر کے خریدا تو اس کی تین صورتیں ہیں :

- ① دکاندار نے خریدا یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے تول کر دیا ہے۔
- ② خریدار یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے نہیں تول بلکہ خریدار یا اس کے آدمی سے یہ کہہ دیا کہ تم جاؤ ہم تول کر گھر بھیج دیتے ہیں۔
- ③ اس سے پہلے الگ تول ہوا رکھا تھا، دکاندار نے اسی طرح اٹھا کر دیدیا پھر نہیں تول۔

پہلی صورت میں گھڑا کر دوبارہ تولنا ضروری نہیں، بغیر تولے اس کا کھانا، پینا، بیچنا سب صحیح ہے۔

دوسری تیسری صورت میں جب تک خریدار خود نہ تول لے اس کا کھانا، پینا، بیچنا وغیرہ کچھ درست نہیں، اگر بے تولے بیچ دیا تو یہ بیع فاسد ہوگئی، پھر اگر تول بھی لیوے تب بھی یہ بیع درست نہیں ہونی انتہی۔

آجکل متعدد چیزیں مختلف اوزان کے ڈبوں اور سیٹے ہوئے پیکٹوں میں بند رکھی ہوتی ہیں، گاہک دکاندار سے کہتا ہے کہ فلاں چیز ایک سیر دیدو، وہ ایک سیر کا ڈبہ یا پیکٹ اٹھا کر دے دیتا ہے، نہ تو دکاندار خود تول کر دیتا ہے اور نہ وہ۔ گاہک کو اس طرح ڈبوں اور پیکٹوں میں مال خریدنا اور بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

بائع و مشتری دونوں کا مقصد وہ خاص ڈبہ اور لفافہ ہوتا ہے، اس پر لکھا ہوا وزن بیع میں مشروط نہیں ہوتا۔ اس لئے بدوں وزن کئے اس میں تصرف جائز ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

برف کی بیع تخمینہ سے :

سوال : اگر کوئی شخص دکاندار سے مثلاً برف ایک سیر مانگتا ہے جو آٹھ آنے سیر ملتی ہے، وہ دکاندار کو آٹھ آنے دیتا ہے، دکاندار بجائے تولنے کے اندازہ سے برف گاہک کو دیدیتا ہے، کیا یہ خرید و فروخت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر برف بشرط وزن خریدی ہو تو بدوں وزن اس میں تصرف جائز نہیں، ایسی ضرورت کے وقت وزن سے قطع نظر برف کے ٹکڑے کی بیع کر لی جائے تو بدوں وزن تصرف جائز ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

عددی چیزوں کا انکی جنس سے مبادلہ :

سوال : چہ می فرماید علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شگوفہ

درخت خرما را بعوض جنس خود قرض دادن جائز است یا نہ ؟

(۲) و ایضاً ہمیں شگوفہ را یعنی خوشہ خرما را بعوض خرما آجل یا عاجل بعد دیا بوزن

معین دادن جائز است یا نہ ؟

(۳) بوٹہ ہر درخت را بعوض بوٹہ جنس خود یا بوٹہ درخت دیگر دست بدست یا

بقرض یا ببدل دادن جائز است یا نہ ؟ بیہذا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

(۱) ایں شگوفہ از اعداد متفاوتہ است لہذا استقراض جائز نیست۔

(۲) جائز است زیر کہ تبدیل خوشہ بغیر جنس است۔

(۳) بوٹہ ہر درخت بجنس خود ببيع عاجل دادن جائز است، قرض جائز نیست۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۲ھ

مشتری نے بیع لینے سے انکار کر دیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے :

سوال : زید نے بکر سے دس ہزار کا پلاٹ خریدا، سودا طے ہونے کے بعد سو روپے

زید نے بکر کو دیے اور کہا کہ بقیہ رقم ایک ماہ میں ادا کر کے پلاٹ پر قابض ہو جاؤنگا، ایک ماہ

بعد جب بکر نے رقم کا مطالبہ کیا تو زید نے انکار کر دیا کہ میں پلاٹ نہیں لونگا مجھے سو روپے

واپس دیدو، مگر بکر نے سو روپے لوٹانے سے انکار کر دیا، شرعاً بکر اس رقم کو لوٹانے کا

پابند ہے یا نہیں ؟ بیہذا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

بکر کی رضا کے بغیر زید کو فسخ بیع کا اختیار نہیں، بکر زید کو بیع پر قائم رکھنے اور اس سے بقیہ رقم وصول کرنے کے لئے ہر قسم کی قوت استعمال کر سکتا ہے، اگر وہ زید کو بیع پر قائم رکھنے سے عاجز ہو گیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے۔

فساد زمان کی وجہ سے ایسے مظالم بہت زیادہ واقع ہونے لگے ہیں، اس لئے ظلم اور نقصان سے بچنے کی چند تدابیر تحریر کی جاتی ہیں :

① مشتری پوری قیمت ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لے، پھر بائع بقدر بیعانہ کم قیمت پر مشتری سے واپس خرید لے۔

② بائع مشتری کی اجازت سے مبیع کو دوسری جگہ فروخت کر دے اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوئی تو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کر لے، اور زیادہ قیمت مل گئی تو زیادتی مشتری اول کو واپس کرے۔

③ اگر مشتری کسی طرح بھی قابو نہ آئے تو بائع حاکم مسلم کو درخواست دے و مبیع کو فروخت کر کے اور نمبر ۲ میں مذکور تفصیل کے مطابق فیصلہ کرے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ومن اشتری عبداً فغاب فبھن البائع علی بیعہ وغیبہ معروفة لم یبع بدین البائع والابیع بدینہ (کنز الدقائق ص ۲۲) اگر کسی حاکم مسلم سے یہ کام نہ لیا جاسکے تو علماء کی مجلس میں پیش کر کے تفصیل مذکور کے مطابق فیصلہ کروایا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۸ھ

بیع بلا اذن شریک :

سوال : زید نے چھ آدمیوں کی مشترک زمین بلا اجازت عمر کو فروخت کر دی، دو سال تک تو ان لوگوں کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ہماری زمین فروخت ہو گئی ہے، چھ سال بعد ان آدمیوں سے دلو نے عمر مشتری پر دعویٰ دائر کر دیا، جبکہ زید بائع کا انتقال ہو چکا تھا اور چار آدمیوں نے باوجود علم ہونے کے دعویٰ نہیں کیا۔

کیا مندرجہ بالا صورت میں زید کی یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اٹھ سال تک جو پیداوار مشتری نے حاصل کی وہ کس سے حاصل کی جائے گی؟ زید بائع سے یا عمر مشتری سے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع دوسرے شرکاء کے اذن پر موقوف ہے۔ اگر بعض شرکار اجازت دیں اور بعض نہ دیں تو صرف اجازت دینے والوں کے حصص کی بیع نافذ ہوگی مگر اس صورت میں مشتری کو قبول یا رد کا اختیار ہوگا۔

قال فی التنویر: وقف بیع مال الغیر (رد المحتار ص ۱۵۲ ج ۴)

وفی الشرح: وفي المجمع لو اجاز احد المالكين خیر المشتري في

حصته والزعم محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بہا (رد المحتار ص ۱۵۸ ج ۴)

اٹھ سال کی پیداوار کا مالک عمرو مشتری ہے مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے پیداوار میں خبیث ہے لہذا قضاء تو عمرو سے کچھ وصول نہیں کیا جاسکتا البتہ دیانہ عمرو پر واجب ہے کہ تخم اور دیگر مصارف سے نانہ پیداوار دوسرے شرکار پر رد کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۱۴۰۸ھ

بضرورت ارزاں بیچنا:

سوال: ایک شخص ضرورت کی بنا پر اپنی کوئی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے اور خریدار اسکی مجبوری سے نانہ اٹھا کر بہت کم دام لگاتا ہے، مثلاً ایک گھڑی جس کی قیمت خرید دو سو روپے ہے اور بحالت موجودہ سو روپے میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن خریدار پچیس سے زیادہ پر خریدنے کیلئے تیار نہیں تو کیا خریدار کا یہ عمل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عمل جائز تو ہے مگر خریدار اگر صاحب استطاعت ہے اور بیچنے والا واقعہ مجبور ہے تو خریدار کو مروت سے کام لینا چاہیے اور حتی المقدور بائع کو صحیح قیمت ادا کرنا چاہیے، غرض بیع تو ہر صورت صحیح ہے، مگر کسی کی مجبوری سے نانہ اٹھانا اخلاق و مروت کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

دودھ خریدنے میں کھویا کی متعین مقدار کی شرط:

سوال: زید دودھ خرید کر کھویا بناتا ہے، دودھ کا بھاؤ شہر میں اس وقت

تھوک کا پینتیس روپے من ہے، زید اسی بھاؤ خریدتا ہے مگر ان لوگوں سے شرط لگاتا ہے کہ اگر ایک سیر دودھ میں سے ایک پاؤ کھویا نکلا تو پینتیس روپے من کے حساب سے تمہیں رقم دی جائے گی اور پاؤ بھر نہ نکلا تو اسی مقدار سے پیسے کم کر دیے جائیں گے، خواہ تمہارا دودھ خالص ہو یا غیر خالص، کیا یہ شرط صحیح ہے؟ جبکہ اس کا بھی امکان ہے کہ پاؤ بھر کھویا شاید خالص دودھ سے بھی برآمد نہ ہو۔ شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

چونکہ دودھ میں کھویا کی خاص مقدار وصف مرغوب فیہ ہے، لہذا اس کے اشتراط عند العقد سے اس کا استحقاق ثابت ہوگا اور بوقت فقدان فسخ بیع و رد مبیع کا اختیار ہوگا، مگر کھویا بن جانے کے بعد مبیع کا رد متعذر ہونے کی وجہ سے رجوع بالنقصان ثابت ہوگا، لہذا زید کا دودھ کی قیمت کم دینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۹ھ

بیع مؤجل میں تعیین اجل ضروری ہے :

سوال : چہ می فرمایند درباره مسئلہ ذیل کہ فی بلادنا اکثر بیع و شرار بدون تعیین مدت منعقد می شود، در متون ہمچنین بیوع را فاسد قرار داده شدہ اند، اما در مجلۃ الاحکام فی بیان المسائل المتعلقة بالبیع بالنسیئۃ والتأجیل ص ۳ مرقوم است :
اذا باع نسیئۃ بدون بیان مدۃ تنصرف المدۃ الی شہر واحد فقط۔
آیا مادہ مذکورہ قول مفتی بہ ست و عمل بر ہمین ست یا نہ ؟ و در صورت عرف اگر رائج باشد بدون از تعیین مدت آیا عرف را بصحتہ عقد اعتباری ست ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر بیع مطلق ہے، اجل کا کوئی ذکر نہیں تو ثمن فی الفور واجب ہوگا، البتہ اگر بائع فوراً مطالبہ نہ کرے تو تاخیر جائز ہے اور اس میں تعیین مدت ضروری نہیں۔
قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ : (صحیح ثمن حال) وهو الاصل۔
وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله وهو الاصل) لان الحلول مقتضی

العقد وموجبه والاجل لا يثبت الا بالشرط بحر عن السراج

(رد المحتار ص ۲۵ ج ۴)

اور اگر بیع مَوْجَل ہے تو تعیین اجل ضروری ہے، البتہ اگر عاقدین کے درمیان تین دن یا ایک ماہ کی مدت معہود و معروف ہو تو عدم نزاع کی وجہ سے جائز ہے اور شرعاً یہی مدت معتبر ہوگی، ورنہ یہ بیع فاسد ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (ومؤجل الى معلوم) لئلا يفضى الى النزاع ولو بيع مؤجلا صرف لشهر به يفتى،

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى: (قوله به يفتى) وعند البعض لثلاثة ايام بحر عن شرح المجمع قلت ويشكل على القولين ان شرط صحة التأجيل ان يعرفه العاقدان ولذا لم يصح البيع بثمن مؤجل الى النيروز والمهرجان وصوم النصارى اذا لم يدركه العاقدان كما سيأتى فى البيع الفاسدا وكذا لو عرفه احدهما دون الآخر فتأمل۔

قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله قلت ويشكل على القولين الخ) فيه تأمل فانه اذا كان المعهود ان الاجل الشهر او ثلثة ايام شرعا وعرفا يكون ذلك معلوما عند العاقدین حتى لو لم يكن له عهد عرفا كما فى زماننا فالظاهر عدم الصحة (التحرير المختار ص ۱۱ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم۔
۳۰ محرم سنہ ۱۲۹۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: کسی نے کوئی چیز خریدی اور کہا کہ پیسے بعد میں دوں گا اور وقت مقررہ نہیں کیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بیاد تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خریدنے کے بعد یہ الفاظ کہے اور بائع نے بخوشی مہلت دیدی تو جائز ہے اور اگر ادھار کی شرط پر خرید اتو بلا تعیین وقت ادار جائز نہیں۔

قال فى التنبير وشرحہ: وصح بثمن حال وهو الاصل او مؤجل الى معلوم

لئلا يفضى الى النزاع (رد المحتار ص ۲۵ ج ۴) والله سبحانه وتعالى اعلم۔
۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۵ھ

بیع شرب جائز نہیں:

سوال: زمین کے بغیر صرف اس کے پانی کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جائز نہیں۔

قال المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ: وكذا بيع الشرب وظاهر الرواية فسادہ الاتباع،

خانية وشرح وهبانية (رد المحتار ص ۱۸ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۲ھ

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کی خرید و فروخت:

سوال: ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ساز باجا اور گانا وغیرہ کے گناہ میں مبتلا نہ ہوگا تو خریدنا اور ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان سنہ ۱۴۰۵ھ

اس کا مفصل حکم رسالہ ”القول المبرہن فی بیع الرادیو والتیلیوین“ میں ہے۔

بدون رضائے متبایعین فسخ بیع کا اعتبار نہیں:

سوال: الف اور بار کے مابین ایک زمین کا سودا ہوا، ادارہ ثمن کی میعاد پہلے

چھ ماہ پھر تین ماہ مقرر ہوئی، اس دوران مشتری بار نے الف بائع کو معتد بہ رقم

ادا کر دی، مگر بقیہ رقم مدت گزرنے پر بھی ادا نہ کر سکا، الف بار بار تقاضا کرتا رہا،

مگر بار ٹالتا رہا، حتیٰ کہ عرصہ چھ سال کا گزر گیا، آخر الف نے پنچایت کے سامنے

اعلان کیا کہ اب میں بیع فسخ کرتا ہوں، بعد ازاں بار بقیہ رقم دینے پر آمادہ ہو گیا مگر

الف نہ مانا اور اس دوران زمین ایک دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دی، کیا

الف کا یہ فعل درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر مشتری نے بھی پنچایت کو حکم تسلیم کیا تھا، پھر پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ

کیا تو بیع فسخ ہو گئی، اس کے بعد بائع کا ہر قسم کا تصرف صحیح ہے۔ اور اگر مشتری نے پنچایت کو حکم نہیں بنایا تھا یا پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ بائع نے خود ہی پنچایت کے سامنے فسخ بیع کا فیصلہ سنا دیا تو بیع فسخ نہیں ہوئی، لہذا اس صورت میں دوسری بیع بھی صحیح نہیں ہوئی اور وہ ثمن بائع کے لئے حلال نہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۱۴۰۵ھ

مشتری ثمن نہ ادا کرے تو بائع کو حق فسخ ہے:

سوال: عقد بیع کے بعد بائع نے ادا ثمن تک مبیع کو محبوس کر لیا، اب اگر مشتری ادا نہ کرے یا غائب ہو جائے تو بائع کیا کرے؟ آیا بیع کو فسخ کر دے یا مزید انتظار کرے؟ بیینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مشتری ثمن ادا نہ کرے اور نہ ہی اقالہ کرے تو بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے، مشتری کی طرف سے عدم ادا ثمن کو عدم رضا اور فسخ سمجھا جائے گا، لہذا فسخ بائع سے جانبین کی طرف سے فسخ مستحق ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں بیع میں تراضی طرفین شرط ہے اور مشتری کی طرف سے استيفاء ثمن متعذر ہونے کی حالت میں رضائے بائع مفقود ہے، اس لئے مشتری کی جانب سے فسخ نہ بھی ہو تو بائع کو فسخ کا اختیار ہے۔

قال العلامة النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن قال لا خراش ثمن منی
هذک الامتہ فانکر للبائع ان یطأها ان ترک الخصومة۔

وقال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ: لان المشتري لما جحد كان
فسخا من جهته اذا الفسخ يثبت به كما اذا جحد افاذا عزم البائع
على ترك الخصومة تم الفسخ بمجرد العزم وان كان لا يثبت الفسخ
فقد اقترن بالفعل وهو امساك الجارية ونقلها وما يضاهيه ولانه
لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع فيستبد بفسخه
(البحر الرائق ص ۳۶ ج ۷)

وكذا قال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى -

وقال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالى : فيستبد بفسخه لفوات شرط

البيع وهو التراضى (فتح القدیر ص ۵ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

بيع بالوفاء :

سوال : کوئی چیز کسی سے اس شرط پر خریدی کہ جب بائع رقم واپس دے گا تو یہ چیز اس کو واپس دیدی جائے گی، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بیدینا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیع کے اندر یا اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا جانبین اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے۔

اور اگر بیع کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفاء

لازم ہے۔

قال في العلائقة : وقيل بيع يفيد الانتفاع به وفي اقاله شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى وقيل ان بلفظ البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكر الفسخ فيه اوقبله وزعماء غير لازم كان بيعا فاسدا ولو بعدا على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به (رد المحتار ص ۲۷۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

لفظ ”دیدگا“ وعدہ بیع ہے :

سوال : زید نے سیب پکنے سے تقریباً دو تین ماہ قبل عمر کو کچھ روپے دیئے کہ عمر اس کو اپنے سیب فی من مثلاً دو سو روپے دیگا مگر عقد کے وقت نہ تاخیر ثمن کی شرط تھی اور نہ ہی تاخیر مبيع کی، عقد کے بعد یہ کہا کہ عمر زید کو سیب فی من دو سو روپے اس وقت دیدگا جبکہ سیب پک جائے، اس لئے کہ عقد کرتے وقت تو سیب بالکل کچے تھے، سیب پکنے کے بعد عمر نے حسب وعدہ فی من دو سو روپے دیدیئے اور مشتری نے بھی بقیہ ثمن دیدیا۔

کیا مذکورہ صورت خانیہ کے اس جزئیہ پر قیاس کر کے جائز ہو سکتی ہے؟

رجل قال لغيره بعت منك عنب هذا الكرم كل وقر بكذا قالوا ان كان وقر العنب معلوما عندهم والعنب حبش واحدا ينبغي ان يجوز البيع في وقر واحد عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى، وعند صاحبيه رحمه الله تعالى يجوز البيع في الكل وجعلوا هذه المسألة فرعا لرجل باع صبرة حنطة فقال بعت منك هذه الصبرة كل قفيز بدينارهم عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى يجوز البيع في قفيز واحد وعندهما يجوز في الكل وان كان عنب الكرم اجناسا قالوا ينبغي ان لا يجوز البيع في شيء في قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى وان كان الوقر معروفا وعندهما يجوز في الكل كما لو قال بعت الخ (خانية فصل بيع الزروع والشمار ص ۳۵ ج ۲) بدينوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

لفظ ”دیدگا“ بیع نہیں وعدہ بیع ہے، لہذا مالک نے سیب پکنے کے بعد دیدیے تو یہ بیع بالتعاطى ہو گئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲/ جمادی الثانیہ سنہ ۹۸ھ

چاندی کی قیمت بڑھنے سے روپے کی مالیت میں کوئی فرق نہیں آتا :

سوال : ایک شخص نے تین سال پہلے زید کے پاس ایک کتاب ستور روپے میں بیچی، اس وقت چاندی کی قیمت پانچ روپے تولہ تھی، زید نے کتاب پر قبضہ کر لیا رقم اب تک ادا نہیں کی، کتاب اس وقت بھی زید کے پاس ہے، بائع کہتا ہے کہ اب میں کتاب کی قیمت بجائے سو روپے کے تین ستور روپے لوں گا، کیونکہ اب چاندی پندرہ روپے تولہ ہے اور آپ کے پاس جو سو روپے میں کتاب بیچی تو اس وقت سو روپے بیس تولے چاندی کی قیمت تھی اور اس وقت بیس تولہ کی قیمت تین ستور روپے ہے۔
اپنی تائید میں شامیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

اما اذا غلت قيمتها او انتقصت فالبيع على حاله ولا يتخير المشتري ويطالب بالنقد بذلك العباد الذي كان وقت البيع كذا في فتح القدير (ج ۳) آجکل کے روپے بھی خالص چاندی کے نہیں غالب الغش ہیں جن کا حکم مذکورہ عبارت میں بتایا گیا ہے، بائع کی رائے کی تصحیح یا تغلیط مع الدلائل فرمائیں، بدينوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

بائع کا خیال باطل ہے اس لئے کہ مروج کرنسی من کل الوجوہ بحکم فلوس نہیں، ورنہ ان کے مبادلہ بالجنس میں تفاضل جائز ہوتا، اور کروڑوں کی تعداد میں کرنسی نوٹ ملک میں ہونے کے باوجود ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی، وہو باطل والقول المستلزم للباطل باطل۔

زمان قدیم کے فلوس اور سکہ رائج الوقت میں یہ فرق ہے کہ وہ فلوس خود معیاً و مقصود نہیں تھے بلکہ درہم کا بدل شمار ہوتے تھے اور سکہ رائج الوقت اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں خود معیار نہیں بلکہ سونے اور ڈالر کا بدل ہے مگر اندرون ملک ایک روپے کا نوٹ خود معیار و مقصود ہے اور مروجہ پیسے اس کا بدل ہیں، لہذا ایک روپے کا نوٹ بحکم درہم ہوا اور اس کا بدل سو پیسے بحکم فلوس ہوئے، اصل نقد روپیہ ہے اور پیسوں کا ذکر اس اصل نقد کی کسی مقدار کی ایک تعبیر ہوتی ہے چنانچہ پہلے روپیہ ۶۴ پیسے کا تھا بعد میں ۱۰۰ پیسے کا کر دیا گیا، اس تبدیل سے قبل اگر ۱۶ پیسے ثمن متعین کیا گیا تو یہ پاؤ روپیہ کی ایک تعبیر ہے، مشتری کو اختیار تھا کہ وہ ۱۶ پیسے ادا کرے یا ۸ ٹکے یا ۴ آنے یا ایک چوٹی، مگر جب پیسے سستے ہو گئے یعنی ایک روپے کے مقابل سو پیسے کر دیئے گئے تو اب مشتری کو ۱۶ پیسے دینے کا اختیار نہیں بلکہ ۲۵ پیسے یا پاؤ روپیہ ادا کرے گا، اس لئے کہ عقد میں اصل مقصود پاؤ روپیہ تھا پیسوں کا ذکر اسی کی ایک تعبیر تھی، لہذا پیسے سستے ہونے کے بعد تعبیر سے جو اصل مقصود تھا یعنی پاؤ روپیہ وہ واجب ہو گا۔

اس حقیقت کے پیش نظر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ فلوس کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں درہم کے لحاظ سے ثمن کا اصل معیار واجب الادا ہو گا۔ اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں متعین فلوس ہی کی ادائیگی لازم قرار دیتے ہیں۔

اس اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ فلوس کا لین دین دونوں طرح مروج ہو گا بدل درہم کی حیثیت سے بھی اور مکملات و موزونات کی طرح مقصوداً بھی، فاخذ الاول بالثانی والثانی بالاول۔

اکثر کتب میں اسی طرح اختلاف نقل کر کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے مگر جوہرہ میں نہایت سے رد مثل پر اتفاق نقل کیا ہے،
ويمكن التوفيق بالحمل على المثل في الجنس دون العدد -

مروج کرنسی بالاتفاق کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں بلکہ خود مقصود ہے، اگرچہ بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کی رسید کے طور پر جاری کئے جاتے ہیں مگر ایک روپے کا نوٹ جس کو کرنسی قرار دیا گیا ہے وہ خود مقصود ہے اور اس لحاظ سے محکم درہم و دینار ہے۔

اسی لئے عام لین دین اور تجارت کے عرف میں سونے اور چاندی کے نرخ میں اتار چڑھاؤ سے بطور ثمن یا قرض واجب الذمہ مروج کرنسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ مروج کرنسی کی اصل مقدار جو واجب تھی وہی ادا کی جاتی ہے۔

اگر بائع کے باطل خیال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رہا کی مروجہ صورتیں سب حلال ہو جائیں گی، صرف حلال ہی نہیں بلکہ مشتری و مستقرض پر ادا رہا شرعاً واجب قرار پائے گا اس لئے کہ سونے اور چاندی کی قیمت تو ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے، سو اگر آکلین رہا یہ صورت اختیار کریں کہ رہا میں کرنسی کی تعیین کی بجائے وقت ادا میں سونے یا چاندی کے نرخ کے مطابق وصول کریں تو ان کا کیا حرج ہے۔

راضی رہے رحمن بھی تو خوش رہے شیطان بھی

البتہ بین الاقوامی منڈی میں کرنسی کا اصل معیار ڈالر قرار دیا گیا ہے لہذا ڈالر کے مقابلہ میں روپے کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں بیرونی تجارت کا ثمن یا قرض ڈالر کی قیمت کے مطابق ادا کیا جائے گا اگرچہ بوقت عقد روپے کی مقدار ذکر کی گئی ہو۔

حاصل کلام :

① اندرون ملک روپے کا لین دین مستقل سکے کی حیثیت رکھتا ہے کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں، اس لئے اس کی مالیت میں کمی بیشی کی صورت میں اتنے روپے واجب ہونگے جتنے اصل میں تھے۔

② اگر بالفرض اندرون ملک بھی روپے کو مستقل سکے شمار نہ کیا جائے اور حکم

فلوس ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر اختلاف مالیت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۳) نہایہ کی تصریح کے خلاف اگر امام ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ اس صورت میں ہوگا کہ متعاقدین نے فلوس کے اصل مقصود ہونے کی تصریح نہ کی ہو، اگر اس تصریح کے ساتھ عقد ہوا ہو کہ درہم کے ساتھ کسی نسبت سے قطع نظر خود فلوس کا یہ عدد مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ قول ثانی امام اول رحمہما اللہ تعالیٰ کے موافق ہی ہوگا۔

عرف عام میں اندرون ملک روپے کے لین دین میں کسی دوسرے سکہ سے قطع نظر خود روپے ہی کا عدد مقصود ہوتا ہے، لہذا المعرفۃ کا لشرط کے تحت امام ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی روپے کی مالیت میں کمی بیشی اس کے اصل عدد پر مؤثر نہ ہوگی۔

یہ بحث محض استطراد الکھدی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ اندرون ملک روپیہ کسی دوسرے سکہ کے تابع نہیں خود مستقل سکہ ہے، اس لئے یہ اختلاف مالیت کی صورت میں بحکم فلوس نہیں بلکہ بحکم درہم ہے۔

اندرون ملک روپے کے لین دین میں عرف عام اور سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ کسی دوسرے سکہ کے تابع نہیں جس کی وجہ سے اصل واجب روپے کے عدد میں کمی بیشی آجائے، اس حقیقت پر اس حد تک اتفاق ہے کہ اس کے خلاف کے قائل کو لوگ دیوانہ کہیں گے، چنانچہ گلٹ کا سکہ بننے کے بعد سالہا سال کے طویل تعامل میں ہمارے سامنے ایسے صرف دو سوال آئے ہیں جن میں اصل وجہ سے زیادہ عدد کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور یہ واقعات بھی ایسے ہیں کہ ان میں مدعی کی ہوس ظاہر ہے اور یقین ہے کہ خود یہ مدعی بھی اس ایک واقعہ جزئیہ کے سوا باقی تمام معاملات میں روپے کا وہی عدد واجب سمجھتا ہوگا جو شروع میں تھا اور اسکا اپنا عمل بھی تمام لین دین میں اسی کے مطابق ہوگا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

مثل سوال بالا :

ایک استفتاء اور اس کا جواب پیش خدمت ہے -
اصل مسئلہ تو بیع و قرض کے بارے میں ہے، شفعہ کی صورت کو اس پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ شفعہ بھی ایک گونہ بیع ہی ہے اور اسی ثمن کے ساتھ ہے جتنی رقم میں مشتری کو پڑی تھی صرف تحویل صفعہ ہوا ہے، یہ تحقیق مطلوب ہے کہ بیع قرض اور شفعہ میں مالیت قدیم ثمن اور قرض کی واجب ہوگی یا رد مثل، جبکہ معاملہ پہلے کا ہو اور روپے کی قیمت میں کمی قبل از قبض بعد میں واقع ہوئی -

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۲۵/۴/۹۹ھ

سوال : ستمبر ۱۹۷۴ء میں مشتری نے ۱۴ - کنال بعوض ۱۵۰،۰۰۰ روپے زمین اپنے خاندان رشتہ داران کے مکانات بنانے کے پیش نظر خرید کی، ستمبر ۱۹۷۵ء میں شفیع نے دعویٰ دائر کر دیا، اب تک فیصلہ نہیں ہوا، لیکن اب اس جائداد مذکور کی قیمت تقریباً ۱۳۰،۰۰۰ (تیرہ لاکھ) روپے ہے، کیا شفیع کو ۱۵۰،۰۰۰ (دبڑھ لاکھ) روپے میں ہی جائے گی؟ اور مشتری کو دبڑھ لاکھ روپے ہی ملیں گے؟
واضح رہے کہ مشتری اگر اسی جگہ اراضی خریدنا چاہے تو اسے اب تقریباً ساٹھ کنال اراضی ملے گی۔

الجواب (از خیر المدارس ملتان)

زمین کی قیمت بڑھ جانے سے شفیع پر یہ زیادتی لازم نہ ہوگی کیونکہ شفعہ کی حقیقت یہ ہے :

قال فی التنویر: ہی تملیک البقعة جبڑا علی مشتری بما قام علیہ -
البتہ روپے کی قیمت و مالیت میں سرکاری طور پر جو کمی کر دی گئی تھی وہ مشتری کے حق پر اثر انداز نہیں ہوگی، یعنی بیع کے وقت میں روپے کی جو مالیت تھی اسی کے مطابق اب شفیع سے اسے رقم وصول کرنے کا حق ہوگا، روپے کی قیمت کا گر جانا مشتری کے حق کو کم نہیں کرے گا جبکہ حصول شفعہ کو بیع یا قرض کے مشابہ قرار دیا جائے۔
وفی الشامیة : وفي البزازیة عن المنتقی غلت الفلوس اور خصت فعند الامام الاول والثانی اولاً لیس علیہ غیرها وقال الثانی ثانیاً علیہ

قیمتها من الدار اھم یوم البیع والقبض وعلیہ الفتویٰ وھکذا فی الذخیرۃ
والخلاصۃ ونقلہ فی البحر واقع بحیث صرح بان الفتویٰ علیہ فی کثیر من
المعتبرات فیجب ان یعول علیہ افتاءً وقضاءً ولم ار من جعل الفتویٰ
علی قول الامام ۱۵ (شامیۃ ص ۲۵ ج ۲)

اور قرض میں بھی یہی حکم ہے۔

قال الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ : وحصل ما مر انہ علی قول ابی یوسف المفتی
بہ لافراق بین الکساد والانقطاع والرخص والغلاء فی انہ تجب قیمتھا
یوم وقع البیع او القرض لامثالھا۔

لیکن جوہرہ میں رخص وغلا کی صورت میں نہایہ سے اتفاق نقل کیا ہے کہ
رد مثل ہوگا مالیت کا وجوب نہ ہوگا۔

الجواب باسمہم الصواب

آپ کا جواب صحیح ہے، روپیہ اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں ڈالر کے تابع ہے
مگر ملک کے اندرونی معاملات میں یہ ایک مستقل سکہ ہے کسی دوسرے کے تابع
نہیں۔ اس لئے اختلاف مالیت کے موثر نہ ہونے کے لحاظ سے روپیہ بحکم فاوس نہیں
بحکم درہم ہے۔

۲۰ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ میں اس سے متعلق ایک استفتاء کا جواب بندہ نے تفصیل سے
لکھا تھا، اس کی نقل ارسال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ شعبان سنہ ۱۴۱۹ھ

والد کا صغیر کی زمین بیچنا :

سوال : والد اپنے صغیر بیٹے کی زمین فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟
بیینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر والد کی بیٹے پر شفقت معروف ہو یا مستور الحال ہو تو بیچ سکتا ہے۔
قال الامام الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ولو البائع ابا فان محمودا عند
الناس او مستورا الحال یجوز ابن کمال۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قوله يجوز) فليس للصغير
نقصه بعد بلوغه اذ للاب شفقة كاملة ولم يعارض هذا المعنى معنى آخر
فكان هذا البيع نظرا للصغير وان كان الاب فاسدا لم يجز بيعه العقار فله
نقصه بعد بلوغه هو المختار الا اذا باعه بضعف القيمة اذ عارض ذلك المعنى
معنى آخر۔

تنبیه : ظاہر کلامم ہمارا ہے کہ لا یتقر ببيع الاب عقار ولده الى المسوغات
المذكورة في الوصى ونقل الحموى في حواشي الاشباه من الوصايا ان الاب
كالوصى لا يجوز له بيع العقار الا في المسائل المذكورة كما افتى به الحنفی
ثم رأيت في مجموعة شيخ مشايخنا من لا على التكماني قد نقل عبارة الحموي
المذكورة ثم قال ما نصه وهو مخالف لاطلاق ما في الفصول وغيره ولم يستند
الحنفوي في ذلك الى نقل صحيح ولكن اذا صارت المسوغات في بيع الاب
ايضا كما في الوصى صار حسنا مفيدا ايضا لان الاخذ بالاتفاق اوفق هكذا
افادني شيخنا الشيخ محمد مراد السقامي رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۵)
والله سبحانه وتعالى اعلم

۴ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۹ھ

اراضی و بیوت مکہ کی بیع و اجارہ :

سوال : حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ یعنی حرم کی ارضی
اور مکانات کی خرید و فروخت اور کرایہ پر دینا جائز نہیں ، چنانچہ تفسیر مظہری وغیرہ
میں ہے :

ومن ههنا قال ابو حنیفة واحمد في اصح الروايتين عنه لا يجوز بيع
رباع مكة ولا اجارة دورها فان ارض الحرم عتيق غايه مملوك لاحد -
(تفسیر مظہری ج ۶ سورۃ حج ، فی تفسیر قولہ تعالیٰ : والمسجد الحرام الذی
جعلناہ سواء العاکف فیہ والباد)

رباع کے معنی زمین ہیں یا مکانات ؟ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک
صرف زمین کی خرید و فروخت اور اجارہ ناجائز ہے یا مکانات کی خرید و فروخت اور اجارہ بھی ؟

طحاوی ص ۱۸۳ ج ۲ میں ہے :

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يحل بيع بيوت مكة ولا اجارتها -

عن علقمة بن فضالة قال توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر وعثمان رضي الله تعالى عنهم وبيع مكة تدعى السوائب من محتاج سكن ومن استغنى اسكن -

وفي رواية له كانت الدور على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر وعثمان رضي الله تعالى عنهم ما تباع ولا تكري (الحديث) .

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں لکھا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرنے والے امام ابو حنیفہ و محمد و ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی بیع و شراہ اور اجارہ کے علاوہ مکانوں کی بیع و شراہ اور اجارہ بھی انکے نزدیک ناجائز ہے - احادیث میں آتا ہے :

قد اشترى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه من صفوان بن امية رضي الله تعالى عنه داراً بأربعة آلاف درهم

وكذا روى البيهقي عن ابن الزبير رضي الله عنهما انه اشترى حجرة سودة رضي الله تعالى عنها - (رواه البيهقي ص ۳۲ ج ۶)

وعن حكيم بن حزام رضي الله تعالى عنه انه باع دار الندوة -

وعن عمر رضي الله تعالى عنه انه اشترى الدور من اهلها حتى وسع المسجدة . وكذلك عن عثمان رضي الله تعالى عنه -

اگر حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف زمین کی بیع و شراہ اور اجارہ ناجائز ہے مکانوں کی جائز ہے تو ان احادیث کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہ بیع و شراہ مکانوں کی تھی زمین کی نہ تھی ، لیکن اگر بنا یعنی مکانوں کی بیع و شراہ بھی ناجائز ہو تو ان احادیث کا کیا جواب ہے ؟

اگر بیع و شراہ بنا یعنی مکانوں کی ان کے نزدیک جائز ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے جن میں رباع اور بیوت کا کرایہ اور بیع و شراہ ناجائز بتائی گئی ہے ؟ اور

وہ احادیث حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مستدلات بتائی گئی ہیں، چنانچہ اوپر احادیث اور عبارات لکھی گئی ہیں کہ رباع مکہ کی بیع و شرار اور اجارہ انکے نزدیک ناجائز ہے اور ان مستدلات میں سے کئی احادیث طحاوی سے نقل کی گئی ہیں۔

امام صاحب کے مستدلات میں سے ایک یہ اثر بھی ہے :

عن مجاهد انه قال مكة مباح لا يخلع بيع ربا عها ولا اجارة بيوتها۔

براہ کرم مذکورہ بالا شبہہ کا ازالہ فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر دے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی اراضی و بیوت کی بیع و اجارہ کے جواز کو ترجیح دی ہے، دلائل کراہت کے جواب دیئے ہیں :

① روایت جواز سند اقویٰ ہے۔

② وجہ النظر جواز کو مقتضی ہے۔

ونصہ : ولما اختلفا احتيج الى النظر في ذلك لنستخرج من القولين قولاً صحيحاً ولو صار الى طريق اختيار الاسانيد وصرف القول الى ذلك لكان حديث علي بن حسين صحيحاً اسناداً ولكننا نحتاج الى كشف ذلك من طريق النظر فاعتبرنا ذلك فرأينا المسجد الحرام الذي كل الناس فيه سواء لا يجوز لاحد ان يبني فيه بناء ولا يحتج بمنه موضعاً وكذلك حكم جميع المواضع التي لا يقطع لاحد فيها ملك وجميع الناس فيها سواء الا ترى ان عرفة لو اراد رجل ان يبني في المكان الذي يقف فيه الناس فيها بناء لم يكن ذلك له وكذلك من لو اراد ان يبني فيها دارا كان من ذلك ممنوعاً وكذلك جاء الاثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (طحاوی ص ۱۸۴ ج ۲)

امام حصکفی و علامہ ابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ انھوں نے صرف ایام موسم میں حجاج کے لئے اجارہ بیوت کو مکروہ قرار دیا ہے اور کمرات اجارہ بیوت کی روایات کو اسی پر محمول فرمایا ہے۔

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ : و جاز بیع بناء بیوت مكة وارضها بلا کراهة و به قال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ و به یفتی عینی وقد مر فی الشفعة و فی البرهان

فی باب العشر ولا یکره بیع ارضها کبنا ثها و به یعمل و فی مختارات النوازل لصاحب
الهدایة لا بأس ببيع بناءها و اجارتها لکن فی الزیلعی و غیره یکره اجارتها و فی آخر
الفصل الخامس من التتارخانیة و اجارة الوهبانیة قال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ
اكره اجارة بیوت مكة فی ايام الموسم و كان یفتی لهم ان ینزلوا علیهم فی دورهم لقوله
تعالیٰ سواء العاکف فیہ و الباد - و رخص فیها فی غیر ايام الموسم اه فلیحفظ - قلت
وبهذا ینظر الفرق و التوفیق و هكذا كان ینادی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ایام الموسم و یقول یا اهل مكة لا تتخذوا البيوتكم ابوابا لیازل البادی حیث شاء
ثم یبتلوا الآية ، فلیحفظ -

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وارضها) جزم به فی الكنز و هو قولهما
واحدی الروایتین عن الامام ، لانها مملوكة لاهلها لظهور آثار الملك فیها و هو
الاختصاص بها شرعا و تمامه فی المنح و غیرها (قوله و قد مر فی الشفعة) و مر ایضا
ان الفتوى علی وجوب الشفعة فی دور مكة و هو دلیل علی ملكیة ارضها كما مر بیانہ
(قوله قال ابو حنیفة) اقول فی غایة البیان ما یدل علی انه قولهما ایضا حین نقل
عن تقریب الامام الکونین ما نصه : و روی هشام عن ابی یوسف عن ابی حنیفة رحمہما اللہ
تعالیٰ انه كره اجارة بیوت مكة فی الموسم و رخص فی غیره و كذا قال ابو یوسف رحمہ اللہ
تعالیٰ و قال هشام اخبرنی محمد عن ابی حنیفة رحمہما اللہ تعالیٰ انه كان یكره كراء بیوت
مكة فی الموسم و یقول لهم ان ینزلوا علیهم فی دورهم اذا كان فیها فضل وان لم
یکن فلا و هو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اه فافاد ان الكراهة فی الاجارة وفاقية و
كذا قال فی الدر المنقی صرحوا بکراهتها من غیر ذکر خلافه اه (قوله و به ینظر الفرق)
ای بحمل الكراهة علی ايام الموسم ینظر الفرق بین جواز البیع دون الاجارة و هو جواب
عمای فی الشر نیلا لیتة حیث نقل کراهة اجارة ارضها عن الزیلعی و کافی و الهدایة
ثم قال فلینظر الفرق بین جواز البیع و بین عدم جواز الاجارة اه و حاصله ان کراهة الاجارة
لحاجة اهل الموسم (قوله و التوفیق) بین ما فی النوازل و ما فی الزیلعی و غیره بحمل الكراهة
علی ايام الموسم و عدمها علی غیرها (د المختار ص ۲۸ ج ۵) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۱۲۰۰ھ

نوٹ سے سونے اور چاندی کی بیع :

سوال : آجکل کے مروجہ نوٹ اور سکہ جو حکومت کی طرف سے رائج ہیں، جن کے ساتھ لوگ بیع و شرا اور لین دین کرتے ہیں، کیا یہ سونے چاندی دونوں یا صرف سونے یا صرف چاندی کے حکم میں ہیں، کیا ان کے ساتھ سونے اور چاندی کی بیع بالفضل والنسیئة یا صرف بالفضل یا صرف بالنسیئة جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

راج نوٹ اور سکے سونے، چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہذا ان سے بیع ذہب و فضہ بہر کیف جائز ہے، تفاضل و نسیئة بھی جائز ہے، البتہ حرمت ربوا بصورت تبادل بالجنس واقع ہوگی اور فرضیت زکوٰۃ میں یہ سکہ بحکم فضہ ہے۔
كما قالوا في الفلوس الرائجة - والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۷ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

قیمت میں رعایت بذریعہ قرعہ :

سوال : آجکل ایک موٹر سائیکل کمپنی اپنی مشہوری کے لئے ایک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے کہ اقساط پر موٹر سائیکلیں فروخت کر رہی ہے، اکیس اقساط مقرر کی گئیں اور ہر قسط پانچ سو پچاس روپے ماہوار ادا کرنا ہوتی ہے، اگر اقساط پوری کرنے سے پہلے درمیان میں کسی خریدار کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا (ہر ماہ قرعہ اندازی ہوتی ہے) تو موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور بقیہ تمام اقساط معاف کر دی جاتی ہیں، اگر بیس ماہ تک قرعہ اندازی میں خریدار کا نام نہ نکلے تو اکیس ماہ کے بعد موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور یہ اکیس اقساط کی رقم موٹر سائیکل کی وہ قیمت ہے جو مارکیٹ میں چل رہی ہے، زیادہ نہیں، خرید و فروخت کا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

یہ قیمت میں کمپنی کی طرف سے رعایت ہے اور کس خریدار کو رعایت دی جائے اس کا انتخاب وہ بذریعہ قرعہ اندازی کرتی ہے، اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں، لہذا یہ خرید و فروخت جائز ہے۔
والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۶ رذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

باب البیع الفاسد والباطل

بیع فاسد میں مبیع ہلاک ہوگئی:

سوال: بیع فاسد میں اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

بائع مشتری سے ذوات القیم میں یوم القبض کی قیمت اور ذوات الامثال میں اس کی مثل لیکر مشتری کو ثمن واپس کرے۔

قال فی جامع الفصولین: ثم المبیع فاسدا تضمن قیمته یوم قبضه لو قیمیا ومثله لو مثلیا لضمانه بقبضه (جامع الفصولین ص ۴۹ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

قسطوں پر خرید و فروخت:

سوال: مشین، ریڈیو یا پنکھا وغیرہ دکاندار سے قسطوں پر خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لینے والے کو اس میں آسانی ہے مگر قسطوں پر ادھار لینے میں نقد لینے سے کچھ زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں سابقہ اقساط ضبط کر کے مبیع واپس لے لی جائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا جائز ہے، مگر تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کی واپسی اور ادا کردہ اقساط ضبط کرنے کی شرط فاسد ہے اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الاول سنہ ۸۷ھ

بیع بالشرط:

سوال: زید نے بکر کو ایک بھینس فروخت کی اس شرط پر کہ اسکا دودھ میں ہی خریدتا رہوں گا، اب اس کا دودھ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر بھینس کی بیع اسی شرط پر موقوف تھی کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول کرتا تو بائع بیع پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہو گئی جس سے توبہ واستغفار اور اس بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، البتہ اگر صرف مشورہ اور وعدہ کے طور پر یہ شرط لگائی بیع کو اس پر موقوف نہیں رکھا تو یہ بیع صحیح ہو گئی دودھ کا لین دین جائز ہے، بجز اس کا پابند نہیں کہ زید کو ہی دودھ فروخت کرے، ہاں اخلاقاً اسے یہ وعدہ پورا کرنا چاہیے۔

قال فی التئور : ولا بیع بشرط۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا القول : ثم ذکر فی البحرانہ لو اخرجہ مخرج الوعد لم یفسد وصورتہ کما فی الولوالجیۃ قال اشترحتی ابی الحوائط اھ (رد المحتار ص ۱۳۵ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ رجب سنہ ۸۷ھ

بونس واؤچر کی بیع جائز نہیں :

سوال : مال برآمد کنندہ حکومت کے پاس برآمد کا ثبوت پیش کرتا ہے جس پر حکومت اسے بونس (منافع) کے نام سے کچھ انعام دیتی ہے مگر انعام کی رقم نقد نہیں دی جاتی بلکہ اس کی رسید دی جاتی ہے، جسے بونس واؤچر کہا جاتا ہے، برآمد کنندہ اسے بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے مثلاً ایک سو روپے کا بونس واؤچر تقریباً دو سو روپے میں، چونکہ حکومت نے بعض اشیاء کی درآمد کی اجازت بونس واؤچر کی خرید پر موقوف کر دی ہے اس لئے بازار میں بونس واؤچر کی قیمت زیادہ ہے، کیا شرعاً اس طرح بونس واؤچر کی خرید و فروخت جائز ہے؟ بیہذا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

برآمد کنندہ قبل القبض اس رقم کا مالک نہیں اس لئے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، نیز بونس واؤچر کی اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۴ شوال سنہ ۸۸ھ

گوبر اور پاخانہ کی بیع :

سوال : کیا گوبر اور پاخانہ کی بیع کا ایک ہی حکم ہے ؟ یعنی دونوں کی بیع جائز ہے یا ناجائز ؟ نجس ہونے میں تو دونوں برابر ہیں ، اس لحاظ سے حکم بھی ایک ہی ہونا چاہیے ۔
ببینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

گوبر کی بیع جائز ہے اور پاخانہ کی ناجائز الا یہ کہ مٹی سے مخلوط ہوا اور مٹی اس پر غالب ہو ۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پاخانہ بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے اور گوبر میں اختلاف ہے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست غلیظہ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست خفیفہ ہے اگرچہ ترجیح نجاست غلیظہ کے قول کو ہے ۔
دوسرا فرق یہ ہے کہ پاخانہ زیادہ متعفن ہوتا ہے اور گوبر میں تعفن کم ۔
علاوہ ازیں گوبر کے استعمال کی ضرورت ہے ۔

قال فی التئیر و شرحہ : وبطل بیع قن فہم الی حر و ذکیۃ ضمت الی میتۃ ماتت حتف انفہا (الی قولہ) ورجیع آدمی لم یغلب علیہ التراب فلو مغلوبا بہ جاز کسر قین و بحر (رد المحتار ص ۱۱۶ ج ۴) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۔
۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۹ھ

پنشن بیچنا جائز نہیں :

سوال : میں پاکستان نیوی کا ریٹائرڈ چیف پی آئی اے آفیسر ہوں ، گورنمنٹ مجھے ایک سو بیالیس روپے ماہوار پنشن دیتی ہے ، حکومت نے ایک سہولت دے رکھی ہے کہ اگر کوئی ریٹائرڈ ملازم اپنی پنشن حکومت کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کو نصف پنشن یکمشت دیدی جاتی ہے ، عرض ہے کہ شریعت کی رو سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟ ببینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنشن ایک قسم کا انعام ہے ، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو وہ اسکا مالک نہیں بنتا ، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت

میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۹۴ھ

دم مسفوح کی بیع و شرار حرام ہے :

سوال : حلال جانوروں کا وہ خون جو بوقت ذبح نکلتا ہے اسکی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بلینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال فی التنبیہ و شرحہ : هو مبادلة شیء مرغوب فیہ بمثلہ خرج غیر المرغوب کتراب و میتة و دم (رد المحتار ص ۴ ج ۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
۲۹ رجب سنہ ۱۲۹۵ھ

حکم ثمن خمر :

سوال : زید کافی مقروض تھا مگر اس کے پاس سوائے شراب کے کوئی چیز نہ تھی، لہذا اس نے شراب فروخت کر کے لوگوں کا قرض ادا کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس رقم سے اپنا قرض وصول کیا ہے یہ ان کے حق میں جائز ہے یا نہیں؟ بلینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع خمر باطل ہے، اس کا ثمن واجب الرد ہے بائع اور قرضخواہ پر حرام ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

عقد سلم میں قبل القبض رأس المال یا مبیع میں تصرف کرنا :

سوال : زید نے بکر سے پچاس من کیاس بین روپے فی من کے حساب سے خریدی اور کہا فصل پر جب کیاس اترے گی تو وصول کر لے گا، بکر نے بھی اقرار کر لیا، ابھی فصل آنے میں دو ماہ باقی ہیں، بیس روپے فی من کے حساب سے

پچاس من کی رقم زید نے ادا کر دی، سوال یہ ہے کہ اب اگر زید یہی کپاس عمر و کو بیس روپے من کے حساب سے فروخت کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید و بکر کے درمیان جو بیع سلم ہوئی وہ جائز ہے یا نہیں؟ بیینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ وقت عقد سے وقت محل تک مسلم فیہ بازار میں موجود رہے لہذا اگر کپاس دو ماہ تک بازار میں دستیاب ہو تو یہ بیع جائز ہے ورنہ ناجائز۔ قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا يجوز السلم حتی یكون المسلم فیہ موجودا من حیث العقد الی حیث المحل حتی لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذلك لا يجوز۔

(ہدایہ ص ۹۳ ج ۳)

عقد سلم میں قبل القبض رأس المال یا مسلم فیہ میں کوئی تصرف جائز نہیں، لہذا زید کا فروخت کرنا ناجائز ہے۔

قال فی التنبیر و شرحہ: ولا يجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لب المسلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ (دالمختار ص ۲۳۳ ج ۲)

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

ماہی گیر کا پیشگی رقم لینا:

سوال: ایک ماہی گیر نے خالد سے اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے کہ آئندہ موسم سرما میں (جو مچھلی کے شکار کا موسم ہوتا ہے) رواج کے مطابق سو روپے کی مچھلی ساٹھ روپے فی صد کے حساب سے دیگا جو عام لوگوں کو انٹی روپے فی صد کے حساب سے دیتا ہے۔

یا اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے کہ سردی کے موسم میں ایک سو چالیس روپے کی مچھلی دیگا جو عام نرخ سے سو روپے کی آتی ہے کیا یہ جائز ہے؟ بیینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع سلم ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

۱۸ رمضان سنہ ۸۸ھ

زیادہ قیمت پر مبیع واپس کرنے کی شرط :

سوال : بکر کو کچھ روپے کی ضرورت پڑی تو عمرو سے کہا کہ یہ ایک تولہ سونا دو سو روپے میں مجھ سے خرید لو، تین ماہ کے بعد یہی سونا دو سو چالیس روپے میں میں تم سے خرید لوں گا۔

عمرو نے اپنی منفعت دیکھ کر منظور کر لیا اور تین ماہ کے بعد یہی ایک تولہ سونا دو سو چالیس روپے میں پھر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا، کیا اس صورت میں یہ چالیس روپے کی زیادتی جائز ہوگی یا نہیں؟ بیسوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

یہ صریح ربوا ہے، بیع بالوفار میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں ثمن میں زیادتی نہیں ہوتی، نیز رد مبیع کی شرط بھی مجلس بیع میں نہیں ہوتی بلکہ بعد میں ہوتی ہے، لہذا اس بیع فاسد میں بغیر کسی کمی بیشی کے ثمن مبیع کا رد واجب ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۸/ رمضان سنہ ۱۴۸۸ھ

بیع سلم میں کل ثمن مجلس عقد میں دینا شرط ہے :

سوال : بکر زید کو تیل فروخت کرنا چاہتا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ نرخ اور تاریخ طے کرنے کے بعد بکر کچھ بیعانہ وصول کریگا، بعد ازاں ایک ماہ کا وقفہ کر کے وہ زید کو تیل فراہم کریگا جو ابھی اس کی تحویل میں نہیں ہے، یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

بیسوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع سلم ہے جس میں کل قیمت مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۸/ صفر سنہ ۱۴۹۳ھ

بیرون ملک سے بذریعہ بنک خریدنا :

سوال : آجکل بیرونی ممالک سے مال منگانے کی صورت میں خریدار مال کی قیمت بنک کے ذریعہ ادا کرتا ہے، مثلاً کراچی کا ایک تاجر جاپان کے ایک تاجر سے کچھ مال منگاتا ہے تو جاپان کا تاجر کراچی کے تاجر سے کہے گا کہ تم اپنے کسی مقامی

بنک کے ذریعہ میرے حق میں ایک لیٹر آف کریڈٹ کھول دو، کراچی کا بینک اپنی جاپان کی شاخ کو اس لیٹر آف کریڈٹ کے ذریعہ ہدایت کر دیگا کہ وہ جاپان کے تاجر سے مال کے جہاز سے روانہ کرنے کے متعلق ضروری کاغذات وصول کر کے اس کو مال کی قیمت ادا کر دے۔

علاوہ ازیں جو مال باہر کے ملکوں سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے انوائس (بیجک جس پر مال کی تفصیل اور قیمت وغیرہ درج ہوتی ہے) کی ایک نقل خریدار کو بھیج دی جاتی ہے، بعض اوقات مال آنے سے پہلے ہی صرف بیجک کے ذریعہ اصل خریدار دوسرے خریدار کو اور دوسرے تیسرے کو نفع لے کر مال فروخت کر دیتا ہے، حالانکہ مال سامنے موجود نہیں ہوتا۔

کیا اس طرح بنک کے ذریعہ قیمت ادا کرنا اور باہر کا مال سامنے نہ ہونے کی صورت میں یہاں کے خریدار کا مال خریدنا اور پھر محض بیجک دکھا کر اس مال کو دوسرے دوکاندار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؟

نیز یہ کہ چھوٹے دوکاندار جو ان بڑے دوکانداروں سے مال نقد یا قرض خرید کر اپنی دوکانوں وغیرہ پر فروخت کرتے ہیں ان کے کاروبار میں تو کوئی خرابی نہیں آتی۔

ببینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

بنک خریدار کا وکیل ہے، لہذا مال کے جاپانی شاخ کے قبضہ میں آ جانے کے بعد اس کی بیع جائز ہے، فان قبض الوکیل قبض الموکل۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۸ھ

مال پہنچنے سے قبل اس کی بیع :

سوال : ایک تاجر مال باہر سے منگواتا ہے اور مال پہنچنے سے پہلے ہی منافع پر فروخت کر دیتا ہے، یہ منافع اسکے لئے حلال ہیں یا نہیں؟ مال پیشگی فروخت کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسے خوف لاحق ہے کہ مال پہنچنے کے بعد کہیں خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

مال پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع جائز نہیں، لہذا یہ منافع بھی حلال نہیں،

اس کی تصحیح کی دو صورتیں ہیں :

① جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے۔

② مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلائی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبض شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

قال فی الہندیۃ : اذا قال المشتري للبائع ابعت الی ابنی واستأجر البائع رجلاً یحملہ الی ابنہ فہذا الیس قبض والا جرع علی البائع الا ان یقول استأجر من یحملہ فقبض الاجیر یمکن قبض المشتري ان صدقہ انہ استأجر ودفع الیہ وان انکر استیجارہ والدفع الیہ فالقول قولہ کذا فی التتارخانیۃ (عالمگیریہ ص ۱۹) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۶ھ

تجارتی اجازت نامہ کی بیع :

سوال : حکومت کی طرف سے بعض لوگ بیرونی ممالک سے تجارتی مال لانے کا اجازت نامہ حاصل کرتے ہیں، ایک فارم ملجاتا ہے جس پر کبھی لاکھوں روپے کا مال لانے کی اجازت ملتی ہے اور کبھی ہزاروں کا۔ اب جس کو مال لانے کی استطاعت نہیں ہے یا وہ خود لانا نہیں چاہتا ہے تو وہ اجازت نامہ کا فارم فروخت کر دیتا ہے، صرف نفس فارم پر کئی ہزار روپے کماتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

بیع کے لئے بیع کامل ہونا شرط ہے، اجازت نامہ مال نہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم - ۲۵ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۲ھ

جہالت ثمن مفسد بیع ہے :

سوال : اگر ناشر کتب فروش سے کہے کہ مثلاً ایک سیکڑہ کتابیں خریدو گے تو تینتیس فیصد اور کم از کم ایک درجن خریدو گے تو پچیس فیصد کمیشن ملے گا، پھر کتب فروش کہے کہ آپ ہمیں تھوڑی تھوڑی کتابیں دیتے رہیں اور دام کمشت یا بالاقساط لیتے رہیں، جب ایک سیکڑہ کی تعداد خریدی جا چکے تو اس کا کمیشن دیکر لین دین مکمل کر لیں خریداری کی مدت بھی مقرر کر دی جائے مثلاً تین ماہ تک یا سال بھر تک، پھر اگر کتب فروش نے مقررہ مدت میں پورا سیکڑہ نہ خریدا تو درجن کے نرخ سے کمیشن کاٹ کر حساب کر لیا جائے اور پورا سیکڑہ خریدا تو پورا کمیشن دے دیا جائے یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا؟ بدینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

جہالت ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الامام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ : واما البطلان فیما اذا قال بعثک بالفاء حالاً وبالفیہ الی سئۃ فلجہالۃ الثمن (فتح القدیر ص ۵۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۳ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا جائز نہیں :

سوال : اسمگلنگ کا سامان حکومت ضبط کر کے نیلام کرتی ہے جس میں خور و نوش کی چیزیں اور پوشاک وغیرہ سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح نہروں اور تالابوں سے حاصل کردہ مچھلیاں اور ہوائی پرندے جن کو ممانعت کے باوجود شکار کیا جاتا ہے حکومت چھین کر نیلام کرتی ہے، ان تمام چیزوں کو خریدنا اور استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بدینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

ملک غیر ہونے کی وجہ سے ایسے سامان کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۱۵ھ

زندگی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا :

سوال : زندگی کو اپنی اشیاء مثلاً کپڑا، دودھ، مٹھائی وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی کمائی حرام کی ہو، اور اگر اشیاء نہ دینے پر فساد کا اندیشہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ولیہم الصواب

جائز نہیں، ناقابل تحمل فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے قیمت لیکر صدقہ کر دی جائے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۰۵ھ

پگڑی لینا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص کے پاس کچھ زمین ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں آپ کے پلاٹ پر مکان تعمیر کرتا ہوں اور تمام کمروں کی پگڑی خود لوں گا، پھر مکان آپ کو دیدوں گا، کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ کرایہ مالک زمین وصول کرے اور پگڑی کی رقم دوسرا شخص؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ولیہم الصواب

پگڑی دینا لینا جائز ہے۔

قال العلامة المحقق رحمہ اللہ تعالیٰ : وفي الاشياء لا يجوز الاعتياض

عن الحقوق المجردة كحق الشفعة (رد المحتار ص ۴ ج ۲)

اس کی تفصیل رسالہ ”ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار“ میں ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۶ھ

حق سکنی و تصنیف وغیرہ کی بیع جائز نہیں :

سوال : علماء حضرات کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں :

① شامیہ میں نزول عن الوظائف کی اجازت دی ہے اور اس کو قیاس

کیا ہے ایک دوسرے مسئلہ پر، پھر ایک اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالتاً ثابت

ہوں دفع ضرر کے لئے نہ ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے، جیسے قصاص، حق الرق،

حق النکاح۔ اور جو حقوق دفع ضرر کیلئے ہوں انکا عوض لینا جائز نہیں، جیسے حق شفعہ، حق قسمت زوجات وغیرہ۔

فی الرد : وقد استخرج شیخ مشایخنا نور اللہ بن علی المقدسی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك في شرحه عن نظم الكنز من فرع في مبسوط السرخسي هو ان العبد الموصى برقبته لشخص ويخدمه لآخر لو قطع طرفه او شجج موضحة فادى الارش فان كانت الجناية تنقص الخدمة يشتري به عبد اخر يجده او يضم اليه ثمن العبد بعد بيعه فيشتري به عبد يقوم مقام الاول فان اختلفا في بيعه لم يبع وان اختلفا على قسمة الارش بينهما نصفين فلها ذلك ولا يكون ما يستوفيه الموصى له بالخدمة من الارش بدل الخدمة لانه لا يملك الاعتياض عنها ولكنها اسقاط لحقه به كما لو صالح موصى له بالرقبة على مال دفعه للموصى له بالخدمة يسلم العبد له اه قال فرما يشهد هذا للنزول عن الوظائف بما اه قال الحموي فليحفظ هذا فانه نفيس جدا اه وفيه حاسله ان ثبوت حق الشفعة للشفيع وحق القسم للزوجة فانه يمنع جواز اخذ العوض هنا ثم قال ولقائل ان يقول هذا حق جعله الشرع لدفع الضرر وذلك حق فيه صلة واجامع بينهما فافتراق (ص ۱۶) اس اصول کو شرح المجلة میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض لوگوں نے الحاق کیا ہے۔

ومنهم من استند في ذلك الى الحاقه بنظائره المنصوص على جواز اخذ البديل فيها كحق القصاص وحق النكاح وحق الرق فانه قد جاز اخذ البديل فيها مع انها حقوق فالحق بها النزول عن الوظائف ومثلها (ص ۱۲ ج ۲) کیا آج نزول عن الوظائف کا عوض لینے کی اجازت ہے؟ شامی کی عبارت پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عمل نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجوہ ہیں؟ پھر شامی نے جو اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالتہ ثابت ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے اور جو حقوق دفع ضرر کے لئے ہوں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے، آج ہم اس اصول کو لے کر پگڑی اور حق تصنیف یعنی موجودہ مسائل پر جاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں

کر سکتے تو اس کی کیا وجہ ہیں؟

(۲) شرح المجلد میں جو الحاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیا آج دوسرے حقوق حق تصنیف، حق سکنی وغیرہ کو بھی حق القصاص، حق الزکاح و حق الرق سے الحاق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہیں؟

(۳) حق المرور کی بیع میں اختلاف ہے لیکن عام مشایخ نے اس کی بیع کی اجازت دی ہے، اس کو حکماً مال بتایا ہے اور ایک اصولی بات بھی بتادی:

فی الهدایۃ و وجہ الفرق بین حق المرور و حق التعلی علی احدی الروایتین ان حق التعلی یتعلق بعین لا یتقی و هو البناء فاشبه المناضع اما حق المرور یتعلق بعین یتقی و هو الارض فاشبه الاعیان -

یہ اصول نکلا کہ جو حقوق ایسے عین کے ساتھ متعلق ہوں جو کہ باقی رہیں ان حقوق کی بیع جائز ہے جبکہ دوسری کوئی شرعی قباحت نہ ہو، کیا اس اصول کو لیکر آج کے مسائل حق تصنیف، پگڑی وغیرہ پر جاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

حق سکنی و حق تصنیف کی مروج بیع جائز نہیں، اس لئے کہ مصنف کا کوئی مخصوص حق ہے ہی نہیں، ہاں صرف مسودہ اس کی ملک ہے اس کو بیچ سکتا ہے۔ سکنی میں یہ تفصیل ہے کہ مالک جب مکان یا دوکان کرایہ پر دے رہا ہے تو اس کا حق سکنی ختم ہو گیا اسی طرح ایک کرایہ دار دوسرے کو کرایہ پر دے تو پہلے کرایہ دار کا حق سکنی باطل ہو گیا۔

علاوہ ازیں مدت اجارہ معین ہونے کی صورت میں اس کے اختتام پر اور عدم تعیین کی صورت میں ہر ماہ کی انتہاء پر عقد اجارہ ختم ہو جاتا ہے، لہذا کرایہ دار کا حق سکنی باقی نہ رہا۔

(تفصیل کتاب جاریہ میں سالہ ارشاد اولی البصار اور تہذیب میں رسالہ القول المصدق میں ہے) ۲۶ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مباح الاصل لکڑی کی بیع :

سوال : کسی نے دوسرے شخص سے کہا کہ یہ ایک سو روپے لے لو اور میرے لئے پانچ گھڑ لکڑی لاؤ، ہر گھڑ کے بنیں روپے ہیں، چنانچہ وہ پہاڑ پر جا کر لکڑیاں جمع کرتا ہے اور پانچ گھڑ اسے مہیا کر دیتا ہے، کیا یہ بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، لکون المبیع غیر مملوک للبائع ولجھالة قدر المبیع۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۰ شعبان سنہ ۹۸ھ

مذاہب باطلہ کی کتب بیچنا جائز نہیں :

سوال : بندہ چھوٹی موٹی دینی کتابیں فروخت کرتا ہے، کچھ خریدار تقاضا کرتے ہیں کہ احمد رضا خان کا مترجم قرآن شریف، ہمیں لادیں بحالانکہ اس میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے حق میں گستاخانہ کلمات بلکہ غلط عقائد و نظریات بھی موجود ہیں، اور بھی کئی خامیاں ہیں، غالباً وہ آں محترم کے مطالعہ میں بھی آیا ہوگا، کیا ایسی فرمائش پوری کرنا میرے لئے جائز ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

بیع بشرط اقالہ فاسد ہے :

سوال : میں نے گل زریں سے دس ہزار میں رکشا خریدا اور قیمت اس کو ادا کر دی، بعد میں میں نے وہی رکشا گل زریں کو پندرہ ہزار میں بیچ دیا۔ قسط آٹھ سو روپے ماہانہ طے پائی، لیکن خریدتے وقت میں نے رکشا پر قبضہ نہیں کیا تھا حالانکہ بائع قبضہ دینے سے منکر نہیں تھا، لیکن معاملہ اس شرط پر ہوا کہ بائع نے کہا رکشا خرید کر مجھے ہی پندرہ ہزار میں بیچ دو۔ اس بیع کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے :

- ① بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں توبہ کریں۔
- ② اس بیع کو ثمن اول پر فسخ کریں، یعنی آپ نے جو پانچ ہزار روپے زائد وصول کئے ہیں واپس کر دیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ سوال سنہ ۹۹ھ

بیع میں یہ شرط لگائی کہ ثمن نہیں دیکھا تو بیع نہیں ہوگی :

سوال : بوقت بیع بائع نے یہ شرط لگائی کہ مدت متعین تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہوگی اس کا کیا حکم ہے؟ آیا اس شرط سے بیع فاسد ہوگی یا نہیں؟ اگر مشتری نے مدت متعین تک ثمن ادا نہ کیا تو بائع کو فسخ بیع کو حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین دن یا اس سے کم کی شرط جائز ہے، تین دن سے زائد کی شرط لگانے میں خلافت ہے۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مفسد عقد ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین دن سے زائد کی شرط بھی جائز ہے بشرطیکہ مدت متعین ہو، اگر مدت متعین تک مشتری نے ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہو جائے گی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول میں اضطراب ہے۔

قال فی شرح التنویر: فان اشتری شخص شیئاً علی انہ ای مشتری ان لم یقصد ثمنہ الی ثلاثۃ ایام فلا بیع صح استحساناً (الی قولہ) وان اشتری كذلك الی اربعة ایام لا یصح خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فان نقد فی الثلاثۃ جاز اتفاقاً۔

وفی الشامیۃ: (قوله خلافاً لمحمد) فانه جوزہ الی ما سميہ (رد المحتار ص ۵۲) وفی الہندیۃ: اذا باع علی انہ ان لم یقصد الثمن الی ثلاثۃ ایام فلا بیع بینہما فالبیع جائز وكذا الشرط هكذا ذكر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاصل وهذه المسألة علی وجہ امان ان لم یبین الوقت اصلاً بان قال علی انك ان لم تنقد الثمن فلا بیع بیننا و بین وقتاً مجهولاً بان قال علی انك ان لم تنقد الثمن ایاماً وفی

ہذین الوجهین العقد فاسد وان بین وقتا معلوماً ان کان ذلك الوقت مقدراً
بثلاثة ايام اودون ذلك فالعقد جائز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالى وان
بین المدة أكثر من ثلاثة ايام قال الوحيفة رحمه الله تعالى البیع فاسد وقال
محمد رحمه الله تعالى البیع جائز کذا فی المحيط (عالمگیریہ ص ۳۹ ج ۳)

وقال ابن نجیم رحمه الله تعالى : (قوله ولو باع على انه ان لم ينقد الثمن الى
ثلاثة ايام فلا بيع صح والى اربعة لا) ای لا یصح یعنی عندهما وقال محمد رحمه الله
تعالى يجوز الى ما سمیاه والاصل فيه ان هذا فی معنى اشتراط الخيار اذا الحاجة
مست الى الانفساخ عند عدم التقيد تحريراً عن الماطلة فی الفسخ فيكون ملحقاً
به (الى قوله) وما ذكره من ان ابا يوسف رحمه الله تعالى مع الامام رحمه الله تعالى
قوله الاول وقد رجع عنه والذي رجع اليه انه مع محمد رحمه الله تعالى كذا فی
غاية البيان وفي شرح المجمع الاصح انه مع ابی حنيفة رحمه الله تعالى وكثير من
المشايخ حكموا على قوله بالاضطراب وظاهر هذا الشرطان المشتري ان لم
ينقد الثمن فی المدة فان البیع یفسخ لقوله فلا یبع بينهما ولذا قال فی المحيط
ویفسخ البیع ان لم ينقد (البحر الرائق ص ۶ ج ۶)

آجکل فقدان دیانت کی وجہ سے قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق عمل کی گنجائش ہے
بالخصوص جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول بھی اس کا مؤید ہے لہذا مشتری
نے متعین مدت تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہو جائے گی بلکہ بدون شرط بھی جب مشتری
سے ثمن وصول کرنا متعذر ہو جائے تو بائع کو فسخ بیع کا حق ہے۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله تعالى لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري
فات رضاء البائع فیسئد بفسخه (هدایة ص ۱۴ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۶ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

حکومت کی طرف سے الاٹ شدہ زمین کا حکم :

سوال : آجکل جو زمینیں زرعی اصلاحات کے تحت حکومت پاکستان زمینداروں
اور کسانوں کو اقساط پر الاٹ کر رہی ہے، جس کی مقررہ قسطیں بیس سال میں ختم ہونگی،
تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد زمیندار زمین کا مالک بنے گا، اس سے پہلے اسکو صرف

آباد کرنے کا حق ہوگا، بیچنے یا سبہ وغیرہ کرنے کا حق حاصل نہیں، لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ تمام قسطنطین ادا کرنے سے پہلے ہی زربانی یا جعلی دستاویزات کے ذریعہ ایسی زمینوں کی بیع و شراء ہو رہی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ اور اس بیع کی وجہ سے مشتری بعد القبض زمین کا مالک بنے گا یا نہیں؟ اور بائع رقم وصول کرنے کے چند سال بعد اپنے نام پر الاٹ ہونے کی بناء پر مشتری سے زمین واپس لے سکتا ہے یا نہیں، اور ایسی زمین میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع بالشروط ہونے کی وجہ سے فاسد ہے اور قبض مشتری کی وجہ سے اس کی ملک ہے اور بیع ثانی صحیح ہے، مشتری ثانی کی رضا کے بغیر اس کی واپسی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

شیعہ، قادیانی وغیرہ زنادقہ سے بیع و شراء و دیگر معاملات جائز نہیں :

سوال : شیعہ اور قادیانیوں کے ساتھ تجارت میں اشتراک اور خرید و فروخت

جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ اور قادیانی زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ تجارت میں اشتراک، بیع و شراء اور اجارہ و استجارہ وغیرہ کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں۔

ہر وہ شخص جو عقائد کفریہ کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کو اسلام قرار دیتا ہو اس کو اصطلاح شرع میں ”زندیق“ کہا جاتا ہے، جیسے شیعہ، قادیانی، آغا خانی، ذکری، پر دیزی اور نجمی داران وغیرہ، ان سب کا یہی حکم ہے کہ ان سے کسی قسم کا بھی لین دین اور کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔

واللہ هو العاصم من الکفر فی الاسلام۔

۷ رذی الحجہ سنہ ۱۴۱۲ھ

ان زنادقہ کے احکام جلد اول کتاب الایمان والعقائد اور جلد ششم باب المرتد والبنغاة میں

بھی ہیں اور زیادہ تفصیل کتاب المحظور والاباحۃ میں۔



وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ يَجْزِيهِمُ
 اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (القرآن)

القول المبرهن

في

كراهة بيع الراديو والستورن

ریڈیو اور ٹیلیویشن کی خرید و فروخت

اور

مرمت کے عدم جواز پر مفصل و مدلل تحریر

القول المبرهن

○ ریڈیو اور ٹیلیویشن کی بیع اور مرمت

○ بیع الجارية المغنبة والكباش النطوح

والديك المقاتلة والحمامة الطيارة

○ بیع الامرد من اللوطى

○ بیع الحديد لاهل الحرب

○ بیع السلاح لاهل الفتنة

○ بیع العصير لمن يتخذ خمرًا

○ اجارة البيت للكنيسة

○ تفسير ما لا تقوم المعصية بعينه



ریڈیو اور ٹیلیوژن کی بیع اور مرمت

سوال : ریڈیو اور ٹیلیوژن کی تجارت اور ان کی مرمت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ریڈیو کی مرمت کے بارے میں ایک فتویٰ ارسال خدمت ہے اس سے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں، بیٹنوا متوجروا

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیع اس مسئلہ کے کہ ریڈیو سازی یعنی ریڈیو کی مرمت کے اس کو سدھارنے کا پیشہ بطور ذریعہ معاش کرنا کیسا ہے؟

الجواب ۶۰۸

فی الہدایۃ ومن کسر لمسلم بربطا وطبلا او من مارا الی قوله فہو ضامن و بیع ہذاہ الاشیاء جائز و ہذا عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف و محمد لا یتضمن ولا یجوز بیعہا الی قوله ولا ابی حنیفۃ انہا اموال لصلاحیتہا لما یجمل من وجوہ الانتفاع وان صلحت لما لا یجمل فصلا کالامۃ المغنیۃ و ہذا لان الفساد بفعل فاعل مختار فلا یوجب سقوط التقوم وجواز البیع و تضمین مرتبان علی المالۃ و التقوم ثم قال و تجب قیمتہا غیر صالحۃ للہو کما فی الجاریۃ المغنیۃ و الکبش النطوح و الحمامۃ الطیارۃ و الدیک المقاتل الخ (آخر کتاب الغصب ص ۳۷۲ ج ۳) و فیہا من اجر بیتا لیتخذ فیہ بیت نار الی قوله او یباع فیہ الخمر بالسواد فلا بأس بہ و ہذا عند ابی حنیفۃ و قال لا ینبغی ان یکرہ بشی من ذلک لانتہا اعانة علی المعصیۃ و لہ ان الاجلۃ ترد علی منفعة البیت و لہذا تجب الاجرۃ بمجرد التسليم و لا معصیۃ فیہ و انما المعصیۃ بفعل المستاجر و ہو مختار فیہ فقطع نسبتہ عنہا فصل فی البیع، روایات مذکورہ کی بنا پر بوجہ اتحاد عدلت ریڈیو کی مرمت بھی مختلف فیہ ہے، امام ابو حنیفہ کے قول پر یہ پیشہ جائز ہے اور صاحبین کے قول پر ممنوع اور ناجائز ہے لہذا اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت معاش کی ممکن ہو تو اس کو اختیار کیا جائے اور اگر ممکن نہیں تو امام ابو حنیفہ کے قول کی بنا پر یہ پیشہ بطور ذریعہ معاش کے اختیار کرنا درست ہے فقط حررہ احقر عبد الغزیز عفی عنہ

جواب صحیح ہے

دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۱۱ رجب ۱۴۰۶ھ

یحییٰ غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۲/۵/۸۶ھ

مظفر حسین المطاہری ۱۴/۵/۸۶ھ

القول المبرہن ۳



الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ ریڈیو اور ٹیلیوژن کی تجارت اور مرمت میں ابتلا عام ہے، نیز بعض علماء اسے جائز بھی بتا رہے ہیں اس لئے بندہ ایک عرصہ سے اس تلاش میں ہے کہ مکتب مذہب میں اس کی کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے، چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں میں نے عامۃ المسلمین کی ہمدردی اور ان کے ابتلاؤں شدید کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر متعدد بار غور کیا اور مختلف مقامات سے عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا بغور مطالعہ کیا، اس لئے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ ان جدید مصنوعات کا صراحتاً ذکر تو عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نہیں مگر ان کی نظائر باب البغاة، کتاب البیوع، کتاب الغصب اور کتاب الخطر والاباحۃ میں ملتی ہیں ان میں سے بقدر ضرورت عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

فی العلانیۃ ویکرہ محرمات بیع السلاح من اهل الفتنۃ ان علم لانہ اعانة علی المعصیۃ وبيع ما يتخذ منه كالحدید ونحوه یکرہ لاهل الحرب لالاهل البغی لعدم تفرغهم لعملة سلاح القرب زوالهم بخلاف اهل الحرب فی یلجئ قلت وافاد کلامهم ان ما قامت المعصیۃ بعینه یکرہ بیعه تحریماً والافتنزه، ہر۔ وفي الشامیۃ (قوله لانہ اعانة علی المعصیۃ) لانہ یقاتل بعینه بخلاف ما لا یقاتل بہ الا بصنعة تحدث فیہ ونظیره کراهۃ بیع المعاز من المعصیۃ تقام بها عینہا ولا یکرہ بیع الخشب المتخذة هی منه وعلی هذا بیع الخمر لا یصح ویصح بیع العنب والفرق فی ذلك کما ذکرنا فتح ومثله فی البحر عن البدائع وکذا فی الزیلعی لکنہ قال بعدہ وکذا لا یکرہ بیع الجارية المغنیۃ والسکبش النطوح والدایک المقاتل والحمامۃ الطیارة لانہ لیس عینہا منکرا وانما المنکر فی استعمالها المحظور اه قلت لکن ہذا الاشیاء تقام المعصیۃ بعینہا لکن لیست ہی المقصود الاصلی منها فان عین الجارية للخدمة مثلاً والغناء عارض فلم تکن عین المنکر بخلاف السلاح فان المقصود الاصلی منه هو المحاربة بہ فکان عینہ منکرا اذا بیع لاهل الفتنۃ فصل المراد بما تقام المعصیۃ بہ ما کان عینہ منکرا بلا عمل صنعة فیہ فخرج نحو الجارية المغنیۃ لانہا لیست عین المنکر ونحو الحدید والعصیر لانہ وان کان یعمل منه عین المنکر لکنہ بصنعة تحدث فلم یکن عینہ وکذا اظهر ان بیع الامر ممن یلوط بہ مثل الجارية المغنیۃ فلیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ خلافاً لما ذکرہ المصنف والشارح

القول المبرہن ————— ۴

في باب الحظر الاباحية ويأتى تمامه قريباً (قوله يكره لاهل الحرب) مقتضى ما نقلناه عن الفتح عدم الكراهة الا ان يقال المنفى كراهة التحريم والمثبت كراهة التنزيه لان الحديد وان لم تقدم المعصية بعينه لكن اذا كان بيعه ممن يعمل سلاحاً كان فيه نوع اعانة تأمل (قوله نهر) عبادة وعرف بهذا انه لا يكره بيعه بالم تقدم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف وما فى بيوع الخانية من انه يكره بيع الامر من فاسق يعلم انه يعصى به مشكك والذى جزم به فى الحظر الاباحية انه لا يكره بيع جارية ممن يأتيتها فى دبرها او بيع الغلام من لوطى وهو الموافق لما مرّ وعندى ان ما فى الخانية محمول على كراهة التنزيه والمنفى هو كراهة التحريم فعلى هذا فيكره فى الكل تنزيهاً وهو الذى اليه تطمئن النفس لانه تسبب فى الاعانة ولم ار من تعرض لهذا والله تعالى الموفق اهـ (رد المحتار باب البغاة ص ٣٢٣ ج ٢)

وقال الرافعى رحمه الله تعالى (قوله لانه تسبب فى الاعانة ولم ار من تعرض لهذا) قال الحموى وفيه تأمل وكأنه ميل منه الى ان ما فى لخانية محمول على كراهة التحريم لان التسبب بهذه الافعال فظيع قريب من الحرام فلا يكون خلاف الاولى اهـ (التحرير المختار ص ٦٤ ج ٢) ثم ذكرها حرر ابن عابد بن رحمه الله تعالى فى الحظر الاباحية من رد هذا التوفيق وسند كره ان شاء الله تعالى -

وفى بيوع العلائية من عادة شراء المردان يجبر على بيعه دفعا للفساد فغيره، وفى الشامية عبارة النهر عن المحيط للفاستق المسلم اذا اشترى عبداً امرد وكان من سادته اتناغ المرد اجبر على بيعه دفعا للفساد اهـ وعن هذا افتى المولى ابوالسعود بانه (تسمه دعواه على امرد وبه افتى الخير الرولى والمصنف ايضا) (رد المحتار ص ٢٢٧ ج ٢) وفى غصب التنوير ضمنه مكسر معترف صالحا لغير الله وباراقة سكر ومنصف وصح بيعها كالامة المغنية ومحوها موقول الشارح محض (قوله وصح بيعها) كلها وقال لا يضمن ولا يصح بيعها وعليه الفتوى ملتقى ودرر زيلعى وغيرها واقره المصنف (رد المحتار ص ١٢٩ ج ٥)

وفى حظر العلائية وجاز بيع عصير عنب من يعلم انه يتخذة خمر لان المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره وقيل يكره لاعانة على المعصية (الى قوله) بخلاف بيع امرد

ممن يلو ط به وبيع سلاح من اهل الفتنة لان المعصية تقوم بعينه ثم الكراهة في مسألة الامر
 مصرح بها في بيع الخانية وغيرها واعتقده المصنف على خلاف ما في الزيلعي والعيني وان
 اقره المصنف في باب البغاة قلت وقد مناشئة معزيا للنهران ما قامت المعصية بعينه
 بكرة بيعه تحريما والا فتزيتها فليحفظ توفيقا، وفي الشامية (قوله لا تقوم
 بعينه) يؤخذ منه ان المراد بما لا تقوم المعصية بعينه ما يحدث له بعد البيع وصف آخر
 يكون فيه قيام المعصية وان ما تقوم المعصية بعينه ما توجد فيه على وصفه الموجود حلة
 البيع كالامر والسلاح ويأتي تمام الكلام عليه (قوله على خلاف ما في الزيلعي والعيني) و
 مثله في النهاية والكفاية عن اجازات الامام الشري، وقال تحت (قوله معزيا للنهران)
 وفي حاشية الشلبى على المحيط اشترى المسلم الفاسق عبدا امرم وكان ممن يعتاد اتين
 الامر يجبر على بيعه (قوله فليحفظ توفيقا) بان يحمل ما في الخانية من اثبت الكراهة على
 التنزيه وما في الزيلعي وغيره من نفيها على التحريم فلا مخالفة واقول هذا التوفيق غير
 ظاهر لانه قد ام ان الامر مما تقوم المعصية بعينه وعلى مقتضى ما ذكره هنا يتعين ان
 تكون الكراهة فيه للتحريم فلا يصح حمل كلام الزيلعي وغيره على التنزيه وانما مبني كلام
 الزيلعي وغيره على ان الامر ليس مما تقوم المعصية بعينه كما يظهر من عبارة قريباً عند
 قوله وجاز اجارة بيت،

وفي التنوير وجاز اجارة بيت بسواد الكوفة لا بغيرها على الاصح ليتخذ بيت نار
 او كنيسة او بيعة او بيع في الخماء وفي الشرح وقال لا ينبغي ذلك لانه اعانة على
 المعصية وبه قالت الثلاثة زيلعي - وفي الحاشية (قوله وجاز اجارة بيت الخ) هذا عند
 ايضا لان الاجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الاجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه
 وانما المعصية بفعل المستأجر وهو فختار فينقطع نسبه عنه فصل كبيع الجارية ممن لا
 يستبرئها او ياتيها من دبر وبيع الغلام من لوطى والدليل عليه انه لو اجره للسكنى جاز
 وهو لا بد له من عبادته فيه اه زيلعي وعيني ومثله في النهاية والكفاية قال في المنح
 وهو صريح في جواز بيع الغلام من اللوطى والمنقول في كثير من الفتاوى انه بكرة وهو الذي
 عولنا عليه في المختصر اه اقول هو صريح ايضا في انه ليس مما تقوم المعصية بعينه ولذا
 كان ما في الفتاوى مشكلا كما مر عن الزهرا ذ لا فرق بين الغلام وبين البيت

والعصیر فكان ينبغي للمصنف التعليل على ما ذكره الشراح فانه مقدم على ما في الفتاوى نعم على هذا التعليل الذي ذكره الزيلعي يشكل الفرق بين ما تقوم المعصية بعينه وبين ما لا تقوم بعينه فان المعصية في السلاح والمكعب لمفضض ونحوه انما هو بفعل الشاري فليتامل وجه الفرق فانه لم يظهر لي ولما من نب عليه نعم يظهر الفرق على ما قدمه الشارح تبعاً لغيره من التعليل لجواز بيع العصير بانه لا تقوم المعصية بعينه بل بعد تغيره فهو كبيع الحديد من اهل الفتنة لانه وان كان يحمل منه السلاح لكن بعد تغيره ايضا الى صفة اخرى وعليه يظهر كون الامر مما تقوم المعصية بعينه كما قد مناه فليتامل (رد المحتار ص ۲۷۸ ج ۵)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :

- ① مزامیر وغیرہ آلات لہو کی بیع کے بارے میں مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بالاتفاق صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق حرمت کا فتویٰ دیا ہے، سوال میں مظاہر علوم کا جو فتویٰ پیش کیا گیا ہے اس میں یہ نقص ہے کہ اس میں قول حرمت کا مفتی بہ ہونا بیان نہیں کیا،
- ② باغیوں کے ہاتھ اسلحہ کی بیع میں بھی بالاتفاق قول حرمت کو مفتی بہ قرار دیا ہے،
- ③ لوطی کو بیع امرد پر مجبور کیا جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوطی سے امرد کی بیع ناجائز ہے، جب ابقار و اقرار ملک جائز نہیں تو احداث و اثبات ملک بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔
- ④ بیع الجارية المغنیه و بیع الامرد من اللوطی کو اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، البتہ زلیعی، عینی اور بخشی رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے کراہت تنزیہیہ ثابت ہوتی ہے۔
- ⑤ اجارة البيت للمكنيسة میں قول جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔
- ⑥ بیع و اجارہ کے جواز و عدم جواز کی بناءً ما تقوم المعصية بعينه و ما لا تقوم بعينه قرار دی گئی ہے۔

④ ما لا تقوم المعصية بعينه کا مطلب یہ ہے کہ معصیت سے قبل اس چیز میں صنعت وغیرہ کے ذریعہ کوئی تغیر آگیا ہو، کبیع الحديد من اهل الفتنة و بیع العصير۔ اور ما تقوم المعصية بعينه سے مراد یہ ہے کہ بدول تغیر کے اسی حالت میں اس کو معصیت میں استعمال کیا جاتا ہو، کبیع السلاح من اهل البغی۔

القول المبرہن —————

امور بالائیں سے صرف جاریہ مغنیہ اور امر دکی بیع میں اختلاف ہے، مگر اکثریت اور دلیل کی قوت قائلین حرمت کے ساتھ ہے، اس بارے میں امور ذیل قابل غور ہیں :

① لوطی کو بیع امر د پر مجبور کرنا دلیل ہے کہ اس کے ہاتھ بیچنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے

② قول نہر "لانه تسبب فی الاعانة" برحموی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کائنہ میل

منہ الی ان فانی الخانیۃ ماحول علی کراہۃ التخریر لان التسبب بھذہ الافعال فطیع قریب من الحرام فلا یكون خلاف الاولیٰ اھ ذکرہ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کما قد منا،

③ جاریہ مغنیہ اور امر د کو "ما لا تقوم بہ المعصیۃ" میں داخل کرنا بہت بے سید ہے،

اوپر مذکور میں "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی جو تشریح کی گئی ہے اس میں اس کا دخول بدیہی ہے، "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی یہ تفسیر کہ شرا سے مقصود ہی صرف معصیت میں استعمال کرنا کسی سے منقول نہیں، صرف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیلعی پر وارد ہونے والے اشکال کے حل کی خاطر باب البغاة میں یہ تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، اسی لئے خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس پر مطمئن نہیں، چنانچہ کتاب المحظر والاباحہ میں اپنی سب سے آخری تحقیق میں اس کے خلاف واضح فیصلہ فرما دیا ہے اور ان اشیاء کو "مما تقوم المعصیۃ بعینہ" قرار دیا ہے،

اب رہا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اشکال کہ جاریہ مغنیہ اور اجارۃ البیت میں

وجہ الفرق ظاہر نہیں،

بندہ کے خیال میں ان دونوں میں وجہ الفرق یہ ہے کہ بیت آلہ معصیت نہیں بلکہ صرف طرف معصیت ہے، بیت گناہ میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ بیت میں گناہ ہوتا ہے جس طرح فاسق کے پاس لباس بیچنا اس لئے جائز ہے کہ لباس گناہ میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ لباس میں گناہ کیا جاتا ہے، لباس تو زینت اور حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں گناہ کرنا امر مجاور ہے، اسی طرح بیت کا استعمال بھی زینت اور حفاظت کے لئے ہے، اس میں معصیت امر زائد ہے، اگر بیت کا "ما تقوم المعصیۃ بعینہ" میں دخول تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس میں ایک فرق موجود ہے وہ یہ کہ صورت مسئلہ اجارۃ البیت من الکافر کی ہے اور وہ احکام شرع کا مکلف نہیں،

غرضیکہ جاریہ مغنیہ میں راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، معہذا اس کی بیع کی حرمت

بیع مزامیر واسلحہ کی بہ نسبت خفیف ہے، اس لئے کہ مزامیر مصنوعہ للہو ہیں اور بغاۃ کو اسلحہ فراہم کرنے میں ملک کی تباہی ہے، بخلاف جاریہ کے کہ وہ مصنوعہ للہو نہیں اور اس کی بیع میں ملک کا بھی اتنا عظیم نقصان نہیں۔

تفصیل مذکور کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلیوژن کی مشابہت اُمور مذکورہ میں کس کے ساتھ ہے، کیا یہ مزامیر واسلحہ کی نظیر ہے یا جاریہ مغنیہ وامرد کی یا بیت کی؟

سو غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی بیت سے تو کچھ بھی مشابہت نہیں، لما صرناہ ظرف، اسی طرح مزامیر سے بھی پوری مشابہت نہیں، لانھا مصنوعۃ للہو بخلاف الرادیو والتلوژن۔ اسلحہ سے اگرچہ مشابہت ہے مگر ان کی بیع میں بیع اسلحہ جیسا نقصان عظیم نہیں، پس ان کی پوری مشابہت جاریہ مغنیہ سے ہے بلکہ یہ ہیں ہی جاری مغنیہ، لہذا ریڈیو اور ٹیلیوژن کی بیع اور مرمت قول راجح کے مطابق مکروہ تحریمی ہے، اور اگر کراہت تنزیہیہ کا مرجوح قول بھی لے لیا جائے تو بھی یہ پیشہ اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ کراہت تنزیہیہ پر دوام مفضی الی الکراہۃ التحریمیۃ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بوقت بیع و مرمت گانا سننے سے کوئی مفر نہیں، جس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، یہ علی سبیل التّنزل لکھ دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ جاریہ مغنیہ وامرد کی بیع کو مکروہ تنزیہی قرار دینا ہرگز قابل قبول نہیں، معاشرہ کی نیرنگیاں :

اس دورِ مجدد کے معاشرہ میں ہر بڑی سے بڑی بے حیائی ہنر اور کمال شمار ہونے لگی ہے، اس کے باوجود آج بھی اگر کہیں لوطی قوم بستی ہو اور ان کے لئے امارد کی درآمد کا کوئی مستقل کاروبار کرنے لگے تو کیا کوئی ذرہ برابر بھی سلامت طبع اور قلب حساس رکھنے والا اس کے اس شنیع فعل کو صرف مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ قرار دے کر اس سے چشم پوشی کر سکتا ہے؟ گانے بجانے کی حرمت اور اس پر دنیوی و اخروی قہر و عذاب کی وعیدیں کیا کچھ کم ہیں؟ مگر یہ معاشرہ کی نیرنگیاں ہیں کہ جب چاہیں حرام کو حلال، ذلت کو عزت، پستی کو بلندی، تنزل کو ترقی اور حیوانات کو شرما دینے والی بے حیائی و بے غیرتی کو انسان کی معراج قرار دے دیں۔ مگر تاکہ اگر بطور استراحت دنیا کے مذاہب سے بھی گئے تو یوم حساب کچھ دور نہیں،

در دمنده گزاری :

آج کل عوام تو عوام بہت سے علماء بھی یہی چپے سنائی دیتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں توسیع سے کام لینا چاہئے، یہ نظریہ اس حد تک تو بلاشبہ صحیح ہے کہ حدود شرعیہ و اصول مذہب کے اندر رہتے ہوئے گنجائش تلاش کی جائے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدود شریعت و قواعد مذہب کو بالائے طاق رکھ کر نفس پرستی کی کھلی چھٹی دیدی جائے، ہوائے نفسانی پر ضرورت و ابتلا کا نام کہہ کر قوانین اسلام سے تلاعب کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، بعض لوگ گھر بیٹھے ہی بزعم خود محقق بن گئے ہیں اور وہ محرمات شرعیہ کو عموم بلوی کے تحت لاکر حلال بنا رہے ہیں، ان خود رو محققین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عموم بلوی کا قانون صرف طہارت و نجاست سے متعلق ہے، حالت و حرمت پر یہ مؤثر نہیں، آج بینک اور بیمہ جیسے ملعون اداروں میں ملازمت پر فخر، تصویر سازی اور تصویر رکھنے کی لعنت کا بے حجابانہ اور علانیہ ارتکاب اور اس قسم کے دوسرے منکرات و فواحش کے شیوع اور ان میں برق رفتاری سے ترقی میں علماء زمانہ کی خانہ زاد وسعت نظر کو بہت بڑا دخل ہے، اگر خدا نخواستہ یہ جذبہ وسعت نظر اسی طرح کار فرما رہا تو ”تسافد الجہم“ اور ”نزول العید علی العین“ کا نظارہ کرنے کے لئے تیار رہئے اور ”فانتظر الساعۃ“ کے قانون قدرت کے مطابق اس وسعت نظر کے حساب و کتاب کا انتظار کیجئے، وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی وعصمنا من جمیع السیئات الظاہرۃ والباطنۃ آمین،

آپ کے فائدہ کی :

حتی الامکان ریڈیو اور ٹیلیوژن کی تجارت اور مرمت کا پیشہ اختیار کرنے سے احتراز کیجئے، اگر خدا نخواستہ کسی مجبوری سے آپ اس میں مبتلا ہیں تو اپنے مالک کے سامنے اعتراف جرم کر کے توبہ و استغفار کرتے رہئے اور اس کی بجائے کسی جائز پیشہ کی دعا اور کوشش جاری رکھئے، فقط واللہ الموفق.

الحاق :

تحریر بالائی تکمیل کے بعد خیال آیا کہ اس سلسلہ سے متعلق استاذ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ تفصیل الکلام فی مسالۃ الاعانۃ علی الحرام سے بھی استفادہ کر لیا جائے، چنانچہ ذیل اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

① فی الفن الاول عن الاشباه والنظائر تحت مباحث النية ان بیع العصیر ممن يتخذ خمرًا ان قصد به التجارة فلا تحرم وان قصد لاجل التخمیر حرامہ (جواهر الفقہ ص ۲۲۲ ج ۲)

② فی اجارات المبسوط للسرخسی واذا استأجر الذی من المسلم بیئنا لیبیع فیہ الخمر لم یجزلانہ معصیة فلا ینعقد العقد علیہ ولا اجر له عندهما وعند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز هذا العقد لان العقد یرد علی منفعة البیت ولا یتعین علیہ بیع الخمر فله ان یبیع فیہ شیئًا آخر، یموز العقد لهذا، ولكننا نقول تصریحہما بالمقصود لا یجوز اعتبیل معنی آخر فیہ وما صرح بہ معصیة "مبسوط ص ۳۸ ج ۱۲" (جواهر الفقہ ص ۲۲۴ ج ۲)

③ وان لم یکن السبب محرکًا وداعیًا بل موصلًا لحضًا وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لا یحتاج فی اقامة المعصیة بہ الی احداث صنعة من الفاعل کبیع السلاح من اهل الفتنہ و بیع العصیر ممن يتخذ خمرًا و بیع الامر ممن یعصی بہ واجارة البیت ممن یبیع فیہ الخمر و یتخذہا کنیسة او بیت نارًا و امثالہا فکلمہ مکروہ تحریمًا بشرط ان یعلم بہ البائع والأجر الخ (جواهر الفقہ ص ۲۵۳ ج ۲)

④ فان من قال بکراهة بیع الجارية المغنیة والاقرم ممن یعصی بہ وامثالہ فقد اصاب (الی قوله) ومن قال بجوازہا اراد جواز العقد بمعنی الصحة لا الجواز بمعنی رفع الاثم (الی قوله) ومن صرح برفع الاثم ایضًا كما فی عبارة المبسوط المذكورًا اولاً فهو مقید بما اذا لم یعلم ان شرائہ واستیجارہ لفعل المعصیة قصد اکاجارة البیت من الذی والقاسق فان الاجارة وقعت علی نفس السکفی قصداً ولا اثم فیہ الخ (جواهر الفقہ ص ۲۵۴ ج ۲)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے ،

① بیع العصیر بقصد التخمیر حرام ہے ،

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ما تقام المعصیة بعینہ" کی خود ایک تفسیر فرمائی ہے اور اس میں اسے بھی داخل فرمایا ہے، مگر "ما تقام المعصیة بعینہ" کی عام مشہور اور عبارات مذہب میں مسطور تعریف میں صورت مذکورہ داخل نہیں، معنہا قصد معصیت کی وجہ سے حرام ہے۔

② حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق بھی بیع الجارية المغنیة مکروہ تحریمی ہے

اور ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلیوژن بھی جاریہ مغنیہ ہی ہے ،

عہ لعلہ عن سبق القلم لانه یحتاج فی اقامة المعصیة بہ الی احداث صنعة ۱۲ رشید احمد

(۳) حضرت مفتی صاحب کی رائے میں اجارۃ البیت بھی مکروہ تحریمی ہے، مگر اسی رسالہ کے اردو خلاصہ کے آخر میں بینکاری کے لئے کرایہ پردیے گئے مکان کے بارے میں فرماتے ہیں ”اس میں مجھے ہنوز تردد ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کہا جائے یا تنزیہی، دوسرے علماء سے بھی استصواب فرمالیں (جواہر الفقہ ص ۴۶۲ ج ۲)

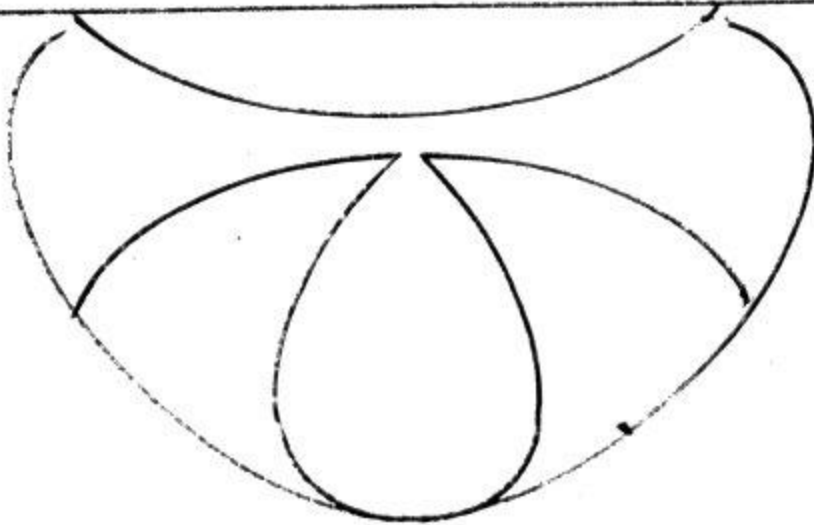
بندہ کے خیال میں اجارہ من الکافر اور اجارہ من المسلم میں فرق ہے، عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجارہ من الکافر سے متعلق ہیں اور اس میں درایت و روایت کراہت تنزیہیہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور اجارہ من المسلم میں کراہت تحریمیہ راجح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم، یہ امر ظاہر مسلم اور کتب مذہب میں مصرح ہے کہ امور بالا اس صورت میں ناجائز ہیں جبکہ بائع اور آجر کو استعمال فی المعصیۃ کا علم ہو، موجودہ معاشرہ میں عام خریدار کے بارے میں استعمال فی المعصیۃ کا ظن غالب ہوتا ہے، البتہ اگر کسی شخص کے تدین و تقویٰ کا علم ہو تو اس کے پاس ریڈیو کی بیح اور اس کے ریڈیو کی مرمت جائز ہے، ٹیلیویشن کے جائز استعمال کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں، وجوہ حرمت کی تفصیل احسن الفتاویٰ کتاب الخطر والاباحۃ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

رشید احمد

۲۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۷ھ، بحری

ٹ ۹ ک کی حرمت پر مفصل رسالہ
”ٹی وی کا زہری ٹی بی سے مہلک تر“

احسن الفتاویٰ جلد ۶ کتاب الخطر والاباحۃ میں ہے اور مستقل بھی چھپ چکا ہے



متفرقات البیوع

اولاد کو زمین دیکر اسمیں تصرف کرنا :

سوال : ایک شخص نے اپنی زندگی میں زرعی زمین حصہ حصہ کر کے اپنی بیٹیوں کے نام پر اسٹامپ لکھوا دیا کہ چار ہزار روپے کے عوض میں نے اپنی بالغ بچیوں کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا، پھر ثمن اپنے قبضہ میں نہیں لیا بلکہ بچیوں کو ہی بخش دیا اور زمین مذکور کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھا، حتیٰ کہ آخر میں اس زمین میں سے ایک حصہ مسجد کے نام پر وقف کر دیا، بچیوں نے باوجود معلوم ہونے کے اپنے والد پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ ہی اس نے اس کی رقم بچیوں کے حوالہ کی تو کیا شرعاً اس شخص کا اس طرح بالغ بچیوں کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے ہی قبضہ اور تصرف میں رکھنا اور اس کے بعد دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور وصیت کر کے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اگر بچیوں کو اس بیع کا علم نہیں تھا اور باپ نے اپنے طور پر ہی یہ کام کیا یا انھیں علم تھا مگر انھوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا یا قبول تو کر لیا تھا مگر شروع سے ہی باپ نے انھیں بتا دیا تھا کہ یہ محض صورت بیع ہے حقیقت میں تم سے کوئی رقم وغیرہ نہیں لینا چاہتا ان صورتوں میں بیع نہیں ہوئی، لہذا باپ کے تصرفات شرعاً صحیح ٹھہرے البتہ اگر اس وقت واقعہ بیع ہی مقصود تھی اور بچیوں نے اسے قبول بھی کر لیا تھا مگر بعد میں باپ نے قیمت معاف کر دی تو یہ زمین بچیوں کی ملک ہے، اسمیں باپ کا کوئی تصرف بدو انکی اجات کے معتبر نہ ہوگا، ہاں اگر باپ صاحب حاجت ہو تو وہ بقدر ضرورت اپنی اولاد کے مال سے لے سکتا ہے

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ

مبیع کو دیکھتے وقت مشتری کے ہاتھ سے ضائع ہوگئی :

سوال : زید عمرو کی دکان پر کنگھا خریدنے گیا، ایک کنگھے کی طرف اشارہ کر کے

قیمت پوچھی، عمرو نے کہا ڈیڑھ روپیہ، زید نے کہا دکھاؤ تو سہی، قیمت بعد میں طے کر لی گئی، عمرو نے اٹھا کر دیدیا، اس نے ہلا کر دیکھا تو اتفاق سے اس کے کچھ دندانے ٹوٹ گئے، اب عمرو اس کی قیمت طلب کرتا ہے مگر زید کہتا ہے کہ ابھی تو بیع ہی نہیں ہوئی تھی، سوال یہ ہے کہ اسکی قیمت زید پر آتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشتری کے جملہ ”دکھاؤ تو سہی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنگھا خریدنے پر راضی نہیں ہوا تھا بلکہ دیکھنے کے بعد اس نے رضا یا عدم رضا کا فیصلہ کرنا تھا، لہذا زید پر ضمان نہیں آئے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : قلت و بیان ذلک ان المساوم انما يلزمه الضمان اذا رضى باخذہ بالثمن المسمى على وجه الشراء فاذا سمى الثمن البائع وتسلم المساوم الثوب على وجه الشراء يكون راضيا بذلك كما انه اذا سمى هو الثمن وسلم البائع يكون راضيا بذلك فكأن التسمية صدرت منهما معا بخلاف ما اذا اخذہ على وجه النظر لانه لا يكون ذلك رضا بالشراء بالثمن المسمى قال في القنية سمع عن ابي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ قال له هذا الثوب لك بعشرة دراهم فقال هاته حتى انظر فيه او قال حتى اريه غيري فاخذہ على هذا وضاع لاشيء عليه ولو قال هاته فان رضيت اخذته فضا ع فهو على ذلك الثمن اهـ قلت ففي هذا وجدت التسمية من البائع فقط لكن لما قبضه المساوم على وجه الشراء في الصورة الاخيرة صار راضيا بتسمية البائع فكأنها وجدت منهما اما في الصورة الاولى والثانية فلم يوجد القبض على وجه الشراء بل على وجه النظر منه او من غيره فكان امانة عنده فلم يضمه ثم قال في القنية ط اخذ منه ثوبا و قال ان رضيت اشتريته فضا ع فلا شيء عليه وان قال ان رضيت اخذته بعشرة فعليه قيمته ولو قال صاحب الثوب هو بعشرة فقال المساوم هاته حتى انظر اليه وقبضه على ذلك وضاع لا يلزمه شيء اهـ قلت ووجه انه في الاول لم يذكر الثمن من احد الطرفين فلم يصح كونه مقبوضا على وجه الشراء وان صرح المساوم بالشراء وفي الثاني لما صرح بالثمن على وجه الشراء صار

مضمونا وفي الثالث وان صرح البائع بالثمن لكن المساوم قبضه على وجه النظر
لا على وجه الشراء فلم يكن مضمونا وبهذا اظهر الفرق بين المقبوض على سوم
الشراء والمقبوض على سوم النظر فافهم واعلم تحقيق هذا المحل (رد المحتار ج ۴)
مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زید نے احتیاط کے ساتھ کنگھے کو ہاتھ لگایا ہو یا محتاط
طریقے سے استعمال کر کے دیکھا ہو پھر بھی وہ ٹوٹ گیا ہو۔ اگر زید نے کنگھا استعمال کرنے
میں احتیاط نہیں برتی، اسکی بے احتیاطی سے ٹوٹ گیا تو اس پر ضمان آئے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۹ھ

ڈپو ہولڈر مقررہ قیمت کا پابند ہے :

سوال : ڈپو ہولڈر کو مقررہ قیمت کی پابندی کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

ڈپو ہولڈر کا حکومت سے عہد ہوتا ہے کہ وہ مقررہ قیمت پر فروخت کرے گا، اسلئے
حکومت اسے رعایت دیتی ہے، لہذا اس عہد کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۵ھ

ایک شریک نے ادارتھمن سے انکار کر دیا :

سوال : زید اور بکر نے معاہدہ کیا کہ وہ مل کر فلاں کمپنی سے زمین خریدیں، چنانچہ
دونوں نے حسب معاہدہ کچھ رقم جمع کی اور قسطوں پر زمین خریدی، ابھی دو قسطیں ہی ادارتھمن کی
تھیں کہ بکر نے مزید رقم دینے سے انکار کر دیا، کیا اس صورت میں زید اسکا پابند ہے کہ وہ
بکر کی دی ہوئی رقم (جو زید ہی نے اپنی رقم کے ساتھ ملا کر کمپنی کو دی تھی) اپنی گھر سے
ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسمہم الصواب

اس رقم کی واپسی زید کے ذمہ نہیں، البتہ اگر زید نے کل زمین خرید لی اور بکر کی ادا
کی ہوئی رقم بھی اپنے حساب میں کمپنی کو ادا کر دی تو زید پر یہ رقم قرض ہوگی، لہذا وہ

اس کا پابند ہو گا کہ یہ رقم بکر کو واپس کرے۔
 زید کو یہ بھی اختیار ہے کہ بکر کے حصہ کی رقم بھی ادا کر کے پوری زمین اپنے قبضہ
 میں لے لے اور پھر بکر کو اس کا حصہ اس وقت تک نہ دے جب تک اس سے اسکی
 پوری قیمت وصول نہ کر لے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ولو غاب احد المشتریین فلهما ضم
 دفع کل الثمن وقبضه وحبسہ حتی ینقذ شریکہ (کنز الدقائق ص ۲۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۱۳۹۸ھ

بیع سے انحراف پر جرمانہ :

سوال : بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں یہ دستور ہے کہ مثلاً
 کسی پلاٹ یا مکان کی خریداری کا معاہدہ ایک لاکھ روپے میں ہوا تو خریدار بائع کو دو
 چار ہزار روپے بطور بیعانہ پیشگی دے دیتا ہے، جس سے سودے کی بات چکی ہو جاتی ہے
 اس کے کچھ دن بعد رجسٹری ہو جاتی ہے، بعد ازاں اگر خریدار معاہدہ سے منحرف ہو جائے
 اور بقیہ رقم ادا نہ کرے تو بیعانہ کی رقم ضبط کر لی جاتی ہے اور اگر بائع منحرف ہو جائے تو
 وہ خریدار کو بیعانہ کی رقم دو گنی کر کے واپس کرتا ہے، کیا شرعاً یہ دستور جائز ہے؟
 بیینوا تو جروا

الجواب باسمہم الصواب

معاہدہ کی پابندی فریقین پر ضروری ہے، منحرف ہونے والے فریق کو ایفا معاہدہ
 پر مجبور کیا جاسکتا ہے، مگر بیعانہ ضبط کرنا یا بائع سے دو گنا وصول کرنا جائز نہیں،
 اس مسئلہ کی تفصیل رسالہ ”تحریر المقال فی التعزیر بالمال“ مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد
 پنجم میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ رمضان سنہ ۱۳۹۹ھ



دوست دشمن سب تھے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوب

انوار الشیخ

فقیر العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لہہ یانویٰ، منیر کتب
کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی
پاکستان چوک

اِرْشَادُ الْقَارِئِ إِلَى صَحِيحَةِ الْبُخَارِيِّ

تألیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف
موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا،
زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے
اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک
منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گرلن قد
مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا
جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض، طویل للذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار
کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء ردیو بند کی ایک جھلک
دیکھی جاسکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور
بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و امالی میں
نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ سہ ماہ صفحہ ۶۱) قیمت

سید ایم ایم
سید کبیری ادب منزل کراچی
پاکستان چوک